درِ یتیم

صلی اللہ علیہ وسلم

(مؤلف)

ماہرالقادری

پیش کش: ملت ڈاٹ کام

www.millat.com

قربانی کی صبح

ستاروں کے بجھتے ہوئے چراغوں سے دھواں سا نکل رہا تھا، یہ صبح کاذب تھی! دھندلکا اور اجالا ایک دوسرے میں گھل مل گئے تھے۔ سورج مشرق کے دریچے سے جھانکنے ہی والا تھا، مہ وانجم...... رات کے مسافر رخت سفر باندھ کر جانے کے لئے تیار کھڑے تھے، بساط شب الٹنے والی تھی، اس کے مہرے آپ ہی آپ کپکپا رہے تھے۔

صبح کے نرم وخنک جھونکے بڑے جسم فریب ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ اس خواب نوشیں سے بیدار ہونا چاہتے ہیں۔ بستر کی شکنیں سونے والے کا دامن تھام کر کہتی ہیں کہ ایکا ایکی بے وفائی نہ کرو، ابھی دن کہاں نکلا ہے، دھوپ اچھی طرح پھیل جائے تو یہاں سے اٹھ کر جانا، خوب لطف کے ساتھ کروٹیں بدلو، انگڑائیاں لو۔ ہتھیلیوں سے خواب آلودہ آنکھیں ملنے کے بعد بھی لیٹے رہو۔ ایسی جلدی کیا ہے کلیوں کو تو چٹک جانے دو، شبنم نے ابھی نیم باز غنچوں کے منہ میں بھی پورے طور پر نہیں دھلائے، نیند کا مزہ جاگنے پر ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس لطف کو دیکھو! ادھورا نہ چھوڑ دینا، آنکھ کھلتے ہی بستر سے فوراً اٹھ جانے والے، خواب کی لذت آخر سے محروم رہتے ہیں۔ یہ مکہ کی صبح کاذب تھی، لوگ ٹھنڈی ہواؤں کی گود میں سو رہے تھے۔ سکوت شب پوری طرح ٹوٹا نہ تھا کسی کسی راستہ سے اونٹوں کے گلے کی گھنٹیاں بجنے کی آواز آرہی تھی...... مدھم اور بے ترتیب آواز، جیسے کوئی نومشق پجاری مندر میں گھنٹی بجا رہا ہو۔ اہل مکہ کے

گھروں پر نیند کی خموشی چھائی ہوئی تھی......اس عالم میں بنو ہاشم کے عریض وطویل مکان کے دروازے کے پاس ایک باوقار شخص سیاہ کمبل پر دیوار سے کمر لگائے بیٹھا تھا، وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اس کے ماتھے پر سلوٹیں جلد جلد ابھرتیں اور پھر پھیل جاتیں، فکر و احساس کے بار نے اس کے پپوٹوں کو بوجھل بنا دیا تھا، اس کی انکھوں میں کبھی چمک پیدا ہوتی اور کبھی اندھیرا، خیالات شاخ در شاخ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ وہ یکبارگی کھڑا ہوا اور صحن میں تیز ٹہلنے لگا۔

خوب دھوپ پھیل چکی تھی، ابوقبیس کی چوٹیوں پر سورج کی شعاعوں نے سنہری شعر لکھ دیئے تھے۔ پرندے چہچہا رہے تھے، بکریاں ممیا رہی تھیں اور اونٹ بلبلا رہے تھے مگر یہ شخص اپنے خیالات میں مستغرق تھا، غور و فکر کی شدت نے صبح کے ہنگامہ سے اسے بے خبر بنا دیا تھا۔ گھر کے لوگ اس کی طرف حیرت تجسس کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے......کہیں! بنو امیہ سے کسی بات پر جھگڑا تو نہیں ہو گیا امیہ اور ہاشم کے جانشینوں کی تلواروں کو نیام سے تو باہر نہ آنا پڑے گا۔ شام سے جن اونٹوں پر سامان تجارت آ رہا تھا۔ کہیں وہ تو نہیں لٹ گئے؟ حج کا زمانہ قریب آ رہا ہے شاید اس کے نظام کے لئے سوچ بچار ہے! عبدالمطلب کو اتنا فکر مند تو کبھی نہیں دیکھا گیا، آج یہ دارالندوہ بھی نہیں گئے۔ قریش کے سرداران کے منتظر ہوں گے۔ ......سب لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق قیاس آرائی کر رہے تھے، عبدالمطلب سے بات کرنے کی کسی کو جرات نہ ہوتی تھی۔

عبدالمطلب نے پیشانی سے پسینہ پونچھا، کئی بار ہاتھوں کی مٹھیوں کو بند کیا اور کھولا ،پھر اپنے نیچے کرتہ کو اوپر اٹھاتے ہوئے بولے

......عبداللہ کہاں ہے؟ اسے بلاؤ، کعبہ کی دیوار کے سایہ میں آج اسے قربان کر کے اپنی منت پوری کروں گا۔

گھر والے سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، عبدالمطلب کے فیصلہ کو سن کر سب کے چہرے یکبارگی پیلے پڑ گئے۔جیسے ان کے جسموں میں لہو نہیں پانی ہے، مکان کے صحن میں اونٹوں کے کجاووں کے پاس دیوار میں بہت بڑا طاق تھا جس میں مٹی کے پیالے ،رسیاں، ستو کے خالی تھیلے، آہنی خود، ٹوٹی ہوئی زرہ کے ٹکڑے اور لوہے کے کچھ ہتھیار رکھے ہوئے تھے، عبدالمطلب نے طاق سے چھری اٹھائی اور اس کی دھار دیکھنے لگے، دھار تیز تھی، مگر عبدالمطلب نے احتیاطاً زرہ کے لوہے پر اسے رگڑنا شروع کر دیا۔

آن کی آن میں بجلی کی طرح ہر طرف خبر پھیل گئی، عبدالمطلب نے جو منت مانی تھی کہ اللہ تعالٰی نے مجھے دس بیٹے دے دیئے تو میں ایک بیٹا کو تقرب الٰہی کے لئے قربان کر دوں گا۔آج اس منت کے پورا کرنے کی وہ تیاری کر رہے ہیں، چھری کی دھار تیز تر کی جا رہی ہے۔عبداللہ کو بلانے کے لئے آدمی بھجوا دیا ہے۔ ہاشمی گھرانے کے لوگ بات کے پکے اور ارادے کے مضبوط ہوتے ہیں اور پھر عبدالمطلب تو قریش کے سردار ہیں ان کے عزم کا بدل جانا بہت دشوار ہے۔

تھوڑی دیر میں عبداللہ، حارث، ابوطالب اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ باپ کی جناب میں حاضر ہو گئے۔اور ان کے آنے کی تھوڑی دیر بعد عبداللہ کے ننھیال والے بھی نواسہ کے قربان کئے جانے کی خبر سن کر چلے آئے، عبداللہ ایک طرف چپ چاپ کھڑے تھے، سب کی نگاہیں انہی پر تھیں...... ترس کھانے والی نگاہیں ملتجی نظریں کہ کاش! عبدالمطلب کے ہاتھ سے کوئی چھری چھین لیتا۔

لوگوں کی ہمدردی کے اس منظر کو دیکھ کر عبدالمطلب نے اونٹ کے کجاوے پر پیر رکھتے ہوئے کہا:

......مجھے بزدل بنانے کے لئے تم یہاں اکٹھے ہوئے ہو! ہمدردی کا یہ نرالا انداز ہے، ایک شریف آدمی کو ایفائے عہد اور تکمیل منت سے روکا جاتا ہے۔! میری منت سب کو معلوم ہے ۔رات میں نے قرعہ اندازی کی تھی پورے احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ قرعے ڈالے تھے۔ عبداللہ کے نام قرعہ نکل آیا، آج اس کو قربان کر کے منت پوری کرونگا۔ جو لوگ کم ہمت اور بزدل ہیں وہ اپنی آنکھوں پر قمیضوں کے دامن ڈال لیں، جو ذبح ہونے والے کی چیخیں سننے کی تاب نہیں لاسکتے وہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیں،لوگوں کو میرے بچہ سے ہمدردی ہے مگر میری شرافت اور غیرت سے ہمدردی نہیں ہے۔عدنان کی اولاد ہائے! اتنی کم ہمت ہوگئی! کاش ابوقیس کا سینہ شق ہوجاتا اور تمام بزدل قریش اس میں سما جاتے۔

عبدالمطلب باربار ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے اور چھری کو الٹتے پلٹتے ،اپنے عزم کا ثبات دکھانے کے لئے! عبداللہ کے ننھیالی لوگ اور سب سے بڑ کر ابوطالب درمیان میں آ گئے کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے۔ پہلے ہماری گردنوں پر چھری پھیرو پھر عبداللہ کے جسم کو ہاتھ لگانا۔ بات بڑھنے لگی، عبدالمطلب اپنی ضد پر قائم تھے۔ کہ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہوجائے میرا ارادہ نہیں بدل سکتا، مردوں کا قول جاندار ہوتا ہے۔اور وزنی بھی! میں اس وزن کو عزیزوں رشتہ داروں کے کہنے میں آ کر ہلکا نہ ہونے دونگا۔ مجھے اللہ نے اپنی مہربانی سے دس بیٹے دیئے ہیں ایک بیٹا جاتا رہا تو کیا ہوجائے گا۔ پھر منت کا پورا کرنا ہر محبت اور تعلق سے بڑھ کر ہے۔

سخت کشمکش کی نوبت آ گئی ، دونوں طرف سے کوئی بھی اپنی بات سے ذرہ برابر ہٹنے کیلئے تیار نہ تھا، ایک ہاتھ میں چھری تھی اور دوسری جانب دسیوں سینے عبداللہ کے سامنے سپر بننے کے لئے آمادہ تھے۔

......''یا سید القریش! ایک بات کہوں، مان لو گے''

ایک بوڑھے عرب نے اپنی کمر سے رسی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔

......''کسی بات کا اقرار نہ لو بڑے میاں، جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو......عبدالمطلب نے جواب دیا۔

......بنو عامر کے محلّہ میں جو کاہنہ رہتی ہے اسے تو آپ جانتے ہیں

......بوڑھے نے دریافت کیا۔

......''میں کیا سارا مکہ اسے جانتا ہے کہانت میں آج اس کا جواب نہیں ہے۔ یمن اور نجد تک کے لوگ اس سے فال کھلوانے کے لئے آتے ہیں''......عبدالمطلب چھری کی نوک دیوار میں چبھوتے ہوئے بولے۔

......''اتنا ہی نہیں! غسان اور یمامہ کے بادشاہ اس کاہنہ کی خدمت میں نذریں اور ہدیے بھیجتے ہیں۔ چلو ان کے پاس چل کر اس قضیہ کو پیش کردیں، وہ جو کہے گی اس پر عمل کریں گے۔ اسے نہ کسی بات کا لالچ ہے اور نہ کسی کا خوف، اس کا فیصلہ دوٹوک ہوگا......بوڑھے کے کہنے پر عبدالمطلب نے کرتہ کا اٹھا ہوا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا گویا وہ کاہنہ کے پاس جانے کو تیار ہیں اور یہ انہیں بات منظور ہے۔

......''اس چھری کو تو گھر میں رکھتے چلو!''......ایک رشتہ دار نے جھنجھلا کر کہا''

''نہیں یہ نہیں ہوسکتا، کاہنہ کا فیصلہ تک یہ چھری عبدالمطلب کے ہاتھ سے جدا نہ ہوسکے گی۔ مجھے ہر بات کے لئے مجبور نہ کرو''......عبدالمطلب نے گھر کے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

بنو ہاشم کے چند لوگ عبدالمطلب کو لے کاہنہ کے پاس پہنچے، کاہنہ اڈھیر عمر کی عورت تھی،

بکھرے اور الجھے ہوئے بال، چہرہ گرد آلود، نیم برہنہ جسم، گلے میں اونٹ کی ہڈیوں کا بدقوار مالا، ہاتھوں، پیروں اور بازوؤں میں لوہے کے موٹے موٹے کڑے! انتہائی بھیانک اور ڈراؤنا چہرہ! پیلی آنکھیں، تنی ہوئی بھونیں، شکن آلود ماتھا، نیلے ہونٹ، چوڑا جبڑا، عورت کا ہے کو تھی اچھی خاصی دیونی تھی۔ اسی بدہیئتی نے کاہنہ کا لوگوں کو عقیدت مند بنا دیا تھا۔ لات و عزیٰ کے پرستاروں کا خیال تھا کہ غیب کی باتیں عام چہرے مہرے کے آدمی نہیں بتا سکتے اس کے لئے تو سب سے الگ چہرے اور جدا وضع قطع ہونی چاہئے۔

سب لوگ عقیدت کے ساتھ کاہنہ کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ اس نے اپنی لکڑی کے اشارے سے جس پر زیتون کا تیل ملا تھا زمین پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا۔ عبدالمطلب چھری کو زمین میں گاڑ کر اس کے سہارے بیٹھے، کوئی دیوار کے سہارے نیم قد جھکا اور کوئی اکڑوں بیٹھ گیا۔ کاہنہ کے روبرو معاملہ پیش ہوا۔ وہ غور سے سنتی رہی ...... آنکھیں بند کئے ہوئے جیسے اس کا جسم زمین پر ہے مگر اس دماغ آسمانوں کی سیر کر رہا ہے۔ اور غیب کے نوشتے اس کی چشم بصیرت کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

......ہم چاہتے ہیں کہ کسی طرح عبداللہ کی جان بچ جائے اور...... ایک ہاشمی کی بات ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ عبدالمطلب بیچ میں بول پڑے۔

......(کاہنہ کہ طرف مخاطب ہو کر) ان کے کہنے میں نہ آئیں جو کچھ آپ کا دل، ضمیر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کا علم کہے اس کو جوں کا توں کہہ دیں ...... اس پر کاہنہ نے قہقہہ لگایا، بڑے بڑے دانتوں کی پیلاہٹ نے اس تلطف آمیز قہقہہ کو ڈراؤنا بنا دیا، وہ اپنے خاص انداز میں بولی:

......منت دوسری طرح بھی پوری ہو سکتی ہے۔! عبداللہ کے نام کے ساتھ اونٹوں کا بھی

قرعہ ڈالو یہاں تک کہ عبداللہ کی جگہ اونٹوں کا نام نکل آئے تب اونٹ قربان کر دیئے جائیں منت پوری ہو جائے گی۔

سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے اور قرعہ اندازی شروع ہوئی، قرعہ کا آغاز دس اونٹوں سے ہوا، ہر بار عبداللہ کا نام نکلتا۔ گھر والوں کے چہرے فق ہو جاتے، سو اونٹوں پر جا کر عبداللہ کی جگہ اونٹوں کے نام کا قرعہ نکلا اور عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کر دیئے۔

عبداللہ آج چھری تلے سے نکلے تھے۔، انہیں دوبارہ زندگی ملی تھی۔ جتنی خوشی ہوتی تھوڑی تھی، کنواری لڑکیاں خوشی کے گیت گانے لگیں۔ بچے چھوٹے چھوٹے نیزے اور کمانیں لے کر کھیلنے لگے، عبدالمطلب کا گھر مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف چولہے، دیگچیاں پیالے، روٹیاں اور شوربہ کے قدح دکھائی دیتے تھے، قریش اس نامور سردار (قصیٰ) کی اولاد تھے جس نے اب سے سینکڑوں سال پہلے قریش کو جمع کر کے تقریر کی تھی کہ سینکڑوں ہزاروں میل سے لوگ چل کر حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کے کھانے پینے کا اہتمام ہمارا فرض ہے۔ قصیٰ کی تقریر نے سب کے دل پر اثر کیا۔ قریش سال کے سال ایک رقم جمع کر دیتے جس سے حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا، پانی کے لئے چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنا دیئے گئے تھے۔ عبدالمطلب اپنے داد (قصیٰ) کے صحیح جانشین تھے وہی وقار، وہی سیر چشمی اور مہمان نوازی! ان کے یہاں جو کچھ ہوتا کم تھا۔

عبداللہ ذبح ہوتے ہوتے رہ گئے۔ قربانی کی منت دوسری صورت میں پوری ہوئی۔ اب سے کئی سال پہلے اسی مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ ''ذبح عظیم'' کا مہتم بالشان واقعہ پیش آیا تھا۔ تاریخ نے ذرا بدلے ہوئے انداز میں پھر اپنے آپ کو دہرایا تھا۔ وہ نسل، وہی گھرانا، وہی شہران اسرار پر ابھی قدرت نے نورانی حجاب ڈال رکھا تھا۔ جس کے ظہور کے لئے مہ و آفتاب

کی نگاہیں منتظر تھیں۔

پاکباز عبداللہ

عبدالمطلب کے ایک چھوڑ دس بیٹے تھے۔مگران سب میں وجہیہ ـــــ اور شکیل یہی عبداللہ تھے۔جن کے ذبح کرنے کے لئے باپ نے چھری ہاتھ میں سنبھال لی تھی۔ چہرابولہب کا بھی سرخ تھامگرانگارے کی طرح لال بھبوکا،جس کودیکھ کرطبیعت کوانس نہیں الٹی وحشت ہوتی تھی۔ عبداللہ کی صوررت میں بلا کی جاذبیت اوردلکشی تھی۔ان کی پیشانی میں ایک ایسی عجیب چمک تھی۔جوقریش کے کسی نوجوان کی پیشانی میں نظرنہیں آتی تھیں......ان کا ماتھا سچ مچ نور کا تڑکا تھا۔جس میں بہت سی صبحیں مسکراتی تھیں۔

ایک دن دوپہر کے وقت ایک قریشی چرواہا گھر بھاگا آیااوراپنے گھروالوں سے کہنے لگا۔کہ میں نے آج ایک عجیب بات دیکھی ہے۔اس کے کہنے کیلئے میں جنگل سے بستی میں آیا ہوں، ابھی تھوڑی دیرہوئی میں بکریاں چرارہاتھا،عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ قریب سے گزرا،سخت دھوپ پڑرہی تھی۔ مطلع بالکل صاف تھا،سورج کی کرنیں جسموں کوجھلسے دیتی تھیں۔ اتنے میں میں کیادیکھتاہوں کہ عبداللہ کے سرپر بادل کاٹکڑاسایہ کئے ہوئے ہےاوروہ ابرپارہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہاہے۔

لوگ مسکرانے لگے کہ چرواہا خواب دیکھ کر آیاہے۔ یااس کی آنکھیں دھوپ میں تلملاگئیں ہیں۔اور اس نے کچھ کا کچھ دیکھ لیا۔سب نے لڑکے کی بات ہنسی میں اڑادی۔...... چرواہااس پرجھنجلا کر بولا،آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں میری آنکھوں کوذراسا بھی دھوکا نہیں ہوا۔آپ کویقین نہ آئے توکعبہ کاپردہ تھام کراسی بات کودوہرادوں یالات جبل کے

مقدس پیر چھو کر قسم کھالوں، بات واقعی بہت زیادہ عجیب ہے پر میں اپنی آنکھوں کو آخر کس طرح جھٹلا دوں۔

اس پر ایک بوڑھا عرب کمان پر کہنی کا زور دے کر بولا۔

ہمارے خدا لات و عزیٰ گرمی میں جلتے رہتے ہیں اور بادل کے کسی ٹکڑے کو ان پر سایہ افگن ہونے کی توفیق نہیں ہوتی حالانکہ یہ اصنام ہماری حاجت روائی کرتے ہیں۔ انہی کے دم سے مکہ کے کھجور سرسبز ہیں اور طائف کے سبزہ زار لہلاتے ہیں۔ لڑائیوں میں یہی معبود ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہ عبدالمطلب کا بیٹا کیا لات و ہبل سے بھی زیادہ مقدس اور پہنچا ہوا ہے...... اس کل کے لونڈے کی باتوں میں ہم جہاں دیدہ لوگ نہیں آسکتے ......سب ہنسنے لگے۔ چرواہا کھسیانا ہو کر جنگل کو لوٹ گیا۔

مکہ کا ماحول فواحش اور بدکاریوں کا ماحول تھا مگر عبداللہ کی طبیعت کا شروع ہی سے پاکبازی اور نکوکاری کی طرف میلان تھا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے برہنہ عورتوں کی ہلچل سنتے ہی وہ آنکھیں بند کر لیتے۔ جوانانِ قریش کی رنگ رلیوں سے ان کی طبیعت یکسر بیزار تھی۔ ان کے ساتھی چھیڑتے تھے۔ کہ عبداللہ کو تو چوڑیاں پہن کر اور دوپٹہ اوڑھ کر گھر میں بیٹھ جانا چاہیے۔ جواں مردوں کی سی ترنگیں عبدالمطلب کے اس شرمیلے فرزند میں نہیں پائی جاتیں۔ جوانی میں راہبوں اور بطریقوں کی طرح زندگی گزارنا بہت بڑی حماقت اور بدتوفیقی ہے۔ یہ تو لطف کرنے اور مزے اڑانے کے دن ہیں...... آہ! بیچارے عبداللہ کی جوانی! خشک بے مزہ لذتوں سے خالی، دن سے زیادہ راتیں بے کیف، گویا کہ ان کے چمن میں بہار نہیں آئی۔

عبداللہ ایک دن مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے، راستہ کی گرد اونٹوں کے پیروں کے نشان ابھرے تھے جیسے ابھی ابھی اونٹ ادھر سے گزرے ہیں، عبداللہ کی آنکھیں انہی نشانوں پر جمی

ہوئی تھیں کہ ایکا ایکی ایک مکان کا دروازہ کھلا، عبداللہ نے دیکھا تو مر الخشعمہ کی جوان لڑکی دروازے کا پٹ کھولے کھڑی تھی۔ جوانی، حسن وتناسب، موزونیت لڑکی، سر سے پاؤں تک دلکشی اور رعنائی کی تصویر تھی۔ لڑکی نے اشارہ کر کے عبداللہ کو روکا اور اپنی ہوس ناک خواہشوں کا پیام دیا، یہ حسن وجوانی کی طرف سے پہل ہو رہی تھی۔ رعنائیاں خود اقدام کر رہی تھیں۔ عبداللہ کے سینہ میں جوان دل تھا، گرم دلوں سے دھکا ہوا! نفس نے ابھارنا چاہا کہ ایسے رنگین موقع روز روز نہیں میسر آتے۔ اس حسینہ کی طرف قریشی نوجوانوں کی ٹولیاں مائل ہیں۔ ہر کوئی اس کے لئے اپنی مٹھی میں دل دبائے پھرتا ہے۔ اور تیری جانب وہ آپ ہی آپ بڑھ رہی ہے دیکھنا! چوکنا نہیں غفلت نہ کر جانا حسن جوانی کی التجائیں ٹھکرائی نہیں جاتیں...... مگر عبداللہ کے ضمیر نے چٹکی لی، شرم وغیرت کی رگ کو دبایا، عبداللہ نے دوشیزہ کی ایک مسکراہٹ کو بھی قبول نہیں کیا۔

خشعمہ کی حسین لڑکی کو یقین تھا کہ عبداللہ اس کے اقدام پر ہنس کھیل کر ''لبیک'' کہے گا، اب جو توقع کے خلاف ناکامی ہوئی تو حسن اپنی ناکامی پر جھنجلا گیا۔ شدت عتاب نے رخساروں کی سپیدی میں سرخی ملا دی۔ لڑکی تھی ذرا ہوشمند! بڑے صبر وضبط کے ساتھ خفگی کو چھپایا، اور حسن وجوانی کی پیشکش کے ساتھ سرخ اونٹوں کا بھی لالچ دیا...... مگر عبداللہ اسکے جواب میں یہ قطعہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے......

''فعل حرام کے ارتکاب سے تو مرجانا ہی اچھا ہے۔ حلال کو میں بے شک پسند کرتا ہوں مگر اس کے لئے اعلان ضروری ہے...... تم بہکاتی اور پھسلاتی ہو لیکن شریف آدمی پر اپنے دین کی عفت کی حفاظت لازم ہے۔

لڑکی دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ عبداللہ کے نقش قدم بس وہاں دکھائی دیتے تھے وہ ہوس ناکی

کو دھتکار کر چلے گئے تھے۔

عبدالمناف کے گھرانے میں شکار کا گوشت آیا ہے۔دیگچی چولہے پر چڑھی ہے۔ایک بوڑھی عورت لکڑی کے کفگیر سے پانی کو ہلا رہی ہے کھانے کے انتظار میں گھر کے لوگ زمین پر بیٹھے ہیں۔مٹی کے بڑے بڑے پیالے ان کے آگے رکھے ہیں۔

......آپ نے عبدالمطلب کے یہاں کیا جواب بھجوایا......ایک اڈھیڑ عمر کے عرب نے پوچھا۔

......میں بالکل رضا مند ہوں۔بس ذرا ایک دو دن میرے چچا مکہ سے آ جائیں۔ان سے اور مشورہ کر لوں۔بڑے بوڑھوں کا مشورہ اچھا ہوتا ہے۔......بوڑھے نے جواب دیا۔

......میں کہتا ہوں اس نیک کام میں دیر کرنا مناسب نہیں! عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے لئے مکہ میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔لوگ تمنائیں کر رہے ہیں کہ کیسے ہی ہماری لڑکی کا عبداللہ کے ساتھ رشتہ ہو جائے۔عبداللہ جیسا لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو بھی سارے عرب میں نہ ملے گا۔اس کا گھرانا قریش کا سب سے محترم گھرانہ ہے۔اس کے باپ عبدالمطلب ''سید القریش ہیں اور ان کا یہ شرف کیا کم ہے کہ چاہ زمزم جیسے عمرو بن حرث جرہمی نے بند کرا دیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا کہ اس نام کا کوئی کنواں بھی تھا۔عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو لے کھود نکالا۔ابن عم! جلدی کرو، آمنہ کی تقدیر کے ستارے کو جلد چمکنے دو۔

بات طے ہو گئی۔عبدالمطلب کے یہاں جواب دیا گیا کہ ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔دونوں طرف خوشی ہونے لگی، عبداللہ باپ کا چہیتا اور ''ذبیح'' بیٹا تھا۔جس کی شرافت اور نکوکاری کی قریش قسم کھاتے تھے اور بی بی آمنہ اپنے گھرانے کی چشم و چراغ تھیں۔عفت وحیا کا مجسمہ! پاکیزگی کا پیکر! عرب کی عورتیں میلوں ٹھیلوں میں بیبا کی کے ساتھ شریک ہوتیں، قریش کی

بزم ناؤنوش کو گرماتیں مگر آمنہ کی جبلت ان سب سے جدا اور منفرد تھی، وہ اپنے عزیزوں سے سے بات کرتے شرماتیں۔ سر سے دوپٹہ ڈھلکنے نہ پاتا، قریش کی عورتیں کہا کرتی تھیں۔ کہ آمنہ تو سچ مچ گڑیا ہے۔ بے زبان، سنجیدہ اور متین! دوسری لڑکیوں کی طرح شوخیاں اسے نہیں آتیں۔ آمنہ کے گھر والے اس سے محبت ہی نہیں احترام بھی کرتے تھے۔

عبدالمطلب اپنے رؤسا قریش کو لے کر عبداللہ کی سسرال پہنچے، لڑکی والوں نے بارات کا استقبال کیا لانبے لانبے کرتے، کمر سے بٹی ہوئی رسیاں بندھی ہوئیں۔ ہاتھوں میں تلواروں، کسی کسی شخص کے کاندھے پر یمنی چادر بھی پڑی تھی اور کسی کے کرتہ کے گریبان پر شامی کلابتوں کے پھول بھی بنے تھے۔ بیٹی والے کے گھر میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دف پر گیت گا رہی تھی۔ ان گیتوں میں کعبہ کی عظمت قریش کے نسبی فخر ابوقبیس کی تعریف اور اونٹوں کی رفافت کا ذکر تھا اور کسی کسی شعر میں قریش کی نبرد آزمائی کو بھی سراہا گیا تھا کہ قریش کی تلواروں کے جوہر لہو چاٹ کر چمکتے ہیں اور ان کی مخالفت کے یہ معنی ہیں کہ زمین و آسمان کی دشمنی مول لی جا رہی ہے۔ لڑکیوں کے نغمے زیادہ مرتب نہ تھے۔ مگر آواز میں بلا کا سوز اور قیامت کی مٹھاس تھی، عرب جھومے جا رہے تھے۔ اور ان زمزموں کی بدولت خوشی اور دوبالا ہو گئی تھی...... نغمہ مسرت کی تخلیق کرتا ہے اور اس کے زیر بم سے خوشی پھوٹتی ہے۔

عرب کے قدیم طریقہ پر نکاح کی رسم ادا ہوئی، انتہائی سادگی کے ساتھ اعلان ہوا کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب اور آمنہ بنت وہب ایک دوسرے کے نکاح میں آ گئے، عبدالمطلب کو لوگوں نے مبارکباد دی۔ سید القریش نے اظہار شکر کے لے آسمان کی طرف دیکھا اور تقدیروں کے ستارے مل گئے۔ اور دو زندگیاں ایک دوسرے کی شریک بن گئیں۔

آمنہ رخصت ہو کر سسرال آئیں۔ اقبال مند بہو کا گھر والیوں نے استقبال کیا بلکہ اس کی

راہ میں آنکھیں بچھا دیں ہر کسی کی زبان پر تھا کہ دولہا دلہن کا ایسا خوش نصیب جوڑا آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔عبداللہ آفتاب و آمنہ ماہتاب ہے۔ دونوں نیک او رشرمیلے ،شرافت وغیرت کے نمونے !ایک دوسرے کا جواب،اسے چھپاؤ اور اسے نکالو!

عبدالمطلب نے عزیزوں ،رشتہ داروں اور دوستوں کو کھانا کھلایا ،بڑی بڑی دیگچیوں میں شوربہ بھرا تھا۔ اس میں روٹیاں ٹکڑے کر کے بھگو دی گئیں۔ یہ عربوں کا محبوب کھانا ثرید تھا،بڑے بڑے طباقوں میں ثرید نکالا گیا اور کئی عرب ایک طباق کو لے کر بیٹھ گئے۔ آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتی جاتی تھیں۔

......یہ اس اونٹ کا گوشت ہے زمین یمن سے لوبان ،بخور اور عطریات لے کر آیا تھا۔

)ہاں !ہاں جبھی تو یہ گوشت خوشبودار ہے(قہقہ)

......ابو قارعہ ،اس ہڈی کو دیکھو ،تلوار کی طرح تیز ہے۔اس اونٹ کے باپ دادا شاید مداری کا پیشہ کرتے تھے(نوجوان ہنسنے لگے)

......آہستہ باتیں کرو ولید! یہ عبدالمطلب کا گھر ہے۔قمیہ کے بیٹے رضاعہ کا شراب خانہ نہیں ہے۔،وقار و متانت ہاشمی گھرانے کا شعار ہے۔

عبدالمطلب نے عبداللہ اور دوسرے بیٹوں کو ساتھ لے کعبہ کے طواف کئے !طواف شکرانہ !اس میں محبت،عقیدت اور دلی جوش بھی شریک تھا،کعبہ کی منڈیروں پر خوبصورت کبوتر بھی رقص کر رہے تھے۔گویا کہ طواف کرنے والوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔کہ ہمیں بھی اس خوشی میں شریک سمجھو۔

شام کی طرف

شادی ہوئے تقریباً ڈھائی تین مہینے گزر چکے ہیں،عبدالملطب کے مکان میں اونٹوں کے

کجاوے کسے جا رہے ہیں۔ ستوؤں کی تھلیوں کے منہ بندھ رہے ہیں۔ اور پانی کی چھاگلیں بھری جا رہی ہیں۔ تلواروں کی چھٹی ہوئی نیامیں بدل گئیں، ترکش میں تیز قسم کے تیر رکھے گئے...... یہ سفر ہے، پرائے ملک میں جانا ہوگا اور پردیس کو ہر کوئی وطن کے مقابلہ میں زیادہ بن سنور کر جاتا ہے

عبداللہ جنہیں دولہا بنے چند دن ہوئے ہیں، شام کی طرف تجارت کے لئے جا رہے ہیں۔ عزیز رشتہ دار جانے والے کو "الوداع" کہنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں یہ سفر سنسان جنگلوں، پرہول بیابانوں اور دشوار گزار راستوں سے ہو کر طے ہوگا۔

ابن عبدالمطلب! مدینہ سے چھ منزل جا کر جو نخلستان آتا ہے۔ وہ خطرناک ہے وہاں قافلے لٹ جایا کرتے ہیں، سنا ہے کہ قبیلہ غفار کے لٹیروں نے ادھر قیامت مچا رکھی ہے۔ ہوشیاری کے ساتھ جانا۔

......عبداللہ نے اس کے جواب میں اپنی تلوار کی طرف دیکھا، یہی تلوار کا دیکھنا کہنے والے کی بات کا جواب تھا۔ کہ قزاقوں اور بٹ ماروں کا سامنا ہو گیا تو اس تلوار سے ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا۔ ہاشمی گھرانہ کے لوگ دلیری اور شجاعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے؟ خطرے ان کو ڈرا نہیں سکتے، ان کی تلواروں نے بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر کعبہ کی نگہبانی کی ہے۔!

عبدالمطلب نے عبداللہ کی پیشانی کو چوما، عبداللہ کا سر نیاز آپ ہی آپ جھک گیا۔ بیٹے کی کامیاب واپسی کے لئے دعائیں کیں، ہونٹوں کے ساتھ سفید ڈاڑھی بھی ہلنے لگی۔! عباس نے نکیل پکڑی، حمزہ نے کجاوے پر بیٹھتے ہوئے محبت کے ساتھ بھائی کا ہاتھ تھاما، آمنہ چپ چاپ بت کی طرح کھڑی ہوئی اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ شوہر نہیں اس کی دنیا جا رہی تھی۔ سنسان

جنگلوں کی طرف جہاں کوسوں تک آبادی کا نشان نہیں ملتا۔ وہ اپنا غم کسی سے کہتے ہوئے شرماتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو رکھے ہوئے کجاوے کو اتروا دیتی اور جانے والے کو سفر کرنے سے روک دیتی۔

آمنہ کا دماغ تسلی دے رہا تھا، ڈھارس بندھا رہا تھا کہ اتنی ملول کیوں ہوتی ہے۔ تیرا شوہر تجارتی کاروبار کے لئے شام جا رہا ہے۔ جنگ پر نہیں جا رہا! خیروخوبی کے ساتھ واپس آ جائے گا۔ قریش آئے دن یمن شام نجد اور مصر جاتے ہی رہتے ہیں قریش کی تو زندگی گھوڑوں کی پیٹھوں اور اونٹوں پر گزرتی ہے۔ پانچ چھ مہینے کی بات ہی کیا ہے۔ پلک جھپکاتے اتنے دن بیت جائیں گے...... مگر اس کا دل آپ ہی آپ بیٹھا جا رہا تھا۔ کوئی اس کے کان میں کہہ رہا تھا کہ عبداللہ کو جی بھر کے دیکھ لے! پھر دیکھنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔

عبداللہ نے بھی درودیوار پر حسرت کی نگاہ ڈالی، جیسے کوئی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہو ان کی آنکھوں میں ابدی جدائی جھلک رہی تھی۔ دیکھنے والے محسوس کر رہے تھے کہ قریش کے گھرانوں سے روزانہ لوگ سفر پر جاتے رہتے ہیں لیکن اس انداز میں تو کوئی رخصت نہیں ہوا کرتا۔ جدائی کا یہ منظر مفارقت کا یہ سماں ہی عجیب سا ہے...... رب کعبہ! عبداللہ کو عافیت کے ساتھ واپس لائے۔ جس طرح ہم آج اس کی پیٹھ دیکھ رہے ہیں کل اس کا منہ بھی دیکھیں۔

......ام سعد! یہ عامر کا چہیتا فرزند عبداللہ تجارت کے اونٹ لے کر سفر پر جا رہا ہے۔

......اس کے باپ کا نام عبدالمطلب ہے...... سیدالقریش مقدس کعبہ کے دربان...... اور تم ......تم"

......بات کاٹ کر) "انجان کہیں کی تجھے تو بس گڑیوں کے ساتھ کھیلنا اور گیت گانا آتا ہے اری نادان عبدالمطلب کا اصلی نام عامر ہے اور ان کا لقب شیبہ ہے۔ سمجھی!...... شکریہ!

مہربانی! لات وہبل کی سب برکتیں تیرے حصہ میں آئیں۔!

......نام ہو اور عکاظ و ذوالمجنہ کے بازار اس کے قصیدوں سے گونج اٹھے"

......"زبان نے نہیں دل نے کہہ دیا"

......ہاں ! تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ شادی ہونے سے پہلے عبداللہ کی پیشانی میں جو نور نظر آتا تھا اب وہ دکھائی نہیں دیتا۔ پیشانی میں بس اس تجلی کی جھلکیاں سی رہ گئی ہیں۔ جیسے سورج چھپنے کے بعد قبیس کی چوٹیوں پر کرنوں کی مضمحل سی دھاریاں چھوڑ جاتا ہے۔

......تمہاری بات کو میری یہ نگاہیں تصدیق کر رہی ہیں۔

......مجھے بھی اپنا ہم خیال اور ہم نگاہ سمجھو (تیسری نے کہا)

عبداللہ کے کام میں بھی ان باتوں کی بھنک پڑی، مگر مبہم! کچھ سنا نہ سنا۔ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز تیز ہوتی جارہی تھی آمنہ کوٹھے پر چڑھ گئی، اور اس وقت تک عبداللہ کے اونٹوں کی قطاریں دیکھتی رہی جب تک کھجوروں کے جھنڈ میں یہ قافلہ چھپ نہ گیا، مکہ کی پہاڑیوں نے اس دھند لکے پر اور حجاب ڈال دیئے وہ چھت سے اتری، مغموم، افسردہ جدائی کا غم لئے ہوئے !غمناک پلکوں کو کرتہ کے دامن سے پونچھا......لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ! عبداللہ جاچکے تھے۔ ان کی نگاہوں کے نقش آمنہ کو درودیوار پر ضرور نظر آ رہے تھے......جھلکیاں، پرچھائیاں ،لکیریں، یاد ماضی کے کچھ ادھورے خاکے!

انتظار

آمنہ کو انتظار تھا شوہر کی واپسی کا انتظار، وہ ایک ایک گھڑی گن رہی تھی۔ سہاگن کی غمگین راتیں اور زیادہ اداس ہوتی ہیں، وہ لوگوں سے پوچھتی رہتی کہ تیز اونٹ پر شام سے مکہ کا سفر کتنے دن میں طے ہوسکتا ہے۔ اور عبدالمطلب جب کبھی تجارت کے لئے جاتے ہیں تو شام میں کتنے

دن ٹھہرتے ہیں! ان باتوں وہ اپنے دل کو بہلاتی، احساس جدائی کو تھپکیاں اور غم فرقت کو لوریاں دیتی۔شام سے واپس آنے والے خبر دیتے کہ ہم نے فلاں پہاڑی کے دامن میں عبداللہ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا، اس پڑاؤ پر عبداللہ ٹھہرے تھے۔فلاں نخلستان میں اپنے اونٹوں کو وہ چارہ کھلا رہے تھے۔مگر شام سے واپسی کا حال کوئی نہ بتاتا تھا۔

جس راستہ سے عبداللہ گئے تھے وہ آمنہ کی نگاہ میں تھا وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر کہتی کہ انہی کھجوروں کی اوٹ سے وہ آفتاب کی طرح طلوع ہوتے ہوئے دکھائی دیں گے، سرخ اونٹ ،اس کی گردن میں گھنٹی پڑی ہوئی، خوبصورت کجاوہ پانی کی وہ چھاگل جس کا تسمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے باندھا تھا......اور پھر خود! قریش انہیں بڑھ کر اہلاً وسہلاً کہیں گے۔اور عبدالمطلب بیٹے کے لائے ہوئے درہم ودینار خوشی خوشی گنتے ہوں گے۔

اسی انتظار میں کئی مہینے گزر گئے۔خود عبدالمطلب کو بیٹے کیطرف سے فکر ہوگئی، معلوم ہوا کہ مدینہ سے شام کے وقت قافلہ آیا ہے، قافلے والے بہت تھکے ہارے ہیں صبح سویرے عبدالمطلب کے یہاں خیر خبر دینے آئیں گے......مگر عبدالمطلب تلوار لے کر اٹھے، آنے والوں سے خود جا کر ملے انہوں نے بتایا گیا کہ عبداللہ شام سے واپس یثرب میں ٹھہر گئے ہیں ،بیمار ہیں۔جب سے ہم چلے ہیں تو ان کو بخار تھا۔

آمنہ خسر کے انتظار میں دہلیز سے لگی کھڑی تھی۔کہ یثرب سے آئے ہوئے قافلہ والوں کی زبانی کوئی خیر خبر ضرور ہوگی۔عبدالمطلب کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار نمایاں تھے مگر بہو کو منتظر و نگراں پا کر انہوں نے دل کو فگی کو چھپانا چاہا، کڑک کر بولے:۔

......عبداللہ کو یوں ہی سا بخار آ گیا ہے۔سفر بھی تو لمبا تھا ، جہاں آدمی کا بدن یوں بھی تھکان سے گرم ہو جاتا ہے فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اپنے عزیزوں میں ٹھہر

ہوا ہے۔ یثرب کے لوگ بہت متواضع اور درد مند ہوتے ہیں۔ تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ میں کل صبح حارث کو یثرب بھیج دونگا۔ وہ عبداللہ کو اپنے ساتھ لے آئے گا۔

شوہر کی بیماری کی خبر پا کر آمنہ کا کلیجہ دھک ہو کر رہ گیا...... وہ بیمار ہو گئے ہیں، یثرب میں ہیں۔...... یہ لفظ اس کے کان کے پردوں میں چبھ کر رہ گئے۔ ایک زبردست دھچکا سا لگا، آنکھیں خشک تھیں پر دل رو رہا تھا، وہ اسی حالت میں ٹہلنے لگی غم کے بوجھ سے وہ دبی جا رہی تھی۔ رہ رہ کے دسیوں بیسیوں وسوسے ذہن میں آتے تھے، امید بندھتی تو آنکھیں چمک اٹھتیں اور آس ٹوٹتی تو چہرے پر دھندلی پرچھائیاں سی نمودار ہو جاتیں، اس کے تصور سے ایک پاؤں دریا میں دوسرا پاؤں ساحل پر تھا...... امیدوں کی دھوپ چھاؤں سی۔!

...... بی بی! سہاگنوں اور نئی نویلی دلہنوں کو اس ''زمانہ'' میں غم نہ کرنا چاہیے، یہ نازک دن ہنسی خوشی میں گزارنے چاہئیں...... کنیز کے اس کہنے سے آمنہ کے چہرے پر شرم وحیا کی سرخی دوڑ گئی۔

...... مگر وہ بیمار ہیں پردیس ہے...... اور...... آمنہ کی بات پوری ہونے سے پہلے کنیز جھٹ سے بول پڑی۔

...... ''تو کیا ہوا تندرست آدمی ہی بیمار ہوتا ہے۔ اس میں دل میں تھوڑا کرنے کی کیا بات ہے؟ میرے بڑے بھائی بیماری دور کرنے کا عمل جانتے ہیں میں ان کے پاس بھی جاتی ہوں۔ انہوں نے یہیں مکہ میں بیٹھے بیٹھے منتر پڑھ کر یثرب کی طرف پھونک دیا تو چٹکی بجاتے ہی بیماری جاتی رہے گی! لات وہبل ان کی سنتے ہیں اور عزیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔''

عبدالمطلب لوگوں کے جھگڑے چکانے ...... اور ضروری باتوں پر مشورہ کرنے کے لئے دارالندوہ چلے گئے، کنیز روٹیاں پکانے لگی، گھر کی دوسری عورتیں اپنے اپنے کاموں میں لگ

گئیں مگر آمنہ کا دل یثرب میں پڑا تھا وہی ایک تصور! وہی ایک یاد!...... پاکباز عورت کی دنیا میں شوہر کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا......

ظہور قدسی...... صبح سعادت

زندگی خواب ہے...... اور بہت سے خواب سچ مچ زندگی بن جاتے ہیں، ہر کسی کو ایسے سچے خواب دکھائی نہیں دیتے۔ بہت سے لوگ خوابوں کو تصورات کی افسانہ طرازی اور اوہام کی بت گری بتاتے ہیں لیکن اپنی اپنی وسعت فکر و خیال اور دل و نگاہ کی پاکیزگی کی بات ہے بعض خواب اوہام کی شیشہ گری سے بلند ہوتے ہیں۔ حال و مستقبل کے برزخ کی اس طرح مثالی سیر کرائی جاتی ہے کہ آنے والے واقعات کا عکس آئینہ ادراک پر پڑنے لگتا ہے...... یہ خواب دوسروں کی بیداری سے زیادہ سچے کارآمد بلکہ مقدس ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو جاگتے ہیں مگر ان کے دل سوتے رہتے ہیں۔ انفس و آفاق کی ایک نشانی میں بھی انہیں ہدایت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، ماضی اور حال کے واقعات کی رصدگاہ سے مستقبل کی ایک پرچھائیں بھی ان کو نظر نہیں آتی، ساری زندگی بے خبری میں گزر جاتی ہے...... مگر کچھ سعید روحیں عالم خواب میں بھی بیداری کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی ہیں۔ اور مستقبل ان کے سامنے آپ ہی آپ آ کھڑا ہوتا ہے۔

آمنہ کو خواب نظر آنے لگے۔ نہایت ہی عجیب دمساک خواب! کبھی یہ کہ بی بی آمنہ کا جسم خاکی یکبارگی آئینہ کی طرح جھلکنے لگا اور روئیں روئیں سے سرد شعاعیں نکلنے لگیں۔ کبھی کانوں سے سنا کہ بہشت کی حوریں، آسمان کے فرشتے اور مقدس روحیں مبارک باد رہی ہیں۔ کبھی سوتے میں ایسا محسوس کیا کہ وہ اپنے نورانی اور شفاف جسم کے ساتھ بلندی پر ہے۔ اونچے سے اونچے پہاڑ پست نظر آتے ہیں۔ آمنہ کے تلوے ستاروں کو چھو رہے ہیں۔ اور چاروں

طرف تہنیت اور تبریک کے زمزمے چھڑے ہیں۔

دستور کے مطابق قبیلہ کی عورتیں آمنہ کی مزاج پرسی کے لئے آتیں انہیں کچھ ایسا نظر آتا جیسے بام کعبہ سے لے کر عبداللہ کے گھر تک نور کا شامیانہ تنا ہوا ہے۔ جسے کافوری شمعوں سے زیادہ اجلے اور روشن ہاتھ تھامے ہوئے ہیں۔ گھروں میں چرچے ہونے لگے کہ آمنہ پر آسمان کی نورانی دیویاں بہت مہربان ہیں۔ وہب کی بیٹی، عبدالمطلب کی بہو، عبداللہ کی شریک حیات اور ہونے والے بچہ کی ماں آمنہ خود زہرہ مشتری بنی ہوئی ہے۔

......''اے لو! ستارے زمین پر جھک آئے'' یہ آج کیا ہو رہا ہے...... عبداللہ کی پھوپھی نے کہا''

......''میں بھی تو یہی دیکھ رہی ہوں کہ جتنی روشن یہ پچھلی رات ہے اتنے اجلے تو دن بھی نہیں ہوتے''...... ایک بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

......''ام معبد! اور یہ خنک ہوائیں باد صبح گاہی کے جھونکے نسیم سحر کی اٹھکیلیاں در و دیوار جھومے جا رہے ہیں، طائف کے سبزہ زاروں اور باغیچوں کی بھی میں نے صبحیں دیکھی ہیں آج کی صبح تو سب سے عجیب ہے...... اور خوشبو کی لپٹیں جیسے یمن کا تمام عطر جمع کر کے کسی نے چھڑک دیا ہے۔ کاش! اس رات کی صبح نہ ہوتی اور ہم سدا یہی منظر دیکھتے رہتے ...... تیسری عورت نے دوپٹہ کا آنچل موڑتے ہوئے کہا۔

قریش کے جن گھرانوں میں لوگ آج جلد اٹھ بیٹھے تھے وہ اپنے بتوں کو تھامتے تھامتے اور اٹھاتے اٹھاتے تھک جاتے تھے...... مگر بت کسی طرح کھڑے رہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی پیشانیاں آپ ہی آپ سجدے میں جھکی جا رہی تھیں۔

...... آج کیا ہو گیا ہے۔ میرے معبود کو! لیٹے جاتے ہیں گرے جاتے ہیں۔ شاید نیند آ رہی

ہے مگر بت تو سویا نہیں کرتے، کہیں مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے ۔ لاؤ پھر ایک بار خلوص عقیدت کے ساتھ سجدہ کروں...... بوڑھے قریشی نے بت کو دیوار کے سہارے کھڑا کر کے سجدہ کیا اور پھر جو سر اٹھایا تو بت کا ماتھا زمین پر رکھا تھا۔ اتنے میں ایک عورت دوڑی ہوئی آئی اور بوڑھے کا ہاتھ تھام کر بولی:۔

......"میرے ساتھ چل کر دیکھو، فریسہ کا معبود زہیر کا حاجت روا، قیس کا بت اور خود میرا خدا سب کے سب خاک پر پیشانی کے بل گرے پڑے ہیں۔

اس پر بوڑھے عرب نے عورت کا ہاتھ جھٹک کر جواب دیا

......"میں خود اس پریشانی میں مبتلا ہوں ، میرے معبود کو نہیں دیکھ رہی ہو، خاک پر سر رکھا ہے! تم اپنے معبودوں کو سنبھالو، میں اپنے خدا کو تھامتا ہوں۔

جہاں عبدالمطلب کے گھر میں آمنہ پر سرور آمیز غنودگی سی طاری تھی اسی عالم میں اس کے کانوں نے سنا

......"یہ اسمٰعیل ذبیح اللہ کی ماں ہاجرہ ہیں......

آواز تھوڑی دیر کے لئے رک گئی اور وقفہ کے بعد زیادہ شیریں لہجہ میں کسی نے کہا:۔

......ام احمد! دعائے ابراہیم مبارک!

پھر فضا میں قدرے سکوت کے بعد ایک صدا گونجی:۔

......آمنہ! یہ عیسیٰ روح اللہ کی ماں مریم ہیں:

کنواری مریم! شہر جلیل کے مبلغ کی والدہ محترمہ!......

پھر دوسری آواز:۔

......ام محمدؐ! نوید مسیحا مبارک!

ابھی دن رات ملے جلے تھے۔ اس لئے کہ دونوں کی تقدیروں کو اک ساتھ چمکنا تھا، سپیدہ سحر نمودار ہو ہی رہا تھا، غنچوں کی ناز گ گرہیں کھل رہی تھیں، لالہ وگل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ بنفشہ وشقیق کی نازک پتیوں پر شبنم کے موتی ڈھلک رہے تھے۔، سرو وشمشاد نے پھولوں کی مہک پا کر انگڑائی لی، طائران خوشنوا کی چہکاروں سے تمام فضا نغمہ زار بن گئی، جنت آج سچ مچ زمین پر اتر آئی تھی، منا کی وادی، مروہ کے سنگریزے، قبیس کی چوٹیاں اور عرفات کا میدان نور کی جھلکیوں میں جھم جھم کر رہا تھا۔

ستارے جھلملا رہے تھے، کلیاں چٹک رہی تھیں اور پھول مہک ہی رہے تھے۔ کہ اتنے میں عورتیں خوشی سے بے تاب ہو کر پکاریں

......"کوئی عبدالمطلب کو جا کر مبارک باد دو!"

عبدالمطلب اس مژدے کے سنتے ہی تیزی کے ساتھ آئے، خوشی کے مارے پاؤں بہکے بہکے سے پڑ رہے تھے۔ عبدالمطلب کے رخساروں کی جھریوں میں مسرت جھل مل جھل مل کر رہی تھی۔ ۔آمنہ نے فرط غیرت سے چادر منہ پر ڈال لی۔ عبدالمطلب نے پوتے کو دیکھا، پیشانی کو چوما ان کی آنکھوں میں بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔

......سید القریش! اتنا نورانی چہرہ آپ نے آج تک دیکھا نہ ہوگا عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

......لاریب! نہ صرف میں نے شاید دنیا میں کسی آنکھ نے ایسے جلوے نہ دیکھے ہوں، چاندی، سورج، کہکشاں، قوس قزح، پھول غنچے! حیران ہوں کہ کس چیز سے اس نونہال کے چہرے کو تشبیہ دوں۔ اس کے حسن و جمال کے سامنے تو یہ سب پھیکے اور بے رنگ ہیں! اور یہ باتیں مجھ سے محبت میں نہیں کہلوا رہی ہیں، یہ حقیقت ہے جو عبدالمطلب کی زبان سے آپ ہی

بول رہی ہیں۔...... عبدالمطلب کے جواب پر عورتوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ جیسے کوئی اپنے دل کی بات کہنا بھی چاہے اور کسی سے کھل کر نہ کہہ سکے۔

یہ کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں! اچھا! گیت گانا چاہتی ہو، چلا جاؤں، مجھ بوڑھے کے سامنے دف بجاتے ہوئے شرم آتی ہوگی...... عبدالمطلب کے کہنے پر عورتیں بولیں

...... یا ابا عبداللہ! رات ہم نے اپنی آنکھوں سے جو کیفیت دیکھی ہے اگر کسی کے سامنے بیان کریں تو لوگ کہیں گے کہ یہ عورتیں دیوانی ہوگئی ہیں کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ ان کے دماغ میں خلل آ گیا ہے۔، رات کا سماں لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتا۔ وہ دیکھنے ہی کی چیز تھی۔ کہنے کی نہیں۔ اور کوئی کہنا بھی چاہے تو وہ کیفیتیں لفظوں میں کہاں سما سکیں گی۔...... عبدالمطلب نے مسکرا کر جانا چاہا

...... ابن عبداللہ کہا کریں اس ہاشمی نونہال کو؟...... ایک خاتون نے دریافت کیا"

...... اچھا نام کی طرف اشارہ ہے! بہت خوب! عبداللہ کے لخت جگر اور آمنہ کے نور نظر کا نام ہم نے رکھا۔ احمدؐ ہاں محمدؐ بھی تمام دنیا میں تعریف کی جائے گی میرے چاند کی! (فضا میں معاً ایک دھیما سا غیبی نغمہ گونجا...... زمینوں میں ہی نہیں آسمانوں میں بھی اس کی حمد و ستائش کے نغمے بلند ہوں گے) عبدالمطلب کا جواب سن کر آمنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی جیسے اس کے دل کی بات عبدالمطلب کی زبان پر آ گئی۔

تذکرے

کعبہ سے ہٹ کر کچھ دور پر جہاں عام الفیل میں ابرہہ کے لشکر نے حرم پر چڑھائی کے لئے آتے ہوئے آخری منزل کی تھی چند دوکانیں...... کچی دوکانیں اور خس پوش بھی! کسی کسی کی محرابوں میں پکی اینٹیں بھی لگی ہیں، ان دوکانوں پر گھریلو ضروریات کا سودا سلف ملتا ہے۔ آٹا

، چاول، ستو، نمک، زیتون کا تیل، کپڑا سینے کا دھاگا اور فصل کی ترکاریاں اور پھل بھی، گاہک آتے ہیں سودا لے کر چلے جاتے ہیں اور دکاندار اور ان کے دوست احباب پھر باتیں کرنے لگتے ہیں:۔

......" کچھ سنا تم نے عبید! عبدالمطلب نے اپنے پوتے کے دو نام رکھے ہیں احمد اور محمدؐ "......ایک سانولی رنگت کے دوکاندار نے کہا۔

......بالکل نئے انداز کا نام ہے! انساب قریش کا ماہر ہوں اور نہ صرف نسب نامے مجھے یاد ہیں بلکہ عدنان کے حالات مرہ کی زندگی، کلاب کی دستان حیات، لوی کے واقعات اور قصیٰ کے کارنامے گن گن کر بتا سکتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان جب اونٹ چرانے پر جھگڑا ہوا تھا تو کس قبیلہ کے کتنے آدمی مارے گئے تھے۔ (تمہاری اس خصوصیت پر تو بنو خزیمہ ناز کرتے ہیں...... انہی لوگوں میں ایک بول پڑا، اس پر ماہر انساب مسکراتا ہے) آدمی تو آدمی میں یہ تک بتا سکتا ہوں کہ امیہ جس گھوڑے پر چڑھا کرتے تھے۔ اس کی نسل کے گھوڑے کہاں کہاں ہیں؟ اور یہ ابوسفیان کے پاس جو تلوار ہے اسے نجد کے حاکم نے حرب کو کب اور کیوں دی تھی؟ یہی نہیں کھجوروں تک کے نسب مجھے یاد ہیں (ارے صاحب! آپ تو اس بحر بیکراں کے شناور ہیں! خطاب اس فن میں اپ کی برابری کریں تو کریں، اور تو کوئی مکہ میں آپ کے جوڑ کا نظر نہیں آتا...... سننے والوں میں سے ایک نے کہا......اور بوڑھے کے لہجہ میں احساس فکر نے اور زور پیدا کر دیا......) یہ جو حطامہ کا باغ خوش ذائقہ کی کھجوروں کے لئے سارے حجاز میں مشہور ہے اس نسل کا سلسلہ قبیلہ طے کے اس نخلستان تک پہنچتا ہے جو معرکہ نجار میں اجڑ گیا، کہو تو ملوک حیرہ کی داستانیں سنا دوں۔ قبطیوں کے عروج و زوال کی تاریخ بیان کروں...... چچا جان! ابن عبداللہ کا ذکر ہو رہا تھا...... اس پر بوڑھے نے گہری سانس لی، تیز

اور مسلسل گفتگو نے اسے تھکا سا دیا تھا۔...... بولا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ احمد اور محمدؐ آج تک کسی قریشی کا نام سننے میں نہیں آیا...... بالکل نیا نام، اچھوتا نام مگر کتنا پیارا، اس نام کی طرف دل آپ ہی آپ کھنچا جاتا ہے۔

اس پر ایک ادھیڑ عمر کا عرب جو رسی بٹ رہا ہے، اور کام کرنے کی باتیں میں بھی سنتا جاتا تھا کہنے لگا۔

......میری سوتیلی ماں ابن عبداللہ کو دیکھ کر آئی ہے! وہ بتوں پر ہاتھ رکھ کر کہتی تھی کہ اس قدر ہنس مکھ، پیارا، ہونہار اور خوبصورت بچہ میں نے آج تک نہیں دیکھا، آنکھیں کسی طرح نظارہ کرتے کرتے سیر نہیں ہوتیں۔ جی چاہتا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو، عبداللہ کے گھر والوں کو زبید کی خوبصورتی پر بہت ناز ہے، زبید واقعی بہت خوبصورت ہے مگر آمنہ کے نور نظر کے تلوے اس زبید کے گالوں سے زیادہ روشن ہیں میں کہتی ہوں عبدالمطلب کے گھر میں اب چراغ جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ محمدؐ کا چہرہ خود سراج منیر ہے۔

دارالندوہ میں بھی اعیان قریش اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے ان کی باتیں ......ابن عبداللہ کا ہر گھر میں چرچا ہے۔

......جی ہاں! یہی حال ہے امیہ نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشی میں سارے مکہ کی دعوت کی تھی مگر یہ شہرت اور قبول عام تو اسے نصیب نہیں ہوا۔

......آج جب میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو ابن عبداللہ کی پیدائش کے خیال کے ساتھ ہی مجھے ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی میرے کان میں کہہ رہا ہے کہ عرب کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن بلکہ غیر فانی ورق الٹنے والا ہے۔

......اور میرا خواب ......آپ لوگ نہ سنیں تو اچھا ہے آپ کو دکھ ہوگا، سب نے مل کر کہا

نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، جب بات زبان پر آگئی ہے تو اسے کہہ ڈالنا ہی اچھا ہے۔ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں شراب پینا چاہتا ہوں مگر کسی نے میرے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پھینک دیا، میں نے اپنے معبود یعوق کو سجدہ کرنا چاہا تو ایک ہاتھ نے مجھے پکڑ کر سیدھا کر دیا کہ اب بتوں کی پوجا نہ ہوا کرے گی۔ (سرداران قریش کے ماتھے پر پسینہ آگیا) اور میں نے اپنی داشتہ ذہبہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو مجھے کسی نے جھٹکا مار کر پلنگ سے نیچے گرا دیا۔ کہ ان بدکاریوں کو اب ختم کر دو۔

......(ایک بوڑھا قریشی جس کی بھویں تک سپید ہو گئی تھی،) خواب بہت زیادہ خوفناک ہے، میں نے بڑی بڑی خون ریز جنگوں میں پامردی کا ثبوت دیا ہے اور کبھی ہمت نہیں ہاری مگر نہ جانے کیوں اس خواب کے سننے سے دل بیٹھا بیٹھا سا جاتا ہے...... (ہاتھ اٹھا کر) عزیٰ میرے دل کو سنبھال! لات! مجھ میں جرات پیدا کر! منات! یہ ہم کیا سن رہے ہیں تیرے خدائی کے جھنڈے کہیں جھک نہ جائیں۔

(نوجوان جوش میں آکر، اکڑوں بیٹھے ہوئے) کیسی بزدلانہ باتیں کر رہے ہو، ابو مرجان! بتوں کی توہین کا پہلو نکلتا ہے تمہاری گفتگو سے! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم ہمارے خداؤں کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ! خواب کی باتیں سن کر تمہارے چھکے چھوٹ گئے تم کہتے تھے کہ بنی کنانہ سے جب لڑائی ہوئی تھی تو مجھ اکیلے نے بیس دشمنوں کی تلواریں بیکار کر دیں تھی۔ اور میرا گھوڑا بہت دیر تک لاشوں پر دوڑتا رہا مگر آج تو تمہاری مردانگی مفلوج ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے بال دھوپ میں سپید ہوئے ہیں جبھی تو خواب و خیال کو اتنی اہمیت دے رہے ہو۔ میں ابھی ابھی نائلہ کی پوجا کر کے آ رہا ہوں۔ راستہ میں میری معشوقہ غزالہ مل گئی، اس نے تیز شراب کے دو تین پیالے پلا دیئے پھر اس کی بہن نے طرفہ کا یہ شعر گا کر سنایا۔

''دل کی لگی شراب ہی سے بجھتی ہے اور کبھی آتش دل بھڑک بھی جاتی ہے ،اسی لگانے بجھانے میں زندگی کالطف ہے ''

......(قریش کاایک سردار جس کی ڈاڑھی گھنی اور سر کے بال الجھے الجھے سے تھے)جب شعر شاعری کا ذکر چھڑ گیا ہے تو مجھ سے بھی دو شعر سن لیجئے ،آج ہی کہے ہیں۔عبدالمطلب کے بیٹے کی ولادت باسعادت کا حال سن کر:

''عبداللہ بیابان میں ہے اوراس کے گھر میں چاند نکلا ہے۔کاش اس تک یہ پیام پہنچ سکتا''

''بنی ہاشم پہلے ہی سے مئقر اور محترم تھے۔مگراب ان کی جبیں فخر آسمان سے بھی اونچی ہوگئی......یہ عزتیں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں:

''حسنت ،مرحبا صدقت یاابن عم کی صدائیں گونجنے لگیں۔

مکہ معظمہ سے تھوڑی دور پرایک مقام کانام مرانظہر ان ہے جوعوام میں وادی فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔اسی وادی میں ایک راہب رہتا تھاجس کانام عیص تھا،عیص نے تقرب الٰہی کی دھن میں اپنی مذہبی روایات کی بناپر دنیا چھوڑ رکھی تھی ۔موٹا جھوٹا کھاتا پہنتااورعبادت ومراقبہ میں مصروف رہتا،سب لوگ اسے عزت اور عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے،عبدالمطلب بھی عیص کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

جس صبح عرب کاآفتاب طلوع ہوا ہے اسی دن عبدالمطلب خوشی خوشی عیص کے پاس پوتے کی ولادت کامژدہ سنانے کے لئے پہنچے۔عیص خانقاہ کے دروازے کی کھجور کے نیچے کوئی عمل پڑھ رہاتھا

......آج بڑے تیز تیز قدم اٹھ رہے ہیں......عبدالمطلب......عیص نے مسکرا کر پوچھا

......اے رب خانقاہ ایک مژدہ لایا ہوں خبر مسرت ! آپ بیوی بچوں اور اولاد کے تعلقات سے آزاد اور بے خبر ہیں مگر پھر بھی آپ کو خوشی ہوگی ......عبدالمطلب نے عمامہ کا پیچ سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

......کہو کہو تمہیں تو خوشی نے اس بڑھاپے میں جوان بنا دیا ہے...... عیص بولا

......عبداللہ کے آج صبح بیٹا پیدا ہوا حسین بچہ! انتہائی حسین ! سارے مکہ میں اس کے حسن کی دھوم مچی ہے لوگوں کی مبارکباد قبول کرتے کرتے تھک گیا......عبدالمطلب نے عبا کا دامن اٹھاتے ہوئے کہا۔

......اس کا تم نے نام کیا رکھا ہے...... عیص راہب نے دریافت کیا۔

......محمدؐ (ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جیسے کوئی مٹھاس سے لذت گیر ہونا چاہے ......)......عبدالمطلب نے جواب دیا۔

......اب میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔! یہ وہی بچہ ہے جس کی ولادت کی خبر میں نے بارہا تمہیں دی ہے! سنو اس لڑکے کو میں نے تین سبب سے پہنچانا اک تو یہ کہ رات ایک ستارہ طلوع ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، دوسرے ولادت دوشنبہ کے دن ہوئی، تیسرے اس کا نام محمد رکھا گیا! اپنی تقدیر پر ناز کر عبدالمطلب بنو ہاشم کو تاریخ کبھی نہ بھلا سکے گی۔! کاش! تم اس کا جاہ و جلال دیکھنے کے لئے زندہ رہ سکتے۔

آمنہ بیوہ ہوگئیں

بی بی آمنہ کے دل میں آرمان مچل رہے تھے کہ عبداللہ اپنے نور نظر کو دیکھ کر کتنے خوش ہونگے ان کے صبیح چہرہ میرے چاند کی پیشانی چوم کر گلنار ہوجائے گا۔ وہ پوچھیں گے نام کیا رکھا ہے۔ میرے لاڈلے گا، میں شرما کر کہوں گی۔ ......احمد و محمدؐ ......وہ اور زیادہ خوش

ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان ناموں میں عجیب نغمگی اور قیامت کی مٹھاس ہے، پھر میں شکایت کرونگی کہ آپ نے سفر میں اتنے دل لگادیئے، قافلے تو مکہ سے شام جا کر کبھی کے لوٹ آئے ......وہ کہیں گے ام محمدؐ! میں یثرب میں بیمار ہوگیا تھا تمہارے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں بنو نجار کے یہاں ٹھہر گیا تھا اچھا ہوتے ہی مکہ دوڑا چلا آیا......اور میں جواب دونگی اسی کی تو مجھے حسرت رہ گئی تھی۔ کہ میں بیماری میں تمہاری خدمت نہ کرسکی۔ میں تمہاری بیماری کی خبر پاکر بہت بے قرار ہوگئی تھی۔ یا ابا محمد! دل کہتا تھا کہ میرے پر لگ جائیں میں کیسے ہی یثرب پہنچ کر دم لیتی

حضرت آمنہ کو ہر آن عبداللہ کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ اس خیال میں غرق تھیں کہ وہ (عبداللہ) یثرب سے اونٹوں سمیت چل دیئے ہونگے۔ ان کا ناقہ تو بہت تیز ہے ہوا سے باتیں کرتا ہے اور لوگ بیس دن میں یثرب سے مکہ آتے ہیں تو وہ دس دن میں آ پہنچیں گے......وہ آ رہے، آ چکے! دروازے پر انہی کی پنچل میں سن رہی ہوں۔

یثرب سے قافلہ آ گیا، عبدالمطلب قافلے والوں سے مل کر آ رہے ہیں......ایک لڑکی نے باہر سے اکر کہا۔

......کیا کہا......قافلہ آ گیا؟ اور ''وہ'' نہیں آئے......آمنہ کی زبان سے رک رک کر یہ لفظ نکلے، اتنے میں عبدالمطلب آئے چہرہ گرد آلود، بال پریشان، پیشانی پسینہ میں ڈوبی ہوئی عمامہ کے پیچ گردن میں پڑے ہوئے......اس ہیئت کو دیکھ ہی کر آمنہ کے کلیجہ میں دھکا سا لگا ......عرب اینچ پیچ سے بات کہنے کے عادی نہیں ہوتے ......عبدالمطلب آتے ہی بولے

......آمنہ! تو بیوہ ہوگئی، محمد یتیم ہو گیا......

عبداللہ مر گیا......دو ڈھائی مہینے ہوئے......

کاش! مرنے والا اپنے حسین بچے کو ایک نگاہ سے دیکھ لیتا مگر قسمت کے نوشتہ کو بدلنا انسان کے بس کام نہیں!

آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ، عبدالمطلب کے وہاں رہنے تک آنسو رکے رہے ...... غیرت نے جذبات کو تھامے رکھا، خسر کے جاتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، پاس پڑوس اور گھر باہر کی عورتیں بھی عبداللہ کے رونے کے لئے اکٹھی ہو گئیں۔اس نئے غم کے ساتھ پرانی چوٹیں بھی آپ ہی ابھر آئیں ...... خواتین قریش بیان کر کر کے رونے لگیں:۔

...... عبداللہ! تمہاری نکوکاری کے چرچے ہر کسی کی زبان پر ہیں! اور تمہارے حسن و جمال کا شہرہ مکہ کی گلی گلی میں ہے! عبداللہ فیاض عبداللہ، شریف و عفیف عبداللہ! بنی ہاشم تمہاری جواں مرگی کے غم سے نڈھال ہوئے جا رہے ہیں ...... ہائے! مکہ کا چاند یثرب کی خاک میں چھپ گیا ...... حج کے لئے جب باہر سے لوگ آئیں گے تو تمہاری طرح کون ان کی تواضع کرے گا! عبداللہ تمہارے بوڑھے باپ کی سفید ڈاڑھی آنسوؤں میں بھیگ رہی ہے۔آمنہ کا سہاگ اجڑ گیا اس کا رنڈاپا دیکھا نہیں جاتا ...... وامصیبتا! فرط غم سے اس کی حالت غیر ہوئی جا رہی ہے ...... اور تمہارا ...... احمدؐ ...... محمدؐ ...... (ہچکیاں ...... مسلسل ہچکیاں۔جیسے شدت جذبات نے گویائی کا گلا گھونٹ دیا۔اور اس سے زیادہ کہنے کی تاب نہیں)

آمنہ خاموش تھیں، سکتہ کا سارا عالم! جیسے یہ سچ مچ بیجان ہو گئیں۔چہرہ ستا ہوا لبوں پر آہوں کی دھمی دھیمی آنچ! اشکبار آنکھیں ، اجڑا ہوا سہاگ مامتا بن کر عبداللہ کے یتیم محمدؐ کو ڈگر ڈگر دیکھ رہا تھا ......

بہت سے غم بیان نہیں ہو سکتے ، دل کی بہت سی چوٹیں الفاظ نہیں بن سکتیں۔بہت سے صدمے کہے نہیں جا سکتے ۔غم کی اصل نزاکت تو لفظوں میں آ کر اور مجروح ہو جاتی

ہے...... آمنہ کا غم بھی اسی انداز کا غم تھا..... سوگوار سکوت...... غم انگیز خموشی! آنسوؤں سے وار دات دل کی تھوڑی بہت ترجمانی ہو رہی تھی...... ہائے وہ جوان بیوہ جس کا سہاگ ایکا ایکی شوہر کی موت نے کھسوٹ لیا ہو۔

حلیمہ کے یہاں

آمنہ کے لال کو دودھ پلانے کی سعادت ابولہب کی کنیز ثوبیہ کی نصیب ہوئی اس کے بعد عرب کے دستور کے مطابق مکہ کے نوزائیدہ بچوں کو لینے کے لئے باہر کی بستیوں سے دودھ پلانے والی عورتیں آئیں...... اس کو بھی دنیا میں قدم قدم پر مایا کے پھندے لگے ہیں ہر کسی کے دل میں روپیہ پیسہ کا لالچ ہوتا ہے۔ نفع کی تمنا، سود و منفعت کی امید! عرب کی دائیں بھی اس جذبہ سے خالی نہیں تھیں۔ ان کے ساتھ بھی پیٹ کا دوزخ لگا تھا، وہ مکہ اسی تمنا سے آئیں تھیں۔ کہ مالدار گھرانوں کے بچے لے کر انعام و اکرام سے اپنی اپنی گود بھر لیں گی۔ سب نے ایسے ہی بچوں کو چن لیا جن کے ماں باپ زندہ تھے۔ جو کھاتے پیتے گھرانوں کے تھے۔

یہ دنیا بہت زیادہ ظاہر پرست اور کم نظر واقع ہوئی ہے۔ یہاں کے لوگ چھلکے پر جان دیتے ہیں۔ مغز تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، پھولوں کی رنگت کے سب فدائی ہیں لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ رنگ و بو کے اس پردے کو بھی ذرا الٹ کر دیکھیں کہ اس کے پیچھے بھی کچھ ہے کہ نہیں...... ہوس اور لالچ نے آنکھوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں، مجاز کے یہ دیوانے، حقائق سے ناآشنا رہتے ہیں...... بس اوپری لذتیں...... لطف باطن سے بے خبر ...... صرف مشاہدہ صورت...... معنی سے بیگانگی!

عرب کی دودھ پلانے والی دائیاں...... بدقسمت اور کم نظر عورتیں مالدار گھرانوں میں پھرتی رہیں مگر عبدالمطلب کے گھر آتے ہوئے ہچکچائیں، عبداللہ کے درِ یتیم پر کسی کی توجہ نہ

ہوئی......اس خیال سے کہ بے باپ کا بچہ ہے ہمیں کیا ہاتھ آئے گا۔ بیوہ ماں خود ہی مغموم اور پریشان ہے ہمیں بے چاری کیا دے گی۔ حالانکہ عبدالمطلب قریش کے معزز سردار اور کعبہ کے نگہبان ہیں۔ سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن سیر چشمی اور فیاضی کی بدولت ان کے پاس بچتا ہی کیا ہے! سو کی آمدنی اور دو سو روپے کا خرچ، جب دیکھو گھر میں مسافروں کی مہمانداری ہو رہی ہے اور حج کے موقعہ پر تو عبدالمطلب بالکل قلاش ہو جاتے ہیں، سال بھر کی کمائی حجاج کی تواضع کی نذر ہو جاتی ہے......دائیاں قریش کے بچوں کو مکہ سے لے کر سر سامان کے ساتھ روانہ ہوئیں۔

......عبدالعزیٰ نے بیس دینار اور دو درہم مجھے دیئے ہیں۔ ایک دایہ نے فخر کے لہجہ میں کہا۔

......اور مجھے اس بچہ کے ماموں نے الگ انعام دیا، چچا نے جدا نوازش کی اور باپ نے تو مجھ پریشان حال کو نہال کر دیا۔ درہم و دینار سے تھیلی بھر کے لے جا رہی ہوں......دوسری دایہ نے جواب دیا۔

......یہ دیکھ یمنی چادریں، چاندی کا ہار اور قیمتی بازو بند اور ابو رفادہ نے اپنے معبود بت پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ جب تو میرے بچہ کو صحیح سلامتی کے ساتھ واپس لے کر آئے گی۔ اس وقت اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔ یہ تو میری نوازشوں کی پہلی برکھا ہے......تیسری عورت نے کہا۔

......اس لاڈلے (بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے دادا نے ایک اونٹ سامان سے لدوا دیا ہے، کھجور، گلہ، ستو، برتن، پہننے کے جوڑے اور چلتے وقت بڑے میاں نے کہا عنیزہ حج کے موقعہ پر اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو مکہ بھیج دینا ایک دو اونٹ اور دس بیس بکریاں تیرے لئے اس کے ساتھ کر دونگا......مگر بیچاری حلیمہ...... چوتھی عورت کی بات ادھوری رہ گئی۔

......(بات کاٹ کر) ہاں! غریب حلیمہ پر مجھے بھی ترس آتا ہے کسی مالدار گھر کا بچہ اسے نہ

مل سکا، عبدالمطلب کے گھر گئی ہے۔ عبداللہ کے یتیم کو لینے کے لئے! وہاں سے اسے کیا ملے گا۔ بہت سے بہت پانچ صاع کھجور اور ستو کی ایک دو تھلیاں! یتیم بچوں کے دودھ پلانے میں سدا گھاٹا رہا کرتا ہے۔ دائیوں کے لئے آمنہ کے پاس دعاؤں کے سوا کیا رکھا ہے مگر نری دعاؤں سے تو بھوکے کا پیٹ نہیں بھر جاتا میں کہتی ہوں کوئی سو دعائیں نہ دے ایک درہم دے دے ...... پانچویں دایہ نے غمخواری اور فخر کے ملے جلے انداز میں کہا اور اس کا اونٹ بلبلانے لگا۔

بنی سعد بن بکر کے قبیلہ کی دائی حلیمہ بہت ملول اور افسردہ تھی دل ہی دل میں پچھتائی کہ ہائیں! امیر گھرانوں کے تمام بچے دوسری دائیوں نے چھن لئے میری تقدیر میں یتیم بچہ کا دودھ پلانا لکھا تھا۔ شیما (حلیمہ کی لڑکی کا نام) کے باپ جھنجلا کر طعنے دیں گے۔ کہ اچھے بچے کو لے کر آئی ہے جس کے گھر والوں کو درہم دینار تو ایک طرف رہے دو چار من غلہ بھی ساتھ کرنے کی توفیق نہ ہوئی، ان کے طعنے مجھے سننے پڑیں گے۔ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پائے گا۔

حلیمہ ملول و افسردہ، حلیمہ تاسف آمیز انداز میں عبدالمطلب کے گھر پہنچی محمدؐ سو رہے تھے۔ چہرہ مبارک سے ہلکا ہلکا نور چھن رہا تھا...... چاندی سے زیادہ دلکش اور نظر نواز! حلیمہ دبے پاؤں نزدیک گئی، سینہ مبارک پر پیار سے ہاتھ رکھا، محمدؐ نے آنکھیں کھول دیں۔ مسکرانے اور حلیمہ کی طرف دیکھنے لگے۔ حلیمہ نے سینکڑوں بچے دیکھے تھے اور دسیوں نونہالوں کو دودھ پلایا تھا مگر اس یتیم کی دھج ہی سب سے نرالی تھی اس کی مسکراہٹ میں تسکین کا پیام تھا۔ راحت و محبت کی دعوت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وقار و متانت کی آمیزش تھی...... چھوٹے اور اتنے چھوٹے یوں ہی مسکرادیا کرتے ہیں۔ لیکن عبداللہ کے یتیم کے تبسم میں ایک مقصد اور پیام جھلک رہا تھا۔ مسکراہٹ آپ ہی آپ بول رہی تھی اور خاموش نگاہیں کچھ کہہ رہی تھیں۔

...... حلیمہ! اس بچہ کو یتیم سمجھ کر ملول نہ ہونا، خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔

آمنہ نے دائی سے کہا

......بی بی سچ کہوں گی جھوٹ نہ بولوں گی۔ اب سے پہلے میں بہت ملول تھی رہ رہ کر پچھتاوا آتا تھا کسی امیر گھرانے کا بچہ کیوں نہ ملا، اپنی بدنصیبی پر میں جھنجلا کر رہ جاتی تھی۔ مگر تمہارے لاڈلے یتیم کی مسکراہٹ نے میرے دل سے ملال دور کر دیا اس کی نگاہوں نے تمام غم بھلا دیئے ،ام محمدؐ میں اپنے دل کی کیفیت لفظوں میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ میرے دل کو آج کے برابر کبھی خوشی نہیں ہوئی، تمہیں خود بھی نہیں معلوم بنت وہب! تمہارے محمدؐ کی مسکراہٹ نے مجھے کیا بنا دیا اس صبح سے بہتر صبح مجھ پر آج تک طلوع نہیں ہوئی (بی بی آمنہ مسکراتی ہیں) حلیمہ آمنہ کے لال کو لے کر رخصت ہوئی، بیوہ ماں نے یتیم بچہ کے ماتھے کو چوما ممتا کے نشان چاند سی پیشانی پر ابھر آئے ،پلکیں بے اختیار نمناک ہو گئیں، معصوم یتیم کی جدائی نے اس کے باپ کے داغ فرقت کو ہرا کر دیا......ایک غم دوسرے غم کی یاد دلا دیا کرتا ہے۔

بوڑھے عبدالمطلب نے پوتے کو محبت کے ساتھ رخصت کیا مکہ کی پہاڑیوں تک حلیمہ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ عبدالمطلب پیادہ پا گئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

......''حلیمہ! یتیم بچہ سمجھ کر دیکھ بھال میں کمی نہ کرنا، خدا کی قسم قریش میں اتنا سعادت مند اور با اقبال بچہ آج تک پیدا نہیں ہوا، مجھ سے کاہنوں ،راہبوں ،بطریقوں اور سقفوں نے کہا ہے کہ ایک دن آئے گا کہ تمام دنیا محمدؐ کے قدموں پر جھکی ہو گی۔

حلیمہ نے اس کے جواب میں کہا:۔

''سید القریش! آپ نشاط خاطر رکھیں۔ تمہارے بچہ کا اللہ نے چاہا تو کان بھی گرم نہ ہونے پائے گا۔ میں خود گیلے میں سوؤں گی اور اسے سوکھے میں سلاؤں گی۔ میری بچی شیما کے ہونٹ اس وقت تک شیر آشنا نہیں ہو سکتے جب تک محمدؐ شکم سیر نہ ہو جائیں۔ یہ میں پوری ذمہ

داری کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ عبدالمطلب! خدا کو بیچ میں لا کر! مجھ پر بھروسہ کروایا عبداللہ!

حلیمہ خوش خوش روانہ ہوئی، اونٹ ریگستان میں چل رہا تھا اور حلیمہ محمدؐ کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی، بار بار پیشانی مبارک چوم کر کہتی:۔

''محمدؐ احمدؐ'' عبداللہ کے یتیم، آمنہ کے لاڈلے، عبدالمطلب کے نور نظر! تم تو مجھے اس طرح دیکھتے ہو جیسے مجھے پہلے جانتے ہو! تمہیں جب سے دیکھا ہے مجھے اپنے بچے یاد نہیں آئے۔ تم میری ممتا بن کر رہ گئے ہو۔ ابن عبداللہ (محمد مسکراتے ہیں) ہاں! ہاں! تم مسکرا کر میری بات کی تصدیق کر رہے ہو۔ کہ حلیمہ تو سچ کہہ رہی ہے تمہاری مسکراہٹوں نے میری تاریک دنیا میں اجالا کر دیا ......محمدؐ......اور......ارے ......یہ ......یہ میری ست قدم اونٹنی ہوا کی طرح اڑی جا رہی ہے اور (چاروں طرف حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے) یہ کیا ہو رہا ہے، کھجور کی سوکھی ڈالیوں سے ایکا ایکی روشنی سی برسنے لگی، پہاڑیوں کی چٹانیں لو دے رہی ہیں۔ اور یہ راستہ! جیسے کسی نے ستارے کوٹ کر بچھا دیئے ہیں۔...... بڑے ہو کر نہ جانے تم کیا بنتے ہو محمدؐ! اس وقت اپنی دایہ حلیمہ کو کہیں بھول نہ جانا...... مگر یہ میں کیا نادانوں سی باتیں کر رہی ہوں۔ تم مجھے نہیں بھول سکتے تمہارے منہ سے محبت و وفا کی بو آتی ہے ان پیاری آنکھوں میں مروت جھلک رہی ہے اور مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے محمدؐ! تمہارے کاندھے دنیا جہاں کی غمگساری کا بار اٹھائے ہوئے ہیں''

حلیمہ کا ناقہ خوب تیز تیز جا رہا تھا، ساربان اس کی صبا رفتاری پر خود حیران تھا، پچھلی رات تھی، ستارے جھلملا رہے تھے خنک ہواؤں کی گود میں ببول کی ڈالیاں جھولا جھول رہی تھیں، ساربان حدی خوانی کے لئے بے اختیار سا ہو گیا۔ اسے آج شراب و نغمہ اور ہوسناک جذبات کے موضوع پر شعر یاد ہی نہ آئے رہے تھے۔ اس نے حافظہ پر زور دیا جیسے اس کی لوح ذہن

سے شوخ ورنگین اشعار کسی نے دھودیئے ہیں۔ حجازی لے میں اس کی نشید:

برک الغماد نخلستان میں جب تیماء کے رئیس سرخ اونٹوں پر سفر کر رہے

ہوں تو ان سے کہنا کہ شرافت کا ذرہ چاندی سونے کے پہاڑوں پر بھاری ہوتا

ہے یمن کے سرخ حلوں سے اس کمبل کے پیوند اچھے ہیں جسے دست

نکوکار نے چھوا ہو...... یہ وہ بات ہے جو سورج ہر صبح طلوع ہوتے وقت

مجھ سے کہتا ہے......

''عدن کے موتی محنت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ پر سعادت کوشش سے حاصل نہیں ہوسکتی ، ہر تقدیر کے نوشتوں میں سعادت کی لکیریں نہیں ہوتی...... یہ قدرت کا عطیہ ہے اور آسمان کی بلندیوں سے اتری ہوئی نعمت!''

حدی خواں ساربان نے پھر حلیمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

......ام شیما تم بھی تو کوئی شعر سناؤ تمہارا قبیلہ تو فصاحت میں مشہور ہے ہم اعرابی تو زبان میں تم لوگوں کے شاگرد ہیں۔

حلیمہ نے جواب دیا

...... مجھے بس ایک شعر یاد ہے ...... محمدؐ...... محمدؐ...... احمدؐ احمدؐ......! اس نام سے زیادہ شیریں شعرائے عرب کے تمام قصیدے مل کر بھی نہیں ہوسکتے! عبدالفصح پر جب بنوسعد کی دوشیزائیں گیت گا کر مجھ سے کچھ سنانے کیلئے کہیں گی تو میں بس ''محمدؐ'' کہہ کر خاموش ہوجاؤں گی۔ یہ نام ان کے بس نغموں کا جواب ہوگا۔ ساربان! تم اپنی حدی خوانی لے جاؤ مجھے متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو...... یہ دیکھو! محمدؐ مسکرانے لگے...... (حلیمہ کے ہونٹ جھکتے ہوئے قوس بن جاتے ہیں)

راستہ کے درخت ریت کے ٹیلے، پتھریلی گھاٹیاں یہاں تک کہ ہوا میں اڑنے والی پتیاں حلیمہ کو زبان حال سے مبارکباد دے رہی تھیں اور کہتی جاتی تھیں:۔

......حلیمہ! خوش قسمت حلیمہ! تبریک کے ہدیے قبول کر! معلوم ہے تو کسے لئے جا رہی ہے اسے جو خلاصہ کائنات اور فخر موجودات ہے! اب دنیا میں جسے بھی سعادت اور ہدایت ملے گی۔ وہ اسی کی بارگاہ سے ملے گی۔ اسی کا نقش قدم "صراط مستقیم" بنایا جائے گا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج اور اس کے غلاموں کی ٹھوکروں سے لگے ہوں گے، ہدایت کے جتنے چراغ اب تک روشن ہو چکے ہیں ان سب کا اجالا اس کے نور ہدایت میں مل کر "مشکوٰۃ ابد" بن جائے گا جس کی روشنی کبھی ماند نہ پڑنے پائے گی۔ ......حلیمہ! شہنشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام مٹ جائیں گے مگر عبداللہ کے دریتیم کے طفیل تیرا نام تاریخ میں سدا یاد رہے گا جب کبھی محمدؐ کی سیرت بیان ہوگی لوگ کہیں گے کہ حلیمہ سعد نے انہیں دودھ پلایا تھا، غیر فانی ہو گیا تیرا نام حلیمہ! بنی سعد کی گم نام دودھ پلانے والی تجھے ابدی شہرت حاصل ہوگئی۔ قریش کے بڑے سے بڑا امیر تجھے سونے میں تول سکتا ہے۔ مگر اس دریتیم کے صدقہ میں جو نعمت تجھے ملی ہے اسے کون دے سکتا ہے؟

حلیمہ جب اپنی بستی میں پہنچی تو اس کی اونٹنی کی تیز رفتاری دیکھ کر سب تعجب کرنے لگے ۔ایک عورت نے بالا خانہ سے جھانکتے ہوئے کہا:۔

......یہ حلیمہ یہاں سے تو مریل اونٹنی پر سوار ہو کر گئی تھی۔ اس سے چلا نہیں جاتا تھا دبلی پتلی فاقوں کی ماری اونٹنی! ایک ایک ہڈی گن لو اور کوئی پھونک مار دے تو بیچاری کا دم نکل جائے ہسب ہنستے تھے کہ حلیمہ اس نیم مردہ سواری پر کیسے مکہ پہنچے گی۔ ! ہم تو یہ خبر سننے کے انتظار میں تھے کہ فلاں منزل میں حلیمہ کی اونٹنی نے ٹھوکر کھا کر جان دے دی۔

......مگر یہ تو کچھ اور ہی دکھائی دے رہا ہے۔ اس اونٹنی کے تو پر لگ گئے ہیں۔ ہوا سے باتیں

کرتی ہے...... مکہ کے ببول کھا کھا کر اس مریل پر جوانی آ گئی

حلیمہ اس کے جواب میں مسکرا کر بولی:۔

......بہن! یہ سب اس یتیم بچہ کی برکت ہے! خدا کی قسم ہماری ساری بستی اور قبیلہ کی تقدیر بدل جائے گی۔

گھر کے دروازے پر اونٹنی جا کر بیٹھ گئی، حلیمہ نے بڑی احتیاط کے ساتھ ابن عبداللہ کو اتارا، اتنے میں حلیمہ کے شوہر آ گئے اور خشم گین لہجہ میں بولے۔

......تم اب تک کہاں رہیں ام شیما! میں تو سمجھتا تھا تمہاری اونٹنی نے بیچ راستہ میں دغا دے دیا مگر یہ تو ظالم سفر سے توانا ہو کر آئی ہے۔ اور ہاں تمہارے پیچھے بکریوں نے دودھ دینا چھوڑ دیا سب کے تھن سوکھ گئے جیسے کبھی ان میں دودھ تھا ہی نہیں......ایک مصیبت ہو تو بیان کروں اب کی بار ہماری کھیتیاں آپ ہی آپ خشک ہوتی جا رہی ہیں۔ سب فکر مند ہیں کہ فصل کی یہی حالت رہی تو کھائیں گے کیا؟

حلیمہ نے محمدؐ کو شوہر کی گود میں دیتے ہوئے کہا:۔

......تم تو دنیا بھر کے فسانے سنانے بیٹھ گئے شیما کے باپ! اس بچہ کو تو گود میں لو بنی ہاشم کا چشم و چراغ، سید القریش عبدالمطلب کا پوتا عبداللہ کا یتیم اور آمنہ کا لخت جگر ہے۔

یہ نونہال!......اور اس کا نام سن کر تو تم جھوم جاؤ گے......(قدرے توقف کے بعد) احمد اور محمدؐ بھی! اس کی برکت سے ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ راستہ بھر اس کے نور سے جگمگ جگمگ ہوتی آئی ہے......

حلیمہ کے شوہر نے محمدؐ کو پیار کیا اور ان کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا، دیر تک نظارہ کرتا رہا پھر بولا......تم بھوکی ہو گی ام شیما! تمہارے لئے کہیں سے دودھ لے آؤں

ہماری بکریاں تو) (یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ ایک بکری کے تھنوں پر پڑی)......ارے یہ کیا! سوکھے ہوئے تھنوں میں دودھ آ گیا۔

حلیمہ کا شوہر دوڑا ہوا گیا اور برتن نیچے رکھ کر دودھ دوہنے لگا، پورا برتن دودھ سے بھر گیا ......میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں......ام شیما......یہ تو جادو کی سی باتیں ہو رہی ہیں......حلیمہ کے شوہر نے کہا۔

......ابھی تو یہ محمد کی برکتوں کا آغاز ہے! تم دیکھنا اور کیا کیا ہوتا ہے۔ ساری کلفتیں دور ہو جائیں گی؟ اور میں تو کہتی ہوں کہ اس بچہ کے دیکھنے میں جو لطف ملتا ہے ساری جہان کی مسرتیں اس کے آگے ہیچ ہیں! میں اپنی قسمت پر ناز کروں یا تمہیں مبارکبادوں!

حلیمہ نے بڑے ناز و نعم اور چاہ کے ساتھ محمد کی پرورش کی......جی ہاں! پرورش! مگر اس بہانہ خود اس کی تقدیر اور زندگی کی پرورش ہو رہی تھی۔ حلیمہ کی گود میں کونین کی دولت سمٹ کر آ گئی تھی، مہ و انجم کی نگاہیں حلیمہ کے گھر کا طواف کر رہی تھیں، قبیلہ سعد کی قسمت کا ستارہ آج سچ مچ برج شرف میں تھا اور اللہ نے ان کے دن پھیر دیئے تھے۔ صبح کو بنی سعد کے کسان جو اپنے کھیتوں میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سوکھے پودوں اور مرجھائی ہوئی ڈالیوں میں ایکا ایکی جان سی پڑ گئی، خشک کھیتیاں لہلہانے لگیں جیسے کسی نے ان پر آب حیات چھڑک دیا ہے۔ لوگ خوشی خوشی بستی میں دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے۔

......ایہا الاخوان! کسی کو زندہ جادو اور جیتی جاگتی کرامات دیکھنی ہو تو ہمارے ساتھ جنگل میں چلے تمام سوکھے اور بدرونق کھیتوں میں ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے فصل پر اس قدر رعنائیوں کے ساتھ تو آج تک بہار نہیں آئی۔ تمام کھیت باغ و بہار بن گئے ہیں۔ کونپلوں کا اٹھان اور ڈالیوں کی بڑھوار اس غضب کی ہے جیسے دنوں کے ہوتے چند ساعتوں میں خوشے

لگ جائیں گے۔ رات کی رات میں کیا ہوگیا؟ مینہ کی ایک بوند بھی بادلوں سے نہیں گری اور ہم کہتے ہیں دھواں دھار بارش ہو جاتی تو تو بارش کا اثر آخر ہوتے ہوتے ہوتا ہے! قبیلہ بنوسعد کی غلہ کی پیداوار میں عرب کا کوئی قبیلہ برابری نہ کر سکے گا۔

لوگوں میں اس بات کے چرچے ہونے لگے۔ بڑے بوڑھے آدمی جنہوں نے زمانہ کے بہت گرم و سرد اور دنیا کے بڑے بڑے انقلابات دیکھے تھے، کہنے لگے کہ ایسا تو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہ رات کی رات میں سوکھے کھیت سرسبز ہو جائیں......شاید ہمارے معبود ہم پر زیادہ مہربان ہو گئے ہیں۔ انہی کی چشم توجہ اور نگاہ کرن کی یہ گلکاریاں ہیں۔

......مگر یہ معبود تو سالہا سال سے ہم میں موجود ہیں چھ سال ہوئے جب قحط پڑا تھا تو انہوں نے ہم پر کب توجہ کی تھی؟......ایک شخص نے کہا......اور اس آدمی کی بات ختم ہوئی تھی کہ حلیمہ کا شوہر فخر کے لہجہ میں بولا:۔

......تم لوگ عقل اور قیاس کے زور پر نرے تیر تکے لگا رہے ہو، اصل حقیقت سے سب بے خبر ہیں۔ سو میں بتاتا ہوں۔ سنو! شیما کی ماں مکہ سے ابن عبداللہ کو دودھ پلانے کے لئے لائی ہے۔ محمدؐ ہے اس درِ یتیم کا نام! جب سے وہ طفل سعید ہمارے گھر میں آیا ہے۔ برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ میری بکریوں کا دودھ خشک ہو گیا مگر رات سے ان کے تھنوں سے دودھ کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ اس کی برکتوں کی داستان تو تم حلیمہ کی زبان سے سنو۔ کہتی تھی کہ راستہ بھر نور برستا ہوا آیا ہے۔ یہ ہمارے کھیت جو آن کی آن میں لہلہا اٹھے ہیں۔ اسی یتیم عبداللہ کی برکت سے ایسا ہوا ہے۔ تم چل کر ذرا محمدؐ کو ایک نگاہ دیکھ تو لو، تم خود پکار اٹھو گے کہ ایسا نورانی اور دلکش چہرہ ہم نے آج تک نہیں دیکھا......

دائی حلیمہ نے محمدؐ کو اپنے دودھ میں محبت گھول گھول کر پلائی۔ اس نے اپنی ساری توجہ

اور مامتا اسی یتیم پر صرف کر دی۔ محمد کی ذرا سی بے چینی بھی اس سے دیکھی نہ جاتی گھنٹوں کلیجہ سے لگا کر ٹہلتی، جھولا جھلاتی ...... اور اپنے مخصوص انداز میں اشعار پڑھتی جاتی، اس کی لوریاں:۔

''نیند آنکھوں میں گھل مل کر راحت بن جاتی ہے۔ پھر اسی راحت کی آغوش سے زندگی بیداری کی انگڑائیاں لیتی ہوئی چونکتی ہے۔

بہت سوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو دل بھی سو جاتے ہیں اور بعض کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل جاگتے رہتے ہیں۔......

....

دو سال بعد آمنہ کے یتیم کا دودھ چھٹ گیا اور حلیمہ اسے لے کر آمنہ کے پاس آئی حضرت آمنہ کی خوشی کا کیا پوچھنا، طویل جدائی کے بعد اپنے نور نظر کو دیکھا تھا، مامتا آنکھوں میں کھنچ کر آ گئی اور خوابیدہ تمنائیں یکبارگی جاگ اٹھیں، عبدالمطلب نے پوتے کو بار بار چوما اور دل گیر ہو کر بولے:۔

''آج عبداللہ ہوتا تو اپنے لاڈلے کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا مگر اس بچہ کی تقدیر میں یتیمی کا داغ لکھا تھا، قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہا''

مکہ میں ان دنوں خوب وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ایک ایک گھر سے کئی کئی جنازے نکلتے، تمام شہر پریشان، ہراساں اور خوف زدہ تھا۔

ڈرنے اور پریشان ہونے کی بات ہی تھی ہر شخص کو موت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی تھیں۔ جیسے اب پیام اجل آیا اور اب آنکھیں بند ہوئیں! کسی کے ذرا سی چوٹ بھی لگ جاتی تو وہ یہی سمجھتا کہ موت کا قاصد اب آیا ہی چاہتا ہے۔ زندگی کی یہ آخری ساعتیں ہیں اس کے بعد نزع موت اور پھر خاک کا ڈھیر...... ان اندیشوں نے زندوں کو بیماروں سے بدتر بنا دیا تھا۔

بستی سے باہر نئی قبریں ہی قبریں نظر آتی تھیں...... ملک الموت کو شاید مکہ والے پسند آ گئے تھے جوان غریبوں کی جانوں پر مشق ناز ہو رہی تھی ...... اہل مکہ نے اپنے بتوں کے آگے بہت کچھ ہاتھ جوڑے، سجدے کئے منتیں مانیں، چڑھاوے چڑھائے دہائیاں دیں فریادیں کیں پیشانیاں رگڑیں مگر وبا کا وزر کم نہ ہوا بیماری اور پھیلتی جاتی تھی ...... بعض بعض قریشی نوجوانوں کو جھنجلاہٹ بھی آ جاتی کہ ان بتوں پر ہم تو جان چھڑکتے ہیں مگر ان کے دل ایسے پتھر کے ہیں کہ کسی طرح پسیجتے ہی نہیں! جن خداؤں سے دکھ درد اور مصیبت میں کوئی فائدہ نہ پہنچے وہ کس کام کے! ہمارے سجدوں کا آخر کچھ تو صلہ ملنا چاہئے

وبا کا زور دیکھ کر بی بی آمنہ نے محمدؐ کو پھر حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا اور تین سال تک حلیمہ کو یہ سعادت حاصل رہی ۔ بنو سعد کا قبیلہ فصاحت میں مشہور تھا۔ اس قبیلہ میں بلند پایہ شاعروں اور شعلہ بیان مقرروں کی بہتات تھی، عرب کہا کرتے تھے کہ بنی سعد کے کھیتوں میں سبزہ کی جگہ فصاحت اگتی ہے مگر محمدؐ کے سادہ اور میٹھے بولوں کو سن کر سب حیران تھے کہ اس کمسنی میں یہ اعجاز گویائی ہے تو بڑے ہو کر فصاحت اور حسن تکلم کو ان لبوں پر ناز ہو گا۔

محمدؐ اپنی دایہ حلیمہ کی بکری کا دودھ پیتے تو اپنی رضائی بہن کے لئے از خود حصہ چھوڑ دیتے ، دوسرے تھن کو منہ نہ لگاتے ، چھٹ پن عدل و انصاف اور ہوش و آگہی کو دیکھ کر حلیمہ کے گھر والے کہتے کہ عبداللہ کا در یتیم بڑا ہو کر دنیا کو انصاف اور بھلائی سے معمور کر دے گا اور اس کی ماں نے سچ کہا تھا کہ اس بچہ کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ اس نیک بی بی کے خواب ایک ایک کر کے پورے ہونگے۔

کئی سال تک حلیمہ کا گھر اس سعادت اور برکت سے بہرہ اندوز ہوتا رہا محمدؐ کی برکت نے ان کی ساری پریشانیاں اور غم دور کر دیئے ۔ وہ دعائیں کرتے تھے کہ چمن ہاشمی کا یہ غنچہ نورس

ہیں پھول بنے یہ سعادت ہم سے جدا نہ ہو...... لیکن یہ ہو نہ سکتا تھا قدرت اس سعادت کو عالم افروز اور جہانگیر بنانے والی تھی۔ یہ تجلیاں کسی ایک کاشانہ کیلئے نہیں تمام دنیا اور آفاق کے لئے تھیں اس روشنی سے مشرق و مغرب جگمگانے والے تھے اور یہ سحاب رحمت سبزہ زاروں سے لے کر چٹیل میدانوں تک برسنے والا تھا۔

محمد کی عمر پانچ سال کی تھی جب حلیمہ انہیں آمنہ کے گھر واپس لائیں اور ماں کی امانت ان کو سونپ دی...... غم اور خوشی کی جھلکیاں...... آمنہ کو نور نظر سے ملنے کی خوشی تھی اور حلیمہ کو جدائی کا غم تھا، ایک کے لبوں پر مسکراہٹیں اور دوسری کی آنکھوں میں آنسو! یہ خوشی بھی مسعود تھی اور یہ غم بھی مبارک تھا کہ ان دونوں باتوں کا تعلق اس ایک ہی ذات اور ایک ہی وجود سے تھا...... بی بی حلیمہ اور ارمانوں اور تمناؤں کے ہجوم محمدؐ کے اردگرد چھوڑ کر واپس ہوئیں گھر آئیں تو درو بان کو بے رونق اور اجڑا ہوا سا پایا اس گھر سے بہار رخصت ہوگئی۔

غموں کے دو پہاڑ

بی بی آمنہ نے سات سال زمانہ بیوگی میں گزارا، عبدالمطلب نے معصوم سیرت اور فرشتہ صفات بہو کی بہت کچھ دلجوئی کی مگر بیوگی خود اپنی جگہ مستقل غم ہے، کوئی حسن سلوک اور مسرت آمیز برتاؤ اس درد کا مداوا نہیں کرسکتا...... آمنہ کی دنیا میں بس اب محمدؐ کے دم سے روشنی تھی۔ اپنے لاڈلے یتیم کو دیکھ کر کھلا کر اور چوم کر اپنا غم غلط کرتیں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنکھ میں آنسو چھلک رہے ہیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے...... غم اس کا کہ جواں بخت اور جواں سال شوہر پردیس میں پیوندزمین ہوگیا اور خوشی اس بات کی کہ خدا نے محمدؐ جیسا بیٹا عطا کیا۔

حضرت آمنہ کے ننھیال کے لوگ یثرب (مدینہ) میں تھے، ان سے ملے ہوئے ایک

زمانہ ہوگیا تھا۔ اس سفر میں غم کا بار بھی ذرا ہلکا ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال تھا کہ مدینہ کے قریب ہی ابواء میں عبداللہ کی قبر ہے اگر انقلاب زمانہ نے ان کی قبر کا نشان باقی چھوڑا ہوگا تو اس کی بھی زیارت ہو جائے گی۔...... ان امیدوں اور تصورات کے ساتھ آمنہ مدینہ روانہ ہوگئیں، ساتھ ام ایمن تھیں اور ان کی آنکھوں کا تارا محمد بھی:

جس نونہال کی برکتوں نے حلیمہ کے غبار راہ کو گیر مہ وانجم بنا دیا، اس کی اپنی بیوہ ماں کے سفر میں کیا کچھ برکتیں نازل نہ ہوں گی...... ابن عبداللہ کا یہ مدینہ کا سفر دراصل ہجرت کے سفر کا مقدمتہ الجیش تھا قدرت تاریخ انسانیت کے نہایت مہتم بالشان واقعہ کے لئے ابھی سے طرح ڈال رہی تھی۔

مدینہ میں بی بی آمنہ پہنچیں تو شریف وبامروت عزیزوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، یوں تو مدینہ کے تمام گھرانے مہمان نواز اور عزیز دوست واقع ہوئے ہیں۔ مگر بنونجار اس شرف میں ممتاز تھے، وہ باہر سے آئے ہوئے پردیسیوں کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتے تھے۔ اور آمنہ تو پھر اپنی تھیں، خوب خاطر تواضع کی اور انتہائی مدارات اور وسعت خلق ومروت کے ساتھ پیش آئے۔

بی بی آمنہ کو بڑی بوڑھی عورتوں نے کلیجہ سے لگالیا اور یتیم عبداللہ کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، عورتیں یوں بھی دل کی نرم اور حساس ہوتی ہیں اور یہ تو موقعہ بھی اظہار غم کا تھا...... ایک بیوہ اور ایک یتیم کا وہ خیر مقدم کر رہی تھیں...... سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ان آنسوؤں میں نوواردوں کے آنے کی خوشی بھی ملی جلی تھی، اسی احساس نے آنسوؤں کو بہت زیادہ اجلا اور جاندار بنا دیا تھا۔ صرف غم کے آنسو دھندلے سے ہوتے ہیں۔

محمدؐ کے وقار ومتانت کو دیکھ کر سب کو خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی! محلّہ میں چرچے ہونے

لگے کہ مکہ معظمہ کے خاندان بنی ہاشم کا ایک بچہ آیا ہے۔ جس کی پیشانی سے اقبال وسعادت کا آفتاب طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کی باتوں میں اس قدر دلکشی ہے دل کہتا ہے کہ چمن ہاشمی کا یہ بلبل چہکتا ہی رہے۔

مدینہ کے بچے زیادہ مہذب اور باشعور نہ تھے ان میں ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے فحش کلامی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپس میں لڑتے تھے ایک کا ہاتھ دوسرے کا گریبان! کوئی خاک اڑا رہا ہے۔ کوئی کنکریاں پھینک رہا ہے مگر محمدؐ ان باتوں کے پاس نہ پھٹکتے...... ہاں! کوئی بچہ تیراندازی کی مشق کرتا ہوتا تو اس کا ساتھ دیتے یا پھر بنو عدی بن النجار کی باؤلی میں تیرا کرتے ۔

مدینہ میں ایک مہینہ قیام کے بعد بی بی آمنہ مکہ جانے کے لئے واپس ہوئیں، راستہ میں ابواء پڑتا تھا، یہاں حضرت عبداللہ کی قبر تھی۔ ٹھہر گئیں، ٹھہر جانا پڑا، غم محبت نے ان کا دامن تھام کر کہا کہ شوہر کی قبر کا نشان تو جاتے جاتے دیکھتی جاؤ، پھر نہ جانے ادھر آنا نصیب ہو کہ نہ ہو...... دل کی ایک ایک چوٹ ابھر آئی اور کلیجہ کا ہر زخم ہرا ہو گیا۔ کچھ تکان کچھ شدت غم، کچھ موسم کا اثر پھر سفر میں نیا دانہ نیا پانی ملا، بی بی آمنہ بیمار ہو گئیں مرض بڑھتا ہی گیا، ابواء کیا پورے عرب میں اس وقت شفا خانوں کا رواج نہ تھا، عطائی طبیب جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے یا پھر کاہنوں اور راہبوں سے جھاڑ پھونک اور عمل پڑھوائے جاتے، آمنہ کی تیمارداری اور غمگساری کیلئے وہاں پردیس میں کون تھا، بس لے دے کر بیچاری ام ایمن تھیں، جو تیمارداری کرتیں اور پورے سفر میں ان کی رفاقت آمنہ کے بہت کام آئی، بیمار اور نحیف آمنہ کی غمگساری اور خدمت گزاری میں ام ایمن نے ذرا برابر کوتاہی نہ کی۔

ہر مرض شروع میں معمولی ہوتا ہے۔ مگر آئندہ چل کر پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی

ہیں یہاں تک کہ انہیں ہچکیوں کے سایہ میں موت کا فرشتہ ایکا ایکی آن کھڑا ہوتا ہے۔ کہ اے بیمار! تیری سانسوں کی گنتی پوری ہو چکی، تیری زندگی کے کتابچے لکھے جا چکے ہیں اب ان میں ایک شوشہ کا بھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تیرا دانہ پانی دنیا سے اٹھ چکا...... مگر آدمی امیدوں کا پتلا ہے وہ آخری سانس تک مایوس نہیں ہوتا۔ نزع کی آخری گھڑی تک یہی امیدی بندھی رہتی ہے کہ کیا عجب ہے کہ سانس جا کر پھر لوٹ آئے۔

بی بی آمنہ کو اپنے مرنے سے زیادہ غم اس کا تھا کہ میرے بعد میرے دل کے ٹکڑے محمدؐ کی خبر گیری کون کرے گا، پیدا ہونے سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں کی موت آئی جا رہی ہے، دنیا میں ہر بچہ کو ماں باپ ہی کا سہارا ہوتا ہے۔ انہی کی شفقت کے سہارے بچے پروان چڑھتے ہیں دوسرے عزیز رشتہ دار کتنی ہی غمخواری اور دلجوئی کیوں نہ کریں، ماں باپ کی محبت کی بات بھلا کہاں پیدا ہوتی...... یہی غم آمنہ کو مرتے مرتے کھائے جا رہا تھا۔ ام ایمن تسلی دیتیں، ڈھارس بندھاتیں کہ ام محمدؐ! اتنی ہراساں نہ ہو! تم اچھی ہو جاؤ گی۔ بیمار کو اتنا زیادہ پریشان نہ ہونا چاہیے! تندرست آدمی ہی بیمار ہوا کرتے ہیں۔ اور بیمار اچھے ہو جاتے ہیں سفر میں گھر کی طرح آرام نہیں ملتا، ہر منزل پر پانی بدلتا رہتا ہے۔ کہیں ہلکا کہیں بھاری، کہیں اس قدر میٹھا جیسے کسی نے مصری گھول دی ہے اور کسی جگہ اتنا کھاری گویا پانی میں نمک ہے! انہی باتوں نے تمہیں بیمار ڈال دیا ہے۔ اور کوئی بات نہیں ہے تمہارے چہرے پر بحالی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ام محمدؐ! بس اب دو چار دن میں تم اپنے کو اچھا ہوا سمجھو!

آمنہ کے چہرے پر بحالی آ گئی تھی...... مگر یہ سنبھالا تھا...... شادابی مرگ! تیمارداروں کے لئے یہ دھوکا بڑا دردناک ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار اچھا ہو رہا ہے اور بیمار مرتا ہوتا ہے...... بی بی آمنہ کی حالت بگڑنی شروع ہوئی اپنے لخت جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا...... آخری بار کچھ کہنا چاہا مگر

شدت نزع نے زبان کو سن کر دیا، دو چار کروٹیں لیں اور محمدؐ پردیس میں بے ماں کے رہ گئے۔ وہیں ابواء میں جہاں اب سے سات سال پہلے عبداللہ پیوند خاک ہوئے تھے۔ آمنہ بھی مدفون ہوئیں۔ محبت نے سچ مچ زمین کی طنابیں کھینچ دیں اسی جذبہ نے آمنہ کو مکہ سے کشاں کشاں بلا کر عزیز شوہر کی آرام گاہ میں جانثار بیوی کو بھی سلا دیا۔

محمدؐ نے اپنی زندگی میں یہ پہلا سانحہ دیکھا تھا......اور سانحہ بھی کتنا المناک ......ماں کی ابدی جدائی! وہ بھی کہاں پردیس میں! عزیز واقارب سے دور، بیکسی اور ناشناسائی کی موت! مکہ میں آمنہ مرتیں تو سینکڑوں ابنائے ہاشم جنازے کے ساتھ ہوتے، گھر گھر سے رونے والیاں آتیں اور یہاں ام ایمن کے سوا آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا......محمد کو روتا دیکھ کر ام ایمن نے بہت کچھ تسلی تشفی کی باتیں کیں مگر یتیم بچہ کیلئے ماں کے مرنے کا غم بڑا ہی دردانگیز ہوتا ہے۔ جس پہ گزرتی ہے۔ وہ ہی جانتا ہے۔

ام ایمن چند دن کے بعد یتیم و بیسر محمد کو لے کر مکہ آئیں، عبدالمطلب کو بہو اور پوتے کے آنے کا ہر وقت انتظار رہتا تھا، پوتا تو آ گیا مگر بہو نہ آئیں، نہ آسکیں، موت نے نہ آنے دیا۔ ابواء کی خاک دامن گیر ثابت ہوئی، آمنہ کا یہ سفر دراصل سفر آخرت تھا موت کو تو ایک بہانہ چاہیے......بنی ہاشم کے گھرانے میں کہرام برپا ہو گیا: عورتوں نے صف ماتم بچھا دی۔

......سید القریش! محمد کا اب تمہارے سوا کوئی نہیں ہے!......ام ایمن نے جھجکتے ہوئے انداز میں کہا

......ام ایمن کیا تو سمجھتی ہے کہ آمنہ کی یادگار اور عبداللہ کی نشانی یوں ہی بے حفاظت چھوڑ دونگا! محمدؐ میرے دل کا ٹکڑا اور میری بوڑھی اور سپید آنکھوں کی روشنی ہے۔ یہ حمزہ، عقیل ابوطالب، حارث، ابولہب اور عباس میرے بیٹے ہیں مگر رب کعبہ کی قسم محمدؐ ان سب سے مجھے

پیارا ہے! تم میری محبت کا اندازہ نہیں کر سکتیں ام ایمن! کاش! دل دکھانے والی چیز ہوتی!

قدرت جس کو بڑا بنانا چاہتی ہے اسے آزمائش کی بھٹیوں میں تپاتی اور غم والم کے خارزاروں سے گزارتی ہے، پہلے غموں سے قلت میں گداز پیدا کیا جاتا ہے۔ کہ اس گداز کو دوسروں کی غمخواری کے کام آنا ہے اور سانحے طبیعت میں نکھار پیدا کرتے ہیں، عیش و مسرت سے دنیا کی بڑی شخصیتوں کو جان بوجھ کر دور رکھا جاتا ہے۔ آلام و مصائب کے افق ہی سے عظمتوں اور بلندیوں کے آفتاب طلوع ہوا کرتے ہیں...... قدرت کی یہی سنت اور اس کا یہی دستور اور یہی مصلحت ہے!

ماں کے مرنے کے کوئی ایک سال بعد عبدالمطلب جو عبداللہ کے دریتیم کے کفیل تھے دنیا سے چل بسے، عبدالمطلب کو مرتے دم اس بات کا بڑا غم تھا کہ بے ماں باپ بچہ کی کفالت اب کون کرے گا۔ کاش! میں چند دن اور زندہ رہتا یہاں تک کہ محمدؐ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے!

عبدالمطلب کی اس آرزو پر قدرت مسکرا رہی تھی کہ ابن ہاشم! محمدؐ کو بے سہارا سمجھ کر غم کرتا ہے، اس یتیم جان کو روتا ہے، بوڑھے سردار! یہ یتیم تو یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا ہے۔ جس کے دنیا میں سارے سہارے ٹوٹ گئے ہوں اسے یہ ایک دن سہارا دے گا۔ یہ وہ ہے چاند ستارے اس کے اشاروں پر گردش کریں گے...... عبدالمطلب اطمینان کے ساتھ جان دے! محمدؐ کا غم نہ کر اس کی غمخواری کیلئے اس کا خدا کافی ہے۔

عبدالمطلب کے جنازے کے ساتھ اعیان قریش تھے سارے مکہ میں ان کی موت کا سوگ منایا رہا تھا، اظہار غم کے لئے کعبہ کے پردے کو الٹ دیا گیا تھا، دادا کے جنازے کے ساتھ یتیم پوتا بھی تھا...... عبدالمطلب جیسے شفیق دادا ہر کسی کو نہیں ملتے، دادا نے سچ مچ باپ بن کر ابن

عبداللہ کی پرورش کی، کمسن محمدؐ راستہ کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے عبدالمطلب کے جنازے کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے، عارض گلگوں پر آنسو کے موتی ڈھلک رہے تھے، اور فرط غم سے چہرہ مبارک اترا اترا سا تھا...... مگر اس سوگواری میں بھی وجہ مقدس اس نیم باز کلی کی مانند تھا جو شبنم میں ذرا ذرا بھیگ گئی ہو۔

غم کی صداقت جبیں ورخسار کے حسن کو ماند نہیں پڑنے دیتی بلکہ نکھار دیتی ہے۔

غمگسار چچا

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد محمد ﷺ کے چچا ابوطالب نے یتیم بھتیجے کو اپنی نگرانی اور کفالت میں لے لیا، قریش کہتے تھے کہ یتیموں کی، ان کے عزیز بس دنیا دکھاوے کیئے لئے ہی دلداری کرتے ہیں، حقیقی درد کسے ہوتا ہے! مگر ابوطالب نے ان کے اندیشوں کو غلط ثابت کر دیا، یہ قیاس آرائیاں ایک ایک کر کے واقعات نے جھٹلا دیں ابوطالب غمخوار نکلے جیسے ان کے دل میں پہلے ہی سے محمد ﷺ کے لئے جگہ تھی، باپ (عبدالمطلب) کے جیتے جی اس جذبہ کے اظہار کا موقعہ نہیں ملا اور باپ کا سایہ دور ہوتے ہی ابن اخی کفالت اور غمخواری کے لئے انگڑائی لے کے اٹھ بیٹھی۔

ابوطالب نے محبت اور شفقت کے آنسوؤں سے بھتیجے کے چہرے سے گرد یتیمی کو دھویا، ہر طرح کی غمخواری کی دلدہی کے تمام بہتر اسباب صرف کر دیئے، اپنے بچوں سے زیادہ شفقت اور راحت کے ساتھ پالا، عبداللہ کے دریتیم کی ذرا سی بے چینی بھی غمخوار چچا کو گوارا نہ تھی۔ محمد ﷺ کے پیر میں ذرا سا کانٹا بھی چبھتا تو اس کی کھٹک ابوطالب کا دل محسوس کرتا...... یہ حالت دیکھ کر اہل مکہ کہنے لگے، بھئی! ابوطالب آخر سید القریش عبدالمطلب کا بیٹا بلکہ صحیح وارث

اور جانشین ہے۔ اس سے اسی قسم کی شریفانہ برتاؤ کی توقع تھی، پھر محمد ﷺ کوئی غیر نہیں ہے ابوطالب کا خون اور گوشت پوست ہے...... اور پھر بچہ بھی کیسا؟ کہ غیر دیکھ کر نہ صرف پیار بلکہ احترام کرتے ہیں، اس یتیم کی خدمت کر کے ابوطالب اپنے لئے خیر وسعادت کا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ عربوں کی زندگی سیدھی سادی تھی، تہذیب وتمدن کے تکلفات سے وہ یکسر ناآشنا تھے، اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے جنگلوں میں جاکر اونٹ اور بکریاں چراتے، گلا بانی عربوں کا محبوب شغل تھا اور باعزت بھی۔ محمد ﷺ نے بھی مکہ کے جنگلوں میں بکریاں چرائیں۔ مسرت مکہ کے ببولوں کی ایک ایک پتی سے بول رہی تھی کہ آج ان وادیوں میں جو بکریاں چرا رہا ہے کل یہی انسانیت کے گلے کی نگرانی کرے گا۔ داعی غم حقیقت داعی انسانیت ہے جو اس کے گلہ میں آجائے گا، اسے فلاح ملے گی اور جو اس کی کڑی اور جماعت سے باہر ہوجائے گا اس کے لئے شقاوت وگمراہی مقدر کردی جائے گی۔

عرب یوں بھی حضارت وتمدن سے آشنا نہ تھے، بچے لوگوں میں ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے سے دوسرں کا اثر قبول کیا کرتے ہیں تو اس کے لئے قدرت نے یہ انتظام کیا کہ محمد ﷺ کے بچپن کے دن جنگل میں بسر ہونے لگے، خالق کائنات نے گوارا نہ کیا کہ محمدؐ کی سیرت وکردار پر سوسائٹی کی پرچھائیں بھی پڑنے پائے، محمدؐ کی لوح فطرت پر خود قدرت نے نقش ابھارے۔ اس لئے کہ خدائے پاک وبرتر نے اس کو دنیا سے کچھ سیکھنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کو سکھانے کے لئے بھیجا تھا...... وہ ''امی'' تھا مگر خدا کا پڑھایا ہوا! قدرت کسی واسطہ اور درمیانی رابطہ کے بغیر خود اس کی تربیت کر رہی تھی، اس کو براہ راست عالم قدس سے فیض پہنچتا تھا۔

ہر قوم اور ملک کے بچے شوخ وشریر ہوتے ہیں اور یہ تو ان عربوں کے بچے تھے جن کے گھر کے لوگ بات بات پر کٹ مرتے، کسی کا اونٹ دوسرے کی چراگاہ میں آگیا اور اتنی سی بات

پر تلواریں چلنے لگیں، ایسے والدین کی اولاد کو لڑاکا اور جھگڑالو ہونا منفرد تھا، اس اندھیرے میں یہی ایک چراغ اور اس خارزار میں یہی ایک گل صد برگ تھا، بچوں کے ساتھ کھیلنے سے محمدؐ کی طبیعت نفرت کرتی تھی، کوئی فحش کلامی کرتا تو آپؐ دور چلے جاتے، برے لفظ سننا تک گوارا نہ تھے، زیادہ سے زیادہ اتنا کرتے کہ ساتھی چرواہوں کے ساتھ خودرو جھربیریاں توڑ کر کھالیں اور اس میں بھی متانت اور وقار کا خیال رکھتے۔

......صاحب! یہ عبداللہ کا بیٹا محمدؐ تو فرشتہ صفت ہے۔ ہم نے آج تک اسے دوسرے بچوں کی طرح لڑتا جھگڑتا اور سخت کلامی کرتے نہیں دیکھا۔

اجی! آپ لڑنے جھگڑنے کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے اس معصوم کو کھل کھلا کر ہنستا نہیں دیکھا، بس زیر لب تبسم! گلیوں سے آنکھیں نیچی کیے گزرتا ہے......

ایہا القریش! یہ بچہ بہت بڑا آدمی بننے والا ہے ...... آثار کہہ رہے ہیں کہ بتا رہے ہیں، بول رہے ہیں! کیا عجب ہے کہ اس کی بدولت ہم بادیہ نشینوں کی تقدیر کا ستارہ چمک جائے اور اہل عرب کے عظمت و وقار پر مصر و ایران والے رشک کرنے لگیں۔

)(ایک بوڑھا قریشی) مگر صاحب! محمدؐ کا تیر اندازی اور شہسواری میں ہم میں سے کسی کا نوجوان بیٹا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کا نشانہ خطا ہی نہیں ہوتا اور گھوڑے پر بیٹھ کر تو ایسا سجتا ہے جیسے انس نے عکاظ اور ذوالمجنہ کی گھوڑ دوڑ میں شہسواران نجد و حجاز کو نیچا دکھایا ہے۔

......(ایک ریش دراز شخص جس کے گریبان میں خانہ کعبہ کے پردے کا پیوند لگا تھا) میں نے تو اس سے زیادہ عجیب باتیں سنی ہیں۔ ...... (کیا وہ کیا؟ تمام اہل محفل شوق و انتظار کے ساتھ یک زبان ہو کر بول اٹھے) میرا چھوٹا لڑکا فضل کہہ رہا تھا اور اس کی بات کی تصدیق عمارہ کے بھانجے اشعث نے بھی کی کہ محمدؐ جس درخت کے پاس سے گزرتا ہے ڈالیاں

جھکنے لگتی ہیں۔ پتھروں سے آوازیں سی نکلتی ہیں جیسے کوئی کسی کو سلام کرتا ہے۔

......(ایک شوخ نوجوان) تم لوگوں کی باتیں بہت دلچسپ ہیں مگر آؤ شراب کا ایک ایک پیالہ چڑھالیں لطف دوبالا ہوجائے گا۔ نوجوان کے کہنے پر فضا میں قہقہے گونجنے لگے۔ مگر سنجیدہ لوگوں کو نوجوان کا یہ مذاق اچھا نہ لگا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ گفتگو اور طول کھینچتی تو اچھا تھا۔

ابوطالب تجارت کیا کرتے تھے، سال میں ایک بار شام جاتے اور کاروبار کر کے چلے آتے ،مکہ کا مال شام کی منڈی میں لے گئے وہاں سے ضرورت کی چیزیں لا کر یہاں بیچ دیں، اس الٹ پھیر میں گزراوقات کے قابل نفع ہوجاتا مگر کنبہ بڑا تھا، پھر دل کے سخی اور فیاض تھے ......عبدالمطلب جیسے سیر چشم اور کشادہ دست کے بیٹے کو ایسا ہونا ہی چاہیے تھا......اس لئے کھاپی کر کچھ نہ بچتا تھا۔

ابوطالب جب شام جانے لگے تو محمدؐ کی عمر بارہ برس کے لگ بھگ تھی ۔ ابوطالب یتیم بھتیجے کو بہت عزیز رکھتے تھے مگر اس سفر میں ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ خیال آیا تھا کہ دور دراز کا سفر ہے، راستہ میں سبزہ زار اور دریا کے مناظر نہیں ہیں جو بچہ کا دل بہلتا رہے۔ لق ودق صحرا ،کوسوں تک آبادی کا نام ونشان نہیں، منزلوں تو پانی نہیں ملتا......اور یہ بھی وہم تھا کہ شام کا سفر اس کے باپ عبداللہ کو بھی نہیں راس آیا، دشمنوں کے منہ میں خاک کہیں محمدؐ کے ساتھ بھی ایسا حادثہ پیش نہ آجائے، عبداللہ بھی نوجوان دلہن کو چھوڑ کر اچھے خاصے شام گئے تھے مگر پردیس میں زندگی نے دھوکا دے دیا، اور محمدؐ کی تو مسیں بھی نہیں بھیگیں، ان صعوبتوں میں اسے لے جانے پر دل راضی نہیں ہوتا۔

ابوطالب مکان سے چلنے لگے تو محمدؐ چچا سے لپٹ گئے، محبت مصلحت پر غالب آگئی یتیم بھتیجے کی افسردگی شفیق چچا سے نہ دیکھی گئی۔ کمسن مسافر کو ساتھ لے لیا اور چھوٹا سا قافلہ مکہ سے

شام کے لئے روانہ ہوگیا، ابوطالب کا گمان تھا کہ محمدؐ کو راستہ میں سنبھالنا پڑے گا۔ مگر محمدؐ میں نہ خود اپنے سنبھالنے کی طاقت تھی بلکہ چچا کا بھی ہاتھ بٹایا۔۔۔۔۔۔۔ انتہائی مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ! یہ رفاقت ابوطالب کے لئے بہت آرام دہ ثابت ہوئی۔

اس سفر میں مختلف منزلوں، وادیوں اور راہوں سے گزرنا پڑا، کہیں ریت ہی ریت، کسی جگہ پتھریلے راستے اور پہاڑیوں کے دامن کہیں نخلستان اور ہریالی بھی! صبح کسی چشمہ پر ہوئی اور شام ریگستان میں! کسی پڑاؤ پر آرام ملا اور کسی منزل پر انتہائی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، حجاز کی حدود سے باہر عبداللہ کے دریتیم کا یہ سب سے پہلا سفر تھا اور وہ بھی اتنا طویل اور دشوار گزار! سفر میں بچے ساتھ کے لوگوں پر بار ہو جاتے ہیں۔ مگر محمدؐ کی ہوشمندی رفقاء سفر کے لئے معجزے سے کم نہ تھی۔ بصرہ شام کا مشہور شہر تھا اور اس کے قریب ہی ایک گاؤں میں ایک صومعہ تھا جسے آس پاس کے لوگ بہت مقدس اور متبرک سمجھتے تھے، اسی صومعہ میں بحیرہ نام کا ایک راہب رہتا تھا، بحیرہ کو نصاریٰ میں خاص منزلت اور تقدس حاصل تھا، اس راہب کا احبار میں شمار ہوتا تھا انجیل کے علاوہ توریت کے مضامین پر بھی اس کی نگاہ تھی اور صحف سماوی پڑھ پڑھ کر ظاہر ہونے والی روشنی اور آنے والی روح حق کا منتظر تھا۔

صومعہ کے قریب ہی ابوطالب نے اپنے اونٹوں کے ساتھ قیام کیا چچا اور بھتیجے دونوں درخت کے سایہ میں زمین پر بیٹھے تھے، بحیرہ بھی پھرتا پھراتا ادھر آنکلا اور محمدؐ چہرے کو غور سے دیکھنے لگا، اس کی ٹکٹکی بندھ گئی جیسے نظارے کے ساتھ ساتھ حافظہ کے نقوش سے نظر آنے والی نشانیوں کی مطابقت کرتا جاتا ہے۔

محمدؐ خاموش بیٹھے تھے، بحیرہ اور قریب آیا اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی گویا حقیقت منتظرا سے نظر آگئی، اپنی تمام تقدیس دین اور شرف رہبانیت کے باوجود عقیدت کے

ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

......توریت وانجیل پر میں نے برسوں غور کیا ہے! اس میں ہم نے جو نشانیاں پڑھی ہیں کہ ایک روح حق کا ظہور ہوگا، وہ نشانیاں تمام کی تمام اس نونہال میں پائی جاتی ہیں، میں اس کی نبوت کی بعثت سے پہلے ہی تصدیق کرتا ہوں نہ جانے اس وقت تک میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔

عیسائی مورخین نے اپنی روایتی اسلام دشمنی کی بنا پر اس موقعہ کو انتہائی مسخ کر کے پیش کیا ہے اور کذب اور غلط بیانیوں کا انبار لگا دیا ہے۔ مغربی اہل تاریخ کی اسی عصبیت اور بداندیشی کی بدولت اسلام کے اصلی خدوخال یورپ والوں کے سامنے نہ آسکے۔ انہوں نے اپنے مورخین کی کتابوں پر اعتماد کیا اور اس گندے تالاب سے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بالکل جھوٹی اور بے سرا پا باتیں مشہور ہوگئیں اور اب تک یہ زہر مغرب کے رگ وپے میں سریت کئے ہوئے ہے۔ کئی مہینے کے بعد ابوطالب اپنے کمسن رفیق سفر کو لے کر مکہ واپس ہوئے۔ اتنے لمبے اور دشوار گزار سفر سے خیروخوبی کے ساتھ واپسی پر عزیزوں اور دوستوں کو خوش ہونا ہی چاہیے تھا، ابوطالب کے کئی دن تو لوگوں سے ملنے ملانے اور حالات سفر بیان کرنے میں صرف ہوگئے۔......کوئی پوچھتا کہ شام کی سرحد شروع ہونے سے دو تین منزل ادھر جو تالاب آتا ہے وہ اسی حالت میں ہے یا خشک ہوگیا، کسی نے دریافت کیا کہ ابوطالب! میرا اونٹ عریضہ کی وادی میں گم ہوگیا تھا کہیں آپ کو وہ گھومتا پھرتا دکھائی تو نہیں دیا۔ کسی نے بھیڑوں کی اون کا بھاؤ دریافت کیا تو کوئی شام کی منڈی کا حال چال پوچھنے لگا، کسی نے کہا اب کی بار آپ شام کی منڈی جائیں تو غلہ کا ایک اونٹ میں آپ کے ساتھ کردوں گا۔ آپ کی کوشش اور توجہ سے غلہ اچھے داموں بک جائے گا

......ابوطالب بہت ہنس مکھ اور بردبار تھے سب کی باتوں کا جواب دیتے اور ترش روئی کا اظہار نہ کرتے، ان کی جگہ کوئی اور تیز مزاج ہوتا تو خفا ہو جاتا۔

زمانہ پلک جھپکاتے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، وقت کی رفتار شاید بجلی سے بھی زیادہ سریع ایسر ہے ادھر دن نکلا اور ادھر دوپہر ہوگئی اور پھر دیکھتے دیکھتے دوپہر ڈھل گئی شام کا دھندلکا اپنے جلو میں لیلیٰ شب کو لئے ہوئے آن پہنچا، یہاں تک کہ رات ہوگئی......اور اس کے بعد پھر وہی سپیدۂ سحر اور روزمرہ کی طرح سورج کی تاک جھانک!

راز ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے
زیست ایک سلسلہ شام و سحر ہوتی ہے

طلوع وغروب اور دھوپ چھاؤں کے اسی عالم میں آدمی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے، کہنے کو ایک مہینہ کی مدت بھی بہت کچھ ہوتی ہے مگر حقیقت میں قرن اور صدیاں بھی یوں ہی ہنگاموں کے گریز پا سایہ میں بیت جاتی ہیں بہت کم آدمی وقت کی رفتا کو محسوس کرتے ہیں حالانکہ زندگی کا ہر گزرنے والا لمحہ آدمی کو موت سے قریب تر کر دیتا ہے۔ یہی سانس جو آدمی کا سبب حیات ہے زندگی کو موت کی طرف بڑھائے بھی لئے جاتا ہے۔ یہ سالگرہوں کے جشن ہائے مسرت اور خوشی کے جلسے اصل میں موت کے خیر مقدم کے جشن ہیں، آدمی تمام کچھ ہوش آگہی کے باوجود کیسے کیسے دھوکوں میں آجاتا ہے۔

آدمی نشہ غفلت میں بھلا دیتا ہے
ورنہ جو سانس ہے پیغام فنا دیتا ہے

بہرحال اسے زندگی کا ظہور کہئے یا موت سے نزدیکی، قانون فطرت انسانوں کو بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا بناتا ہی رہتا ہے، اسی سہارے نظام کائنات قائم ہے۔

☆حسن و جمال☆

عبداللہ کے یتیم محمدؐ بھی قانون فطرت کے مطابق جوان ہو گئے۔ وہ جسمانی اعتبار سے بھی انتہائی صحت مند متناسب الاعضاء اور حسین و جمیل تھے...... سپیدی میں سرخی ملی ہوئی رنگت، دل میں گھر کرنیوالی حسین و سیاہ آنکھیں، کشادہ پیشانی، موزوں قد اور وہ سب کچھ جسے حسن و جمال کی معراج اور دلکشی و رعنائی کا منتہائے کمال کہہ سکتے ہیں۔ کسی آدمی کے قد و قامت کی بہت سے بہت تعریف ان لفظوں میں کی جا سکتی ہے کہ "وہ سرو قد اور شمشاد قامت" ہے مگر محمدؐ کے قد موزوں کو یہ تشبیہیں اور استعارے چھو بھی نہیں سکتے۔

ترا چو سرو نخوانم کہ سرو سر تا پا
ہمہ تن است و تو از پائے تا بسر جانی

لالہ و گل، یاسمین و نسترن، سنبل و نرگس، آفتاب، ماہتاب، لعل یمن، در عدن، مشک ختن، عنبر سارا، تبسم سحر اور شگفت غنچہ۔

انسان کے حسن و جمال اور اس کی خوبی و رعنائی کے یہ تمام استعارے ہیں مگر محمدؐ کے جمال کی شرح و تفسیر کے لئے یہ سب کے سب استعارے ناتمام اور ادھورے اور تشبیہ و مماثلت کی سطح سے بہت فروتر ہیں۔

رخ مصطفیٰؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

جہاں شعر و ادب کی ان ستعاروں اور تشبیہوں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے تو محمدؐ کے حسن و خوبی کا آغاز ہوتا ہے۔ محمدؐ آپ اپنا جواب ہیں۔

دونوں جہاں آئینہ دکھلا کے رہ گئے

لانا پڑا تمہی کو تمہاری مثال میں

قدرت نے محمدؐ کو ''انسان کامل'' بنا کر بھیجا تھا، پس اس کی ضرورت تھی کہ باطن ہی نہیں ظاہر بھی حسین ترین ہو، حسن سیرت کے ساتھ صورت بھی خوب تر ہونی چاہیے، دل سے نگاہ تک روح سے جسم تک اور سر سے پیر تک حسن ہی حسن، پاکیزگی ہی پاکیزگی اور دل کشی ہی دلکشی ہونا لازم اور ضروری ہے، اس لئے کہ:۔

بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

''انسان کامل'' کو سیرت وصورت، جسم وروح اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے خوبی وکمال ''معیار آخر'' ہونا چاہیے اور محمدؐ اس کے صحیح مصداق تھے:۔

ہم چو توں چو باز نیئے سرتا بپا لطافت

گیتی نشاں نداده ایز دنیا فریده

جوانی کا زمانہ گزرنے کے بہت دن بعد جابر بن سمرہ ایک صحابی نے محمدؐ کو سرخ حلہ میں دیکھا ، چاند بھی اس رات پوری تابانی پر تھا۔ وہ بہت دیر تک ماہ عرب اور بدر کامل میں مقابلہ کرتے رہے، بالآخر انہیں فیصلہ کرنا پڑا اور نگاہیں زبان بن کر پکار اٹھیں کہ یہ گھٹنے بڑھنے والا چاند محمدؐ کے حسن فراواں کی کسی طرح برابری نہیں کرسکتا۔

فروغ مہر بھی دیکھا نمود گلشن بھی

تمہارے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے

المانیہ (جرمنی) کا مشہور شاعر نیٹشے جسے اقبال نے ''مجذوب فرنگی'' کہا ہے ساری عمر ''مافوق الانسان'' کی تلاش میں بھٹکتا رہا، کاش! اسے کوئی بتاتا کہ ''انسان کامل'' تو پیدا ہو چکا ہے ''نقاش قدرت نے اسے شاہکار نقش کے بنانے میں اپنی تمام چابک دستی نازکی اور صنعت صرف کردی

،اس دنیائے آب وگل میں سارے انسان پیدا ہوتے آئے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن ان میں انسان کامل بس یہ اور صرف یہ ایک ہی پیدا ہوا، حسن وخوبی اور کمال و بلندی کی اس کی ذات پر انتہا ہوگئی، اب دنیا میں جس کسی کو بھی عروج نصیب ہوگا اور ترقی ملے گی وہ 'انسان کامل' اور روح حق کے اسوہ حسنہ کی پرچھائیوں پر ملے گی۔

محمدؐ عربی کابروئے ہر دوسراست
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

☆ جاہلیت کے افق پر! ☆

جس زمانہ میں محمدؐ ابن عبداللہ جوانی کی منزلوں سے گزر رہے تھے تمام دنیا کا ماحول انتہائی خراب، گندہ پست سیرت واخلاق کے اعتبار سے مریض اور خدا ناشناس تھا...... بھارت ورش جہاں کبھی گیان دھیان اور ویدانت سندر دیپک جلتے تھے، سانپوں برگد اور پیپل کے درختوں کے آگے سیس نوا رہا تھا، ایران میں آگ کے ساتھ ساتھ خیر وشر کے خداؤں کی پوجا ہوتی تھی ،چین کنفیوشس کے فلسفہ اوہام میں الجھا تھا، مصر و یونان میں دیویاں اور عقول عشرہ خدا کے شریک کار سمجھے جاتے اور سارا مغرب انتہائی جہالت بلکہ نیم حیوانیت کے عالم میں زندگی بسر کر رہا تھا۔

عرب جہاں خدا کے برگزیدہ نبی ابراہیمؑ نے اپنے فرمانبردار اور سعید بیٹے اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر صرف خدائے وحدہ ویکتا کی پرستش کے لئے مقدس گھر بنایا تھا اور توحید الٰہی کا غلغلہ بلند کیا تھا، وہاں پتھر کے خود تراشیدہ بتوں نے خدا کی جگہ لے لی تھی......اس مقام پر پہنچ کر عرب

کی تاریخ کا ایک واقعاتی پس منظر قلم کے واسطہ سے کاغذ پر آنے کے لئے بیتاب ہے……

حضرت اسمٰعیلؑ نے مکہ کے بنو جرہم قبیلہ میں شادی کی تھی اور یہی ان کے سسرال والے کعبہ کے متولی بن گئے اور بہت دن تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے، مگر آگے چل کر زمانہ نے پلٹا کھایا، حالات بدل گے اور کعبہ کی تاریخ نے پچھلے ورق کو موڑ دیا……مکہ کا ایک باشندہ ربیعہ جو تاریخ میں عمر بن لحی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے بہت زور پکڑ گیا، آدمی دولت مند تھا اس لئے اس کے بیسیوں ہوا خواہ پیدا ہو گئے اپنے گھرانے کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی اس نے اپنے ساتھ ملا لئے اور اسطرح بنو جرہم کے خلاف محاذ قائم کر دیا……

بنو جرہم اس سازش سے بیخبر۔ ایکا ایکی ان پر جو حملہ ہوا تو بیچاروں کے پاؤں اکھڑ گئے ، بنو جرہم کو لڑ کر کعبہ سے نکال دیا گیا اور جرہم کی اولاد سے عمرو بن لحی نے یہ شرف و امتیاز آخر کار چھین لیا، عمرو بن لحی اب کعبہ کا متولی تھا اور اس طرح مذہبی منزلت بھی اسے حاصل ہو گئی۔

مکہ والوں کی سب سے بڑی تجارت گاہ شام کا ملک تھا، قافلے کے قافلے مال بیچنے اور خریدنے کے لئے آئے دن شام آتے جاتے رہتے ، بنو جرہم کا حریف عمرو بن لحی تجارتی کاروبار کرتا تھا، ایک بار وہ شام گیا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ بتوں کو سجدہ کر رہے ہیں ، کوئی ہاتھ باندھے کھڑا ہے اور پتھر کی مورت کو انتہائی عقیدت کے ساتھ چوم رہا ہے، یہ جدت اور نئی بات عمرو کو اچھی لگی۔

……آپ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں……عمرو نے دریافت کیا

پرستش کر رہے ہیں اپنے خداؤں کی!……شام کے بت پرستوں نے جواب دیا

……پرستش! اور ان پتھر کی مورتوں کی، کیا کہہ رہے ہیں

آپ!……عمرو نے حیرت انگیز لہجہ میں کہا

......ہمارے معبودوں اور حاجت رواؤں کو پتھروں کی مورت کہہ کر ان کی تحقیر نہ کرو......ان لوگوں نے جواب دیا۔

......اس پرستش سے تمہیں کیا فائدہ ملتا ہے؟

عمرو بن لحی نے پوچھا

......یہ داستان بہت لمبی ہے اس کے لئے فرصت کی ضرورت ہے، مختصر یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود آڑے وقت میں ہمارے کام آتے ہیں، دشمن سے خونریز جنگ ہورہی ہے ہم نے ان کو پکارا اور ان کی دہائی دی ،بس آن کی آن میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا اور فتح و نصرت کا سہرا ہمارے سر رہا، انہیں کی برکت سے مینہ برستا ہے اور قحط دور ہوجاتا ہے یہ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور......شام کے بت پرستوں کی بات کاٹ کر عمرو انتہائی بے تابی کے ساتھ بولا:۔

تو صاحبو! ان میں سے دو چار معبود مجھے بھی عنایت فرمادیجئے ، ہمارے ملک میں آئے دن قحط پڑتا رہتا ہے اور دشمنوں سے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، میں مکہ میں مزید وبا چھوڑ کر آیا ہوں آپ کی اس مہربانی سے ہمارا بھلا ہوجائے گا......عمرو بن لحی کی درخواست پر اہل شام نے چند بت اسے دے دیئے۔

اہل مکہ اب تک بت پرستی سے قطعاً نا آشنا تھے۔ان کے کانوں میں تو سدا نغمہ توحید گونجتا رہا مگر عمرو بن لحی نے شام سے واپس جا کر پروپیگنڈا کیا کہ شام کے بڑے بڑے امیروں ،سرداروں، عالموں،اور راہبوں کو بت پرستی کرتا دیکھ کر آیا ہوں، انہیں بتوں کی برکت سے شام میں ہر طرح کی آسائش اور راحت پائی جاتی ہے اس ظالم نے شام کے افسانوں کو اور نمک مرچ لگا کر بیان کیا، بولا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مطلع بالکل صاف تھا،خوب دھوپ چمک رہی تھی کہ اتنے میں شام کے ایک سردار نے بت کے سامنے سجدہ کر کے پانی برسنے کے

لئے دعا کی اور بس اتنی سی دیر میں کہ اسکا سر سجدے سے اٹھا، دھواں دھار بارش ہونے لگی (اہل مکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہیں کہ عمرو بن لحی ہماری پریشانیوں کا مداوا شام سے لے کر آ گیا ہے) میں بڑی منت سماجت کر کے یہ بت تم لوگوں کے لئے لایا ہوں، ان کی پرستش سے سارے دکھ دور ہو جائیں گے، اب ہم جب چاہیں گے آسمان سے مینہ برس جایا کرے گا اور جس بات کی تمنا کی پوری ہو کر رہے گی۔

جسمانی آسائش، تن کی راحت اور پیٹ پوجا کا لالچ بہت برا ہوتا ہے، اہل مکہ کے دل میں اس کی باتیں گھر کر گئیں اور مکہ میں بتوں کی پوجا شروع ہو گئی۔ مکہ تمام عرب کا مرکز تھا، حج کے موقعہ پر اکناف و اطراف کے لوگ وہاں آتے تھے، مکہ والوں کو بت پرستی کرتے دیکھ کر ان کو بھی ترغیب ہوئی اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام قبائل عرب میں بت پرستی پھیل گئی یہاں تک کہ خود خانہ کعبہ میں بت رکھ دیئے گئے اور ان کی دیواروں پر تصویریں بنا دی گئیں، انسانی فطرت کی بہت بڑی کمزوری ہے کہ "جدت" اور "بدعت" کی طرف طبیعت بہت جلد مائل ہو جاتی ہے حالانکہ بہت سی نئی چیزیں اور جدت طرازیاں انتہائی گمراہ کن اور انسانی معاشرت کے لئے سخت مضر بلکہ قاتل ہوتی ہیں۔

شرک جو پھیلنا شروع ہوا تو مکہ کا ایک ایک گھر بت خانہ بن گیا، نہ صرف قبیلہ اور خاندان بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا جدا بت تھا تو ہم پرستی اور جہالت و نادانی کی انتہا ہے کہ سفر میں پتھروں کے بت ساتھ لے جانے میں چونکہ دقت ہوتی تھی اس لئے بعض لوگ ستو کی مورتیں بنا کر اپنے ساتھ رکھ لیتے۔ انہیں پوجتے اور جب ضرورت پیش آتی تو ستو کو بنے ہوئے خداؤں کو گھول کر پی جاتے۔

یمن میں کواکب پرستی کا زور تھا، حمیر کا قبیلہ سورج کی پرستش کرتا تھا، کنانہ کا ماہتاب خدا تھا

اور اسی طرح دوسرے قبیلوں اور علاقوں میں عطارد اور زہرہ ومشتری کی پوجا ہوتی تھی، کہانت جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکوں اور جادو کی بھی خوب اشاعت تھی، دل ودماغ پر شرک پوری طرح چھایا ہوا تھا، خدا پرستی کے تصورات رخصت ہدایت کی روشنی سے یکسر محروم ہوگیا تھا...... انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی اور گراوٹ خدا ناشناسی اور اپنے خالق ومعبود سے دوری اور بیگانگی ہے!

یہ تو عرب کے مذہب اور معتقدا کا عالم تھا، اب رہے اخلاق تو ایک ناخدا شناس قوم جو آخرت کے محاسبہ اور عقوبت کے تصور سے یکسر عاری اور نابلد ہو، اس کو بداخلاق اور معصیت آلودہ ہونا ہی چاہیے، جہاں اس خیال پر زندگی کی بنیاد ہو کہ کھایا پیا چین کئے مزے اڑائے اور جب وقت آیا مر گئے، پھر نہ کوئی زندگی ہے، اور نہ کسی کی باز پرس! بس جو کچھ ہے یہی عالم کون وفساد اور دنیائے رنگ وبو کی زندگی ہے...... وہاں پاکبازی اور نکوکاری کی جگہ فسق وفجور اور سیاہکاریاں پائی جائیں تو اس میں حیرت کی کیا بات۔

عرب بہت شجاع، بہادر، جری، اور بیباک تھے مگر شجاعت کا سارا زور آپس کی خونریزیوں اور معرکہ آرائیوں میں صرف ہوتا تھا، کسی شخص کا اونٹ دوسرے کی چراگاہ میں چلا گیا بس اتنی بات پر خون خرابہ ہوگیا، گھوڑ دوڑ میں کسی کا گھوڑا دوڑ شروع ہوتے وقت مقررہ حد سے ذرا آگے نکل گیا اس پر تلواریں نیام سے نکل آئیں اور انسانوں کے خون سے زمین لالہ گوں ہوگئی پھر ان لڑائیوں کا سلسلہ انتقام در انتقام کی صورت اختیار کرلیتا اور صدیوں تک قبیلوں میں چشمک رہتی۔

خون ریزی اور قتل وغارت گری عربوں کے لئے ایک کھیل تھی انسانی جان کی نگاہ میں کوئی قدر قیمت ہی نہ رہی تھی، جیسے درختوں کی ڈالیاں اور گھاس کی پتیاں بے دریغ کاٹ دی جاتی ہیں بالکل اسی طرح وہ شقاوت پیشہ بھی ایک دوسرے کا گلا گھونٹ کر کسی قوم کی پشیمانی وندامت

وافسوس کا اظہار نہ کرتے تھے...... انسانوں کے جسم ان کے نزدیک مٹی کے گھروندے تھے کہ جب چاہا انہیں توڑ پھوڑ ڈالا۔

شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، شرابیں پی کرناچتے، گانے بجاتے اور بدمستیاں کرتے، ساغر و مینا اور بادہ وشاہد ان کی زندگی بن گئے تھے، ان کے ایک مشہور شاعر کو جب قتل کی سزا تجویز ہوئی اور اس سے پوچھا گیا کہ تم کس طرح قتل ہونا چاہتے ہو تو اس نے تمنا ظاہر کی کہ خوب شراب پی کر جب میں انتہائی مست و بیخود ہو جاؤں تو میری فصدین تیز اور گہرے نشتر سے کھول دینا، یہاں تک کہ خون ٹپکتے ٹپکتے مجھ میں جان باقی نہ رہے، ان میں ایسے شقی القلب بھی تھے جو اپنے دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد ان کی کھوپڑیوں میں مزے لے لے کر انتہائی فخر و غرور کے ساتھ شراب پیتے۔

قمار بازی اہل عرب کا محبوب شغل تھا، لوٹ مار، چوری بد دیانتی، حیلہ گری، وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کو وہ ''آرٹ'' سمجھتے تھے، ایک دوسرے کو دھوکا دیتے، جھوٹی قسمیں کھاتے، عہد و پیمان کرتے اور توڑ ڈالتے، قافلوں کو لوٹتے، یتیموں کا مال ناجائز ہاتھ سے دبا لیتے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام برائیوں کے باوجود ان کا دعویٰ تھا کہ ساری دنیا میں بس وہی عزت و شرافت کے مالک ہیں۔

وہ غیور تھے مگر ان کی غیرت انتہائی شقاوت اور سنگ دلی کے سانچے میں ڈھل گئی تھی، لڑکی کا بیاہنا ان کے نزدیک عار و سمجھا جاتا تھا، قانون فطرت سے وہ اس طرح جنگ لڑتے کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کر دیتے، سینکڑوں، ہزاروں جانیں اسی جاہلانہ غیرت اور شقاوت کی بھینٹ چڑھ گئیں مائیں اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی چھپانے کی کوشش کرتیں مگر یہ درندے ان کے دھڑکتے سینوں سے پھول سی بچیوں کو چرا کر زمین میں گاڑ دیتے

،مامتا دیکھتی رہ جاتی۔

عربوں کے میلوں ٹھیلوں میں کھیل، کود، تفریح فحش کلامی اور عریاں شعروشاعری کا مظاہرہ ہوتا، ان کی شاعری گویا اس زمانہ کا ''ادب لطیف'' اور ترقی پسند ادب'' تھا جنسی نفسیات کی شرمناک تفسیر، ہوس ناکی کو ابھارنے والے خیالات، فحاشی اور عریانی کی ترجمانی، خلوت وتنہائی کی ان باتوں کا ذکر جو واقعیت کے باوجود اظہار کے قابل نہیں ہوتیں اور شرافت ایک لمحہ کے لئے اسے برداشت نہیں کرسکتی۔...... جو شعراء نسبتاً سنجیدہ تھے وہ اپنے قصیدوں میں نسل ونسب کے تفاخر کا ذکر کرتے اور اس طرح قبائل میں جذبات کی آگ بجھنے نہ پاتی، ان کی رجز خوانی قبائل عصبیت اور نسلی منافرت کو شعلہ سوزاں بناتی اور ان کی نظموں سے رقابت کے آتش فشاں سچ مچ آگ اگلنے لگتے۔

بدکاری اہل عرب میں عام تھی، ہوس ناکی کے عملی اظہار میں انہوں نے عاد وثمود کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔عورت ان کے نزدیک صرف تسکین وہوس کا ذریعہ تھی چھپی ہوئی آشناؤں سے لیکر کھلے ہوئے ناجائز تعلقات کی گرم بازاری تھی، سوتیلی مائیں تک ان کی ہوس رانیوں کی آماجگاہ تھیں۔اور ان بے حیائیوں پر وہ شرمانے کی بجائے الٹا فخر کرتے، برائیاں ان کا مزاج اور جبلت بن چکی تھیں۔ان کی جلوتیں اور خلوتیں فحش کاری سے معمور تھیں، عصمت وعفت کی قدروقیمت پہچاننے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہی تھی۔آدمی کے بھیس میں حیوان، درندے، اور شیطان بھی......شیطان نے صرف ایک سجدے سے انکار کیا تھا اور یہاں پر پوری زندگی انکار والحاد اور عصیان وفجور میں بسر ہوتی تھی۔

جوانی

اتنے گناہ آلود ماحول، بری سوسائٹی اور مذموم گردوپیش میں محمدؐ کی جوانی کا آغاز ہوا قدم قدم

پر فتنوں کا ہجوم اور برائیوں کا جمگھٹا تھا۔ نفس کی رغبت، الجھاؤ اور میلان کے لئے ہر قسم کی سہولتیں موجود تھیں۔ میخانے بھی تھے اور شاہدان سیمین بدن کے خلوت کدے بھی، قمار خانوں کی بھی کثرت تھی اور نغمہ ورقص کی بھی بہتات! وہاں فحش کاری کے اڈے بھی تھے اور بداخلاق کے مرکز بھی جس طرف جایئے برائیوں کے پھندے لگے تھے اور بدچلنی کے دام بچھے تھے چھوٹے بڑے، مرد عورتیں سب کا ایک ہی رنگ تھا۔

اس سراپا معصیت ماحول میں عبداللہ کے در یتیم محمدؐ نے انتہائی تقویٰ، طہارت پاکیزگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ دور جوانی اور عہد شباب گزارا، وہ ان قاتلوں، سفاکوں اور لٹیروں میں تنہا صلح و سلامتی کا پیغامبر، چوروں رہزنوں پیماں شکنوں اور جھوٹوں میں اکیلا صادق الوعد اور دیانتدار، جواریوں، شرابیوں، زانیوں اور بدکاروں میں تنہا متقی، پرہیزگار اور نیک کردار تھا، زیادہ سے زیادہ نیکی کا تصور جو انسان کرسکتا ہے۔ محمدؐ اس سے بھی زیادہ نیک اور صالح فطرت تھا۔ انسانیت کی بلندی کا آخری مقام جو ذہن میں آسکتا ہے محمدؐ کی شخصیت اس سے بھی بہت بلند تھی۔

دنیا کے اندھیرے میں صرف یہی اک چراغ تھا، زمانہ کے خارستان میں اسی کی ذات گلاب بن کر مہک رہی تھی دہر کے خش وخاشاک اور کنکروں، پتھروں میں اسی شخصیت گوہر شب تاب تھی، ہر پیالہ میں زہر اور حنظل ملا تھا۔ صرف اسی ایک کے جام حیات اور مینائے زندگی میں امرت بلکورے لیتا تھا، عالم رنگ وبو میں بس وہی ایک ذات حق وصداقت کا مرکز اور ہدایت کا روشن مینارہ تھی۔ ان بولنے والے حیوانوں میں سرف یہی ایک انسان ناطق تھا جس کے نطق پر سچائی ناز کرتی تھی۔

......عبداللہ کا بیٹا محمدؐ تو کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلا اور باحیا، راستے میں چلے

گا تو آنکھیں جھکائے ہوئے وقار و متانت کے ساتھ!

......ایہاالاخوان نہ جانے یہ نوجوان آگے چل کر کیا بننے والا ہے، اس انداز کا شریف، سچا اور نیک کردار آدمی میں نے نہ تو دیکھا نہ کانوں سے سنا! صاحبو! کسی سے وعدہ کر لے تو چاہے زمین ٹل جائے، آسمان ٹوٹ پڑے مگر یہ اپنے قول سے نہیں پھر سکتا۔

......شراب اور لطف کی خلوتیں تو ایک طرف رہیں گانے بجانے یہاں تک کہ افسانہ خوانوں کی محفل میں بھی اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ راہب بھی نہیں ہے کہ دنیا سے کوئی سروکار اور واسطہ نہ ہو، وہ بازاروں میں جا کر خرید و فرخت کرتا ہے، قرض لیتا ہے لوگوں کی امانتیں رکھتا ہے ملک شام تک کے بازار سے تاجر کی حیثیت سے جانتے ہیں مگر اس کے ہر کام میں انتہادرجہ کی سچائی، دیانتداری اور عدل پایا جاتا ہے۔

......(ایک نواجوان) ہمارے خداوند بتوں کی اس محمدؐ کے حال پر مہربانی ہے، جبھی تو اس میں اتنی بہت سی اچھائیاں جمع ہوگئی۔

......(ایک بوڑھا عرب) مگر میاں صاحبزادے محمدؐ کو تو آج تک کسی بت کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا یہ تو ان سے دور دور رہتا ہے جیسے اس کے دل میں ہمارے خداؤں سے کوئی لگاؤ اور کسی طرح کی دلچپی ہی نہیں ہے...... بے عقیدہ لوگوں پر یہ بت کا ہے کو مہربان ہونے لگے۔

......(ایک قریش جس کے ہاتھ میں ترکش ہے) عبداللہ کے بیٹے میں اور تو سب بھلائیاں ہیں بس اس کی یہی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی کہ لات و منات ونصر و ہبل اور ہمارے خداؤں سے وہ عقیدت نہیں رکھتا۔

....

دوسرے انسانوں کو لغزش، ذلت قدم اور بھول چوک کے لئے ڈھیل دی جاسکتی ہے مگر "انسان کامل" کو ادنیٰ سے غلطی اور ہلکی اونچ نیچ سے بچایا جاتا ہے۔ قدرت خود اس کی تربیت کرتی ہے۔ اول تو اس کی فطرت ہی کو صالح، حلیم عادل اور سعید بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس لئے کسی ناپسندیدہ بات کو وہ خیالی طور پر نہیں چاہتا لیکن بفرض محال کبھی کبھار کوئی ایسا خطرہ ذہن میں بھی آجائے تو خدا کی مشیت اس کا عملی ظہور نہیں ہونے دیتی۔

محمدؐ کی کم سنی کا واقعہ ہے کہ مکہ میں نوجوان کہانیاں کہا اور سنا کرتے تھے ان محفلوں اور صحبتوں کی بڑی دھوم تھی ایک بار آپ بھی اس ارادے سے شہر میں آئے وہاں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں کسی کا بیاہ ہے اور گانا بجانا ہو رہا ہے بانسری بج رہی ہے اور لوگ مزے لے لے کر جھوم رہے ہیں۔ یہ نہایت ہی ہلکی قسم کی بے ضرری تفریح تھی، محمدؐ اس شادی کے مکان میں تشریف لے گئے مگر وہاں جا کر آپ ہی آپ نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ ساز و مطرب کی صدائیں نہ سن سکے اور اتنے زور کی نیند آئی کہ صبح ہو کر خوب دھوپ پھیل گئی تو آنکھ کھلی، اس وقت تک ساری محفل درہم برہم ہو چکی تھی۔

محمدؐ کی جوانی چاند سے زیادہ اجلی اور پھولوں سے بڑھ کر بے داغ اور معصوم تھی، قدرت نے آپ کے دامن کردار پر بھول چوک کی پرچھائیں بھی نہ پڑنے دیں، آپ کی ذات عصمت واخلاق کا آخری معیار اور سیرت کردار کی معراج تھی، آپ کے دشمن اور شدید دشمن بھی آپ کی عصمت پاکدامنی اور خوش اخلاقی کے قائل تھے، تاریخ نہیں بتا سکتی کہ محمدؐ کے کسی دشمن نے آپؐ کے کردار کے بارے میں کسی قسم کے شک کا اظہار کیا ہو خون کے پیاسے اعداء نے آپ کے پیام کو جھٹلایا، سارے عرب کو آپؐ کے خلاف جنگ کے لئے کھڑا کر دیا۔ لیکن کوئی شخص آپؐ کی زندگی اور ذات و شخصیت پر تہمت نہ لگا سکا۔

محمدؐ کی سچائی، امانت، راست بازی اور عدل نکوکاری سے متاثر ہو کر قوم نے آپ کو 'امین' کا خطاب دیا، سب لوگ آپ کا احترام کرتے تھے ۔بوڑھے بوڑھے قریشی محمدؐ کی بڑائی اور عظمت کو محسوس کر کے عزت کے لئے مجبور ہو جاتے۔ جدھر سے آپ گزرتے لوگوں میں چرچے ہونے لگتے کہ عبداللہ کا نیک سچا اور پرہیز گار بیٹا جا رہا ہے اور پھر آپ کی تعریفیں ہوتیں کہ اس میں یہ خوبیاں ہیں یہ بڑائیاں ہیں۔

☆لڑائی رک گئی☆

ایک بار مکہ میں بہت زور کی بارش ہوئی، مینہ جھڑی جو لگی تو یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا، بادل کھلنے کا نام ہی نہ لیتا اس کا یہ اثر ہوا کہ مکہ میں بہت زور کا سیلاب آگیا، گلیوں میں نہروں کی طرح پانی بہنے لگا بہت سے مکان منہدم ہو گئے اہل مکہ کے لئے بڑی پریشانی کا سامنا تھا، خانہ کعبہ بھی سیلاب کی اس زد میں آگیا دیواریں گر پڑیں اور ان کے ساتھ حجر اسود بھی اپنی جگہ سے زمین پر گر گیا۔

کعبہ کی تمام عرب والے عزت کرتے تھے۔اور بت پرستی کے لئے بے پناہ شوق اور لامحدود عقیدت وگرویدگی کے باوجود اللہ کے احترام سے ان کے دل ودماغ کبھی خالی نہیں ہوئے۔اپنے مکانوں، بیٹھکوں، اور مویشی خانوں سے پہلے بھی کعبہ کی تعمیر مقدس سمجھی گئی کہ یہ ان کی عقیدت کا مرکز تھا کعبہ کی تعمیر شروع ہوگئی، سب لوگوں نے نہایت دلچسپی اور جوش عقیدت کے ساتھ اس نیک کام میں حصہ لیا، محمدؐ بھی قریش کے ساتھ پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے اور کعبہ بنانے والوں کا ہاتھ بٹاتے۔

کعبہ کی دیواریں اٹھ گئیں تو حجر اسود کے لگانے کا سوال پیدا ہوا ہر شخص کہتا تھا کہ اس مقدس پتھر کی تنصیب کا شرف میں حاصل کروں گا۔اس پر بات بڑھنے لگی۔قبیلوں کے تفاخر وغرور کی

داستانیں چھڑ گئیں ایک نے کہا کہ ابرہہ نے جب کعبہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے چڑھائی کی تھی تو میں اور میرا باپ کعبہ کی حفاظت میں سب سے پیش پیش تھے اس لئے حجر اسود کے نصب کرنے کا حق مجھے پہنچتا ہے، دوسرا بولا کہ حرب فجار میں میرے قبیلہ کے لوگ جان کی بازی نہ لگاتے تو قریش کو ایسی فاش شکست ہوتی کہ ان کے عظمت وشرف کے دفتر ورق ورق ہو جاتے ،تیسرے نے کہا میرے دادا نے دو بار تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا تھا۔ ان کی ساری کمائی اور تمام پس انداز اسی مہمانی اور ضافیت میں صرف ہو گیا، چوتھا تلوار ٹیک کر بولا کہ کعبہ میں سالہا سال سے بخور اور عود وعنبر ہمارے قبیلے کے لوگ سلگا رہے ہیں۔

جوش بڑھتا ہی جا رہا تھا بعض من چلوں نے عرب کے دستور کے مطابق خون میں انگلیاں ڈبو لیں۔ یہ اس بات کا عہد تھا یا تو ہم کعبہ کی دیوار میں حجر اسود نصب کر کے رہیں گے یا پھر لڑ کر جان دے دیں گے۔ اب اس بات کا فیصلہ تلوار کریگی جس میں طاقت ہوگی وہی اس شرف کا حامل بن سکے گا۔ چار دن تک نزاع ہوتی رہی۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ بوڑھا تھا کہا کہ نادانو! اتنے بے قابو کیوں ہو جاتے ہو، کیا حرم مقدس کی زمین کو خون سے لالہ زار بنانے کا ارادہ ہے، یہاں تلوار چل گئی تو پھر رکے گی نہیں صدیوں تک اس جنگ کے شعلے بھڑکتے رہیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر بات کا فیصلہ تلوار ہی سے نہیں ہوتا اس کی دوسری صورتیں بھی ممکن ہیں...... اس پر سب لوگ بولے اچھا! صاحب! آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے کہ ہم کیا کریں ابوامیہ نے کہا کہ اس مسئلہ کو کسی پنچ پر چھوڑ دینا چاہیے لیکن یہ بات خود ایک نزاع بن جائے گی کہ ثالث کس کو بنایا جائے۔ اس مشکل کا حل بھی میں بتاتا ہوں، وہ یہ خانہ کعبہ میں جو شخص کل سب سے پہلے داخل ہو اس کا حکم مان لیا جائے اور جو فیصلہ بھی وہ صادر کرے اسے سب لوگ کسی چوں چرا کے بغیر مان لیں۔

اس پر سب نے حامی بھر لی کہ ہمیں یہ بات منظور ہے، شام ہوئی پھر رات اور اس کے بعد سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور اتنے میں لوگوں نے دیکھا محمدؐ بن عبداللہ سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں سب نے کہا کہ آپ ہمارے ثالث ہیں اس بات کا آپ ہی فیصلہ فرمائیں گے، تمام لوگ یہ کہنے کے بعد محمدؐ کا چہرہ دیکھنے لگے کہ نہ جانے ہلنے والے لبوں سے کس کے حق میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ ہر کوئی پر آرزو بھی تھا اور مایوس بھی! ایسے موقعوں پر تصویر کے روشن اور تاریک دونوں پہلوں سامنے آیا کرتے ہیں۔!

محمدؐ نے اپنی چادر میں سنگ اسود اٹھا کر رکھا اور فرمایا کہ تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی اس چادر کو تھام لے تا کہ تنصیب حجر اسود کا شرف تمام قبائل میں مساوی طور پر بٹ جائے۔ ہر قبیلہ کے ایک ایک آدمی نے چادر تھام کر اوپر اٹھائی اور اس طرح سب نے مل جل کر کعبہ کی دیوار میں حجر اسود نصب کر دیا۔

محمدؐ کے اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے، کھینچی ہوئی تلواریں نیام میں آ گئیں اور ایک بہت بڑی خونریزی رک گئی، تمام لوگوں نے محمدؐ کی اصابت رائے حکمت و دانش اور فہم و فراست کا اقرار کیا، سارے مکہ میں اس صلح کن فیصلہ کی دھوم مچ گئی کہ ابن عبداللہ کی دانائی کی بدولت خون خرابہ کی نوبت نہ آ سکی، ورنہ تلواروں کے جوہروں کی چمک زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ یہ لڑائی بنو بکر اور بنو تغلب کی خونریز جنگوں کی شہرت پر پانی پھیر دے گی اہل مکہ نے محسوس کیا کہ محمدؐ صرف نکوکار، پرہیزگار امین اور راست باز ہی نہیں ہیں۔ ان میں فیصلہ کرنے اور آپس میں جھگڑے چکانے کی بھی بے پناہ قابلیت پائی جاتی ہے۔

☆سفر شام سے شادی تک☆

بچپن میں ابو طالب اپنے یتیم بھتیجے محمدؐ کی اگرچہ کفالت کرتے رہے مگر اس زمانہ میں بھی

محمدؐ نے دوسرے بچوں کی طرح بچپن کھیل کود میں نہیں گزارا، چچا کے بار کفالت کو اس طرح ہلکا کیا کہ تمام دن جنگل میں ان کی بکریاں چرائیں، بڑے ہو کر وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور دنیا کے سب سے زیادہ معزز پیشہ تجارت کو اس عالم اسباب میں آذوقہ حیات کا ذریعہ بنایا، محمدؐ ہاتھ کے سچے اور بات کے پکے تھے، تجارتی کاروبار میں جس سے جو معاملہ طے ہو گیا اور جس بات کے لئے زبان دے دی چاہے زمین و آسمان کیوں نہ ٹل جائیں اور تجارت میں کتنا ہی گھاٹا کیوں نہ ہو جائے اپنے قول اور عہد کی تاویلیں کر کے زبان پھیرنے کا تصور بھی نہ فرماتے، کسی سے مال خریدتے تو دینے والے کی مرضی پر چھوڑ دیتے، وہ اونچا بھی تول دیتا تو گوارا فرما لیتے مگر جب خود کسی کو مال بیچتے تو خوب جھکتا ہوا تولتے، تاجروں میں آپ کی دیانت اور خوش معاملگی کے تذکرے ہوتے کہ تجارتی کاروبار میں دنیا ایک ایک پیسہ کے لے جان دیتی ہے۔ ہر شخص اپنے فائدے کے لئے غلط طریقہ سے بھی کوششیں کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، منفعت کیلئے نئی نئی ترکیبیں اور حیلے نکالے جاتے ہیں اور یہ ابن عبداللہ تو کشادہ دست تاجر ہے، تجارت میں فیاضی کرتے ہوئے اس کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھا گیا۔

خویلد کی بیوہ بیٹی خدیجہ ایک شریف اور دولت مند خاتون تھیں اور نوکر چاکر اور عزیز رشتہ دار ان کا تجارتی کاروبار سنبھالنے ہوئے تھے۔ محمدؐ کی دیانت اور راست بازی کا شہرہ سن کر خدیجہ نے بہت منت کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیام بھجوایا کہ میں آپ کے ذریعہ اپنا مال تجارت شام بھیجنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کی ذات پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کی زحمت فرمائی کا مجھ بیوہ پر احسان ہو گا۔ محمدؐ نے شام جانے کی حامی بھر لی اور چند دن بعد خدیجہ کا سامان تجارت لیکر شام کیطرف کوچ فرمایا اس مختصر سے تجارتی قافلہ میں خدیجہ کا ایک رشتہ دار اور ان کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔

یہ وہی راستہ تھا جس میں محمدؐ کے باپ عبداللہ کے نقش قدم اگرچہ زمانہ کے انقلاب نے مٹا دیئے تھے مگر باپ کی محبت محسوس کر رہی تھی کہ:۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

محبت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ماضی کو حال اور حال کو مستقبل بنا سکتی ہے، محمدؐ کے احساس نے گزشتہ واقعات کے اوراق الٹ دیئے عبداللہ جوان مرگیا اور آمنہ کا جوانی میں بیوہ ہونا! محبت کی خاموش آواز، اونٹوں کی گھنٹیوں میں مل جل گئی

یہی وہ راستہ تھا جہاں بارہ سال کی عمر میں محمدؐ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کیا تھا، وہی وادیاں وہی کوہ دوشت مگر وہاں پرشور آندھیوں نے ریت کے تودوں کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا اس لئے کہیں کہیں راہیں بھی مڑ گی تھیں اور منزلوں کے نشان بھی تبدیل ہو گئے تھے ،بارہ تیرہ سال کی مدت میں اتنا کچھ بدل جانا ضروری تھا۔

یہ محمدؐ کی عمر کا پچیسواں سال تھا۔ ذمہ داری، ہوش مندی اور فراست کا آفتاب جبیں سعادت آثار سے طلوع ہو رہا تھا...... قافلہ چلا، چلتا رہا یہاں تک کہ شام پہنچ گیا، یہ کارواں اندھیرے سے بھی گزرا اور چاندنی میں بھی! کہیں اتنا چٹیل میدان کہ دور دور تک کسی درخت کا نام ونشان نہیں، بس کہیں کہیں گرد آلود جھاڑیاں نظر آتی تھیں وہ بھی جھلسی ہوئی جیسے ان میں قوت نمو ہی نہیں ہے اور کسی نخلستان کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے اور آس پاس لہلہاتے کھیت دکھائی دینے لگتے۔

خدیجہ بنت خویلد کے رشتہ دار خزیمہ اور ان کے غلام میسرہ نے اس سفر میں بہت سی عجیب باتیں مشاہدہ کیں ،قدم قدم پر برکتوں کا نزول اور سعادتوں کا ظہور ایسے ایسے واقعات جوانہوں نے اس سے پہلے دیکھے نہ تھے۔ ان کی حیرتیں بڑھتی ہی چلی جاتی تھیں، یہاں تک کہ

ایک سوکھا پیڑ جس کے نیچے محمدؐ نے قیام فرمایا دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز ہو گیا، اسی مقام پر نسطور نامی ایک راہب رہتا تھا اس نے کہا کہ پیشین گوئیوں اور مقدس بزرگوں کے اخبار کی روشنی میں اس حقیقت کے اظہار میں تامل نہیں کر سکتا، مجھے بتایا گیا ہے کہ اس درخت کے نیچے ایک پیغمبر آکر قیام کرے گا، جس کی برکت سے سوکھی ڈالیاں ہری ہو جائیں گی اس کے ہاتھ میں انجیل کے نوشتے تھے اور انہیں پڑھ پڑھ کر وہ یہ باتیں کہتا جاتا تھا۔

خدیجہ کے مال تجارت میں توقع سے بہت زیادہ نفع ہوا اور محمدؐ نے تمام مال کی قیمت جوں کی توں خدیجہ کو دے دی، آپ کی اس دیانت اور راست بازی سے بہت متاثر ہوئی وہ دیکھتی تھی کہ مکہ میں تجارتی کاروبار کالین دین، مول تول اور خرید و فروخت پر آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں ہر شخص دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے، لوگ عہد و پیمان کرتے ہیں اور توڑ ڈالتے ہیں ان لوگوں میں محمدؐ جیسے امانت دار راست باز اور متدین آدمی کا پایا جانا غیر معمولی واقعہ بلکہ معجزہ ہے۔

......اور ان کی پاک بازی اور پرہیزگاری کی تو لفظوں میں تعریف نہیں ہو سکتی ہے شام کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں ان کی دلکشی اور رعنائی دور دور تک مشہور ہے۔ مگر ہم نے خاص طور سے اس بات کو محسوس کیا کہ محمدؐ بازاروں، گلیوں اور سڑکوں سے گزرتے ہوئے اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے، حیاء، غیرت، متانت اور سنجیدگی کے پیکر ہے ان کی ذات! نہ جانے یہ دنیا کہاں تک ہے اور کتنی بڑی ہے، ہم نے تو عرب اور شام یہی دو ملک دیکھے ہیں ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان ملکوں میں تو محمدؐ جیسا شریف، نیک، پرہیزگار اور بابرکت آدمی ہماری نگاہ سے نہیں گزرا، یہ عرب کے جاہل لوگ اپنی شاعری، بہادری اور نسب ناموں پر فخر کرتے ہیں مرے جاتے ہیں حالانکہ ان کے لئے سب سے بڑا فخر محمد قریشی الہاشمی کی ذات ہے۔

مکہ کا ہر شخص محمدؐ کے اخلاق اور نیکی کا گرویدہ و معترف تھا۔ خدیجہ کو تجارت کے سلسلہ میں آپ کی دیانت کا ذاتی تجربہ بھی ہو گیا۔ پھر خزیمہ اور میسرہ کی عینی شہادتوں نے ایقان کو زیادہ مستحکم اور اس اثر کو پائیدار تر بنا دیا۔ خدیجہ بیوہ تھی اس کی دنیا ویران ویران سی تھی! افسردہ اور غمگین تمنائیں! مرجھائے ہوئے احساسات! دل اور دماغ نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدیجہ! دیکھ محمدؐ سے زیادہ شریف اور باعزت انسان پورے عرب میں نہیں مل سکتا، ان کے پاس پاکیزہ تمناؤں کا پیام بھیج! مکہ میں نوجوانوں اور امیروں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن تیری شرافت کا ان بدکرداروں کی زندگی سے کیا جوڑ! محمدؐ نے اگر تیرے پیام کو قبول کر لیا تو تیری تقدیر کا ستارہ چمک جائے گا۔

خدیجہ نے محمدؐ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا، آپ نے قبول فرمالیا، آپ اپنے چچا ابوطالب، حمزہ دوسرے عزیزوں کو ساتھ لیکر خدیجہ کے مکان میں پہنچے، وہاں پہلے سے اہتمام تھا اور خدیجہ کے عزیز و اقارب انتظار میں تھے، نکاح ہوا، ابوطالب نے خطبہ پڑھا، اس خطبہ میں ابوطالب نے پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد کہا کہ سارے قریش میں محمدؐ کے پلہ کا ایک بھی آدمی نہیں ہے۔ کوئی شخص شرافت و نکوکاری میں میرے سعید و امین بھتیجے کی برابری نہیں کر سکتا۔ ہاں مال و دولت اس کے پاس نہیں ہے مگر دولت، روپیہ، پیسہ خزانے، مال و اسباب تو چلتی پھرتی چھاؤں کی مانند ہیں آج اس کے پاس کل دوسرے کے پاس! ان کا کوئی اعتبار نہیں! اصل چیز تو ذاتی شرافت ہے جو ہر حال میں باقی رہے گی۔

محمد کی زندگی کا یہ نیا دور تھا، خدیجہ بہترین شریک حیات ثابت ہوئیں، نیک، فرمانبردار، اطاعت گزار شوہر کے دکھ سکھ کی شریک! ہر اعتبار سے ہم خیال، وہ کسی بات میں محمدؐ سے اختلاف ہی نہ کرتیں۔ ان کی فطرت میں محبت اور وفا سموئی تھی، خدیجہ نے بھی محمد کو توقع سے

بہت زیادہ ہمدرد اور غمگسار پایا، وہ جتنا نیک شادی سے پہلے سمجھتی تھیں، محمدؐ اس سے بڑھ کر نیک اور پرہیزگار نکلے۔ ان کی جلوت ہی نہیں خلوت بھی نیکی حیا اور عفت سے معمور تھی، مکہ کی عورتیں رشک کرتیں کہ خدیجہ کو محمدؐ جیسا بہترین شریک حیات مل گیا، رشک کرنے سے ہوئی بات ان ہوئی تو نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی کی تقدیری سعادتیں چھینی جاسکتی ہیں۔ خدیجہ کے لئے بہرحال بہترین خلائق اور بزرگ ترین انسان کا حرم بننا مقدر ہو چکا تھا، اور یہ وہی مبرم تبدیلی ہوسکتی۔

خدیجہ کی رفاقت سے محمدؐ کو بھی سکون حاصل ہوا۔ ان کی خانگی زندگی شکر رنجی اور بدمزگی سے پاک تھی، دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد غمگسار اور سچ مچ شریک حیات! سکون واطمینان اور میل جول کی زندگی ...... ازدواج، مناکحت اور شادی بیاہ کا لطف ہی میل ملاپ، ایک دوسرے کی ہمدردی اور فکر وخیال کی یک رنگی میں ہے، یہ نہ ہو تو پھر زندگی جنت بھی جہنم ہی بن کر رہ جاتی ہے، شوہر کی اطاعت تدبیر منزل کی بنیاد ہے اور بیوی کی ہمدردی معاشرت کی جان ہے، جہاں یہ توازن باقی نہ رہے وہاں گھریلو زندگی کا نظام تہہ وبالا ہوجاتا ہے۔ محمدؐ اور خدیجہ کی زندگی اس توازن کا بہترین نمونہ تھی۔

وحی کا نزول

جس مہتمم بالشان مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کے لئے محمدؐ دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس کے ظہور اور اعلان کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا، انسانیت کی تاریخ کا آخری اور سب سے زیادہ روشن ورق الٹنے کے لئے قدرت کے ہاتھ جنبش میں آنے والے تھے، اندھیرا آپ ہی آپ کپکپاتا اور سمٹتا جارہا تھا، جیسے اجالے کے لئے جگہ خالی کرنی ہے۔ برائیاں پسینہ پسینہ ہوئی جارہی تھیں، کہ نیکیوں کا دور شروع ہونے والا ہے گمراہی کی جان لبوں پر آ گئی تھی کہ ہدایت کا ستارہ انقلاب کے جھروکے سے جھانک رہا ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ تبدیلی محسوس کررہا تھا۔

جب اپنی پوری جوانی پر آچکی دنیا
جہاں کے واسطے اک آخری نظام آیا۔

محمدؐ پر غور و فکر اور استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی، مکہ سے تھوڑی دور حرا نام کا ایک غار تھا آپؐ ستو اور پانی لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک ریاضت و عبادت اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے، نفس کا یہ مجاہدہ اور استغراق کی یہ کیفیت کسی ''غیبی نمود'' کی منتظر تھی، دل و نگاہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ کسی پیغام کا انتظار تھا، طبیعت بہت بے قرار سی رہتی، اسی تلاش، حیرانی اور بے قراری کو قرآن نے 'ضال'' سے تعبیر کیا ہے۔ قلب مبارک کی بے چینی دن رات بڑھتی جارہی تھی۔ کھانا پانی نبٹ جاتا پھر بھی بھوکے پیاسے خدا کی یاد غار کی تنہائی میں ہوتی رہتی حقیقت منتظر چالیس سال سے جھانک رہی تھی مگر پورے طور پر کھل کر سامنے نہ آئی تھی، غنچہ دل نعیم قدس کا منتظر تھا، تلاش و بے قراری کے عقدے ناخن ربوبیت کی راہ دیکھ رہے تھے نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھتیں اور سجدے میں جھک جاتیں۔

انتظار اور مسلسل انتظار...... یہاں تک کہ غار حرا کے اندھیرے میں یکا یک روشنی نمودار ہوئی ناموس اکبر خدا کا پیام لے کر حاضر ہوا اور اس ربانی پیام کے الفاظ پوری ترتیل کے ساتھ محمدؐ کی زبان سے دہرائے دیئے گئے اس پیام **نخستیتس** اور وحی اولین میں خدا کے نام کے ساتھ انسان کی تخلیق کا ذکر تھا اور وہ اس لئے کہ انسانوں سے خدا کا ٹوٹا رشتہ جوڑنے کے لئے محمدؐ ابن عبداللہ کو نبوت عطاء ہوئی تھی اور اسی مقصد عظیم کی تکمیل کے لئے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

کسی معمولی فرمانروا، حاکم اور افسر کا حکم پڑھ کر اور پیام سن کر دل کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔ اور یہ تو رب السمٰوت والارض کا پیام تھا...... اس کی طرف سے وحی بھیجی گئی تھی جس کی

ربوبیت اور قدرت سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے، جس کے ہاتھ میں تمام لوگوں کی پیشانیاں ہیں۔ وہ اگر چاہے تو یہ اونچے اونچے پہاڑ پلک جھپکنے سے پہلے دھوئیں کی طرح اڑ جائیں، پرشور سمندر ریگستان بن جائیں اور ٹھنڈے ستاروں سے انگارے برسنے لگیں۔ فطری طور پر اتنے عظیم الشان پیام کے بعد قلب کو انس کے ساتھ ہیبت سے بھی متاثر ہونا چاہیے تھا، یہی انسانی فطرت ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دل بھی ہیبت الٰہی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ پیام اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی جگہ کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو یقیناً پہاڑ ریزے ریزے ہوجاتا یہ اسی ذات کے قلب پروقار کی طاقت تھی جو ذمہ داری کے اس بار گراں کو سہار لیا ۔......جبریل تھے، خدا کا کلام تھا تجلیاں تھیں، محمد عربیؐ تھے اور غار حرا تھا......ہم تو بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں جو بات ہمارے قلب پر نہیں گزری، جس منظر کو ہم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا اس کی تشریح آخر کس طرح ممکن ہے! وحی الٰہی کی کیفیت مہبط وحی کے سوا اور کون بتا سکتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں لفظ کام نہیں دیتے، شرح و بیان کا جس جگہ دم گھٹنے لگتا ہے، زبان گنگ ہوجاتی ہے اور قلم کانپ جاتا ہے۔

ہم زیادہ سے زیادہ اپنی زبان میں اتنا کہہ سکیں گے کہ غار حرا کی تقدیر چمک گئی اس کے ذرے رشک طور بن گئے، تمام گرد و پیش تجلی زار نظر آنے لگا۔ مگر یہ سب رسمی تشبیہیں ہیں جو ہر کسی کے لئے استعمال ہوتی رہتی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کو جن تجلیات اور کیفیات کا مشاہدہ اور احساس ہوا ان پر یہ رسمی باتیں زیب نہیں دیتیں، ہمارے حواس نے جن کیفیات اور مشاہدات کا خواب بھی نہیں دیکھا ان کا اظہار ہم کر بھی تو نہیں سکتے، فلسفہ کو اس منزل میں آکر حیرانی ہوتی ہے، عقل کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوجاتی ہے۔ اور دماغ سراسیمہ ہوجاتا ہے۔ یہی وہ مقام

قدس اور عالم وراء الوراء ہے جہاں یقین اور صرف یقین کے چراغوں کی روشنی میں صراط مستقیم نظر آسکتی ہے۔ بے یقینی اور شک وتذبذب کے پاؤں یہاں جم ہی نہیں سکتے وہ کم نظر لوگ جو روٹی اور معدے سے آگے دیکھنا ہی نہیں چاہتے ان روحانی کیفیات اور غیبی اسرار کو آخر کس طرح سمجھ سکتے ہیں اس پر یقین لانے کیلئے کارل مارکس اور سٹالن کا دماغ نہیں ابوبکر صدیقؓ، علی مرتضیٰؓ اور بلال حبشیؓ کے قلوب عرفان آثار چاہئیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ غار حرا سے گھر تشریف لائے تو پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپک رہا تھا ، ہیبت الٰہی سے چہرہ متغیر تھا گھر آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا

''مجھے چادر اوڑھاؤ چادر اوڑھاؤ''

خدیجہؓ نے جلدی سے دوڑ کر چادر اٹھائی اور آپ کو اوڑھا دی ، آپؐ نے پورا واقعہ سنایا ، خدیجہؓ کی فطرت سلیم نے اس واقعہ میں ذرا بھی شک آمیز عجوبیت محسوس نہیں کی بلکہ کہا، کہ آپ کی ذات بھلائیوں کا سرچشمہ ہے خدا آپ کو ضائع نہیں کرسکتا، پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس جو ایک خدا شناس بزرگ تھے لے کر گئیں ورقہ نے کہا کہ یہ وہ ناموس ہے جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا۔ محمدؐ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہو۔

خوشی ہو یا غم ، انس ہو یا ہیبت ان کیفیات کی شدت سے قلب ایک بار سا محسوس کرنے لگتا ہے اور جب تک دوسرے پر اس کا اظہار نہ ہو جائے یہ بار ہلکا نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فطرت ہے اور محمدؐ رسول اللہ سے اس عالم اسباب اور ہر حوادث میں فطرت کی سی سادگی کا ظہور ہوا۔ پھر قدرت شاید اس ذریعہ سے عورت کو درجہ اور مقام بعثت مبارک کے پہلے ہی دن بلند کرنا چاہتی تھی۔ یعنی یہ کہ ہبوط وحی نزول جبریل اور آغاز نبوت کی پہلی تصدیق صنف نازک کی زبان سے ہو اور اس کے محبت بھرے تسکین آمیز کلمات سے ہیبت میں انس کا رنگ پیدا ہو جائے۔ اللہ کے

نام اور پیام کی ہیبت خود اپنی جگہ بولتی ہوئی تصدیق ہے وہ شخص فطرت انسانی کی نزاکت اور آدمی کی طبیعت کے مذاق صحیح سے بے خبر ہے جو اس سادہ سی بات کو تصدیق اور عدم تصدیق کے الجھاوے میں ڈال کر تشکیک و تذبذب کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے……

لوگ واقعات کو اپنے ذاتی رجحان کے پیمانہ سے ناپنا چاہتے ہیں اور جب کوئی واقعہ اس پیمانہ پر پورا نہیں اترتا تو پھر وہ اس کے وقوع ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔…… جرح و تعدیل کی غلط اندیشیاں اور فکر و نظر کی کم کوشیاں!

اعلان حق

اعلان حق، اظہار صداقت اور تبلیغ خیر و ہدایت پر منصب نبوت اور فریضہ رسالت کی بنیاد ہے، محمد رسول اللہ ﷺ بھی اس کام پر مامور کیے گئے۔ یہ فرض جس قدر اہم اور برتر و عالی ہے اسی قدر نازک اور دشوار بھی ہے، یہاں قدم قدم پر مصیبتوں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تاجدار نبوت کی راہ میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں سر پر خاک بھی ڈالی جاتی ہے اظہار حق کی پاداش میں اسے گالیاں بھی سننی پڑتی ہیں اور پتھروں کی بار سے اس کا بدن بھی لہولہان ہو جاتا ہے۔

کوئی دنیا پرست اور بندہ ہوا و ہوس تو ان مصائب سے گھبرا کر جی چھوڑ جائے کہ میں بیٹھے بٹھائے اپنی جان مصیبت میں کیوں ڈالوں، لوگ راہ حق پر نہیں آتے ہیں تو نہ آئیں میں آخر تکلیفیں کس لئے اٹھاؤں!

مگر نبی اور رسول کے دل کو اللہ صبر و استقامت اور عزیمت و توکل کی خاص قابلیت اور طاقت عطا فرماتا ہے کوئی مخالفت اسے اعلان حق سے نہیں روک سکتی اس کی راہ میں مشکلوں کے الوند والبرز اور مصیبتوں کے اوقیانوس آتے ہیں مگر وہ اپنے پائے استقامت سے ان کو ریزہ

ریزہ اور پایاب کرتا ہوا گزرا چلا جاتا ہے۔تلواروں کی دھاریں برچھیوں کے پھل نیزوں کی انی اور تیروں کے سوفار بھی نبی ورسول کو تبلیغ وتذکیر سے باز نہیں رکھ سکتے۔تلوار کے تیز گھاؤ سے لہو ٹپکتا ہوتا ہے اور اس وقت بھی اس کی زبان سے حق ترجمان پر اللہ کی حمد وثنا ہوتی ہے۔محمدؐ کی بعثت کے وقت ماحول انتہائی تیرہ وتاریک گردوپیش بہت ہی بگڑا ہوا اور سوسائٹی پرلے درجہ کی خراب تھی۔صدیوں کی برائیاں جڑ پکڑ چکی تھیں۔قرنوں کے گناہ عادت بن چکے تھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا......ان حالات میں اصلاح ودوستی کی ہمت کرنا صرف ایک نبی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔......اس ذات قدسی صفات کا جسے خدا کی تائید ونصرت وہدایت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک دن کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو آواز دی جیسے کوئی خاص اعلان کرنا اور کسی اہم واقعہ کی خبر دینا چاہتا ہو۔جس نے اس پکار کو سنا،کوہ صفا کی طرف چل پڑا،ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھئی! محمدؐ ابن عبداللہ آج نہ جانے کیوں صفا کی چوٹی سے لوگوں کو پکار رہے ہیں،چلو چل کر دیکھیں آخر معاملہ کیا ہے۔!اور......ہاں محمدؐ......صادق وامین محمدؐ صداقت،متانت اور سنجیدگی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔انہوں نے کسی خاص بات کی اطلاع دینے کے لئے بلایا ہوگا۔

ایک آیا،دوسرا آیا،تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا مجمع ہوگیا ان میں بوڑھے قریش بھی تھے جنہوں نے زمانہ کے بہت کچھ گرم وسرد دیکھے تھے۔جوان بھی تھے جو نا تجربا کار تھے مگر ان کی ہمتوں میں بلندی اور ولولوں میں جوش تھا،بچے بھی تھے جن کی زندگی کا گھروندا ابھی بن ہی رہا تھا،بعض نے خیال کیا کہ محمدؐ نے اس اہتمام کے ساتھ قلہ کوہ سے پکارا ہے ممکن ہے کسی دشمن کے حملہ کرنے کی خبر آئی ہو اس طرح خالی ہاتھ چلنا ٹھیک نہیں،ہتھیار ساتھ

رکھنے چاہئیں کوئی بازار میں کھجور کھا رہا تھا اسی حالت میں چل دیا کہ ہاتھ میں کھجوریں تھیں اور ہونٹوں پر شیرہ لگا تھا، بڑوں کو دیکھا دیکھی بچے بھی ساتھ ہو لئے۔

محمدؐ رسول اللہ انتہائی وقار متانت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ صفا کی چوٹی پر کھڑے تھے، آپ کے اردگرد قریش کا مجمع تھا سب کی نظریں حضرت محمدؐ کے چہرے پر تھیں کہ نہ جانے کیا کہا جائے گا۔ اس سے پہلے تو اس طرح محمدؐ نے لوگوں کو جمع نہیں کیا۔ یہ بالکل نئی بات ہے شاید اہم واقعہ کی اطلاع دینا مقصود ہے تمام مجمع گوش برآواز تھا۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ نے فرمایا:۔

"دیکھو! میں قلہ کوہ پر کھڑا ہوں، تم اس کے نیچے ہو میں پہاڑ کے دونوں طرف دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ایک ہتھیار بند لشکر دور سے آتا دکھائی دے رہا ہے جو مکہ پر چڑھائی کرے گا تو کیا تم اس کا یقین کر لو گے؟

مجمع سے آواز آئی سب نے یک زبان ہو کر کہا:۔

یقیناً ہم تمہاری بات مان لیں گے، تم جیسے راست باز اور صادق القول کو ہم بھلا جھٹلا سکتے ہیں۔

مجمع کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا وہ چاہتے تھے کہ محمدؐ جلدی سے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہہ دیں، مسلح لشکر کے حملہ کی خبر نے ان کو مضطرب بنا دیا۔ محمدؐ کی زبان سے قریش نے کبھی کوئی غلط بات نہ سنی تھی، ہر فرد بشر آپ کی سچائی کا دل سے معترف تھا لوگ سمجھے کہ محمدؐ اپنے دل سے گھڑ کر کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے، یقیناً لٹیروں کی کوئی ٹولی مکہ پر چھاپہ مارنے کے لئے آ رہی ہے۔ اب محمدؐ ان حملہ آوروں پر بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر بتائیں گے، یہ نرے سچے اور نیک ہی نہیں بہادر شجاع اور انتہائی دلیر بھی ہیں۔

اور صاحب ہوش وفراست بھی!

اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

''یہ تو سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی، تم یقین کرلو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے۔ اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

ایہا القریش! جس طرح تم دنیا اور اس کی چیزوں کو دیکھ رہے ہو، میں اسی طرح عالم آخرت کو دیکھ رہا ہوں......

بتوں کے پوجنے والوں کے لئے یہ پیام بالکل انوکھا اور عجیب سا پیام تھا ان کے دل ودماغ میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے اور دنیوی زندگی کے اعمال پر عاقبت میں محاسبہ بھی ہوگا ان کے شاعروں نے تو ان کے ذہن میں یہ بات اتار دی تھی کہ:۔

مٹی میں مل کر اور پھر زندہ ہونا یہ کیا
خرافات ہے دیوانوں کی سی باتیں!

ابولہب اپنے گدھے پر سوار تھا، کھجور کی چھڑی سے خاک اڑا کر کہنے لگا کہ کیا اتنی سی بات کہنے کے لئے اتنے بہت سے آدمیوں کو تکلیف دی تھی......دوسرے لوگ گھروں کو واپس ہوئے آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہ ابن عبداللہ کو یہ کیا ہوگیا ہے کہ ایکا ایکی لوگوں کو جمع کرکے ایک ایسی بات کہی جسے ہمارے کانوں نے آج تک نہیں سنا۔

تو کیا جھوٹا سمجھ لیں ہم محمدؐ کو! اس کی زبان سے تو آج تک کسی نے ایسی ویسی بات نہیں سنی ......ایک شخص نے کہا

......میں محمدؐ کو جھوٹا کب کہہ رہا ہوں اس پر جھوٹ کا الزام کون لگا سکتا ہے وہ تو سچوں کا سچا ہے......مگر بھائی! میں سمجھتا ہوں اس کے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے یا آسیب کا سایہ

ہوگیا ہے۔اور ممکن ہے کہ بنی ہاشم کے کسی دشمن نے اس پر جادو کردیا ہو،جس کے سبب عبدالمطلب کا شریف دامن پوتا ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔

دوسرے آدمی نے راستہ چلتے ہوئے جواب دیا۔

ہزار منہ اور ہزار باتیں تھیں، محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے پیام اور اعلان صداقت کی تاویلیں کی جارہی تھیں، قیاس آرائیاں، بداندیشیاں، رائے زنی ......اور کوئی کوئی خدا کا بندہ یہ بھی کہتا بھائیو! اتنے سچے اور نیک آدمی کی بات کو اس طرح ہنسی میں ٹال دینا مناسب نہیں، اس نے کچھ دن سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا اچھے بھلے آدمی کو مجنون اور آسیب زدہ کہہ دینا، عقلمندوں کا شیوہ نہیں ،جلدی کے فیصلے ٹھیک نہیں ہوتے، حقیقت حال کو خوب جانچ اور پرکھ لینا چاہیے۔

کوہ صفا پر اعلان حق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ عام کردی، گلی کوچوں اور بازاروں میں سڑکوں اور چوراہوں پر خدا کا پیغام پہنچاتے، مکہ ہی کیا سارے ملک عرب کے سامعہ کے لئے یہ پیام بالکل اجنبی اور نامونوس تھا لوگ نیک اور ہدایت کی باتوں سے بدکتے تھے، روایتی عصبیت اور موروثی عقائد قبول حق سے روکتے تھے کہ ہیں! کہیں عبداللہ کے بیٹے محمد ﷺ کی باتوں میں آکر اپنے باپ دادا کے دین کو نہ چھوڑ بیٹھنا تمہارے آباواجداد بیوقوف نہیں تھے تم سے زیادہ عقلمند اور صاحب فراست تھے انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی یہ راستہ اختیار کیا تھا جن بتوں نے صدیوں سے تمہاری حاجت روائی کی ہے جو تمہارے آڑے وقت میں کام آئے تھے، اس طرح منہ موڑ لینا شان مروت اور احسان شناسی کے خلاف ہے، بہادر آدمیوں کی ایک زبان ہوتی ہے جسے ایک بار بڑا اور بزرگ کہہ دیا بس ساری عمر اس کی بزرگی کی عزت کرتے رہیں گے......ان تصورات اور توہمات نے رسول اللہ کی آواز کو دل تک پہنچ پہنچ کر واپس کردیا۔

سب سے پہلے جن نیک بندوں کو ایمان کی توفیق اور اسلام کی سعادت نصیب

ہوئی......وہ......؟

(۱) آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکرؓ بن ابوقحافہ۔

(۲) بچوں میں سے سب سے پہلے علیؓ ابن ابی طالب

(۳) عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہؓ بنت خویلد

(۴) موالی میں سب سے پہلے زید بن حارثہؓ اور

(۵) غلاموں میں سب سے پہلے بلال حبشیؓ

غار حرا میں ناموس اکبر کا ظہور ہوا تھا وہ اللہ کا پیام اور وحی لے کر آتا ہی رہا، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی قدم قدم پر رہنمائی کر رہا تھا، واضح دلیلوں اور روشن آیات! کے ساتھ ایک دن حکم ربانی ہوا!

"وانذر عشیرتک الاقربین'

اسکی تعمیل میں آپؐ نے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو کھانے پر بلایا......سادہ کھانا تکلف اور تصنع سے دور مگر پوری تواضع اور مدارت کے ساتھ، میزبانوں کا احترام کرتے ہوے ان لوگوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی اور نہ تھا کھاپی کر سب فارغ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقصد بیان فرمایا، مگر ابولہب بڑا ہی گرگ باراں دیدہ تھا وہ سمجھ گیا کہ محمدؐ نے ہم سب کو بلاوجہ کھانے پر جمع نہیں کیا نہ شادی ہے نہ خوشی کی تقریب ہے نہ کوئی تہوار ہے! یہ دعوت کوئی مقصد اور غرض رکھتی ہے ......اور محمدؐ پر تو ان دنوں بس ایک ہی دھن ہے خدا کو ایک مانوں بت پرستی چھوڑ دو، نیک کام کرو برائیوں سے بچو، تم سب کو ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے اس دن کے لئے کچھ کر رکھو......تو آج بھی وہ یقیناً یہی باتیں سنائے گا......اس لئے ابولہب نے اس دن باتوں کا جو سلسلہ شروع کیا کسی اور کو بولنے ہی نہ دیا۔ محمدؐ رسول اللہ کو کچھ فر

ماننے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

آپ نے دوسری شب پھر کھانے کا اہتمام کیا اور اس دن اپنے عزیزو کو اسلام کی دعوت دی اور حق کا پیغام پہنچایا اس دعوت حق اور تبلیغ عام میں کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا، آپؐ جو بات غیروں سے کہتے تھے وہی اپنوں سے بھی کہی، امیروں کی محفل ہو یا غریبوں کا مجمع ہر جگہ آپ کا ایک ہی پیام تھا، جس طرح ٹھنڈی ہوائیں کھیتوں میں اور چاندنی قصر وایوان اور جھونپڑیوں میں کوئی تمیزنہیں کرتی اسی طرح نبی کی دعوت حق بھی کس امتیاز اور خصوصیت کو گوارانہیں کرسکتی

☆حق کا انکار☆

قبول حق کی راہ میں خاندانی عصبیت آبائی عقائد اور موروثی تصورات ہمیشہ سنگ گراں ثابت ہوئے ہیں، اچھے اچھے اہل نظر اس غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جو بات بہت زمانہ سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ وہ ٹھیک ہے درست ہے جائز ہے لوگ حق وصداقت کو باپ دادا کی محبت واحترام کے پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں انسانی فطرت کی اس کمزوری نے سچائی کے ماننے میں سدار کاوٹیں پیدا کی ہیں اور رخنے ڈالے ہیں تمام مصلحین اور حق کے مبلغین کو اکثر وبیشتر اسی ناسز ذہنیت سے سابقہ پڑا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیمؑ نے جب توحید کا غلغلہ بلند کیا تو چاند ستاروں اور بتوں کی پوجنے والی قوم اس بات پر بگڑ گئی کہ ہیں! آذر کا بیٹا کیا ہمارے سے بھی زیادہ عقلمند اور حق شناس ہے اتنے بڑے بڑے مرتبوں اور شخصیتوں کے لوگ کیا بالکل ناسمجھ تھے صدیوں سے ہم جس راستہ پر چلتے آئے ہیں کیا ابراہمؑ کے کہنے سے اس کو چھوڑ دیں، پوری قوم نے حضرت ابراہیمؑ کا مذاق اڑایا، ان کے پیغام کو جھٹلایا اور خود ان کے گھر کے لوگ اس مخالفت میں پیش پیش تھے، حضرت

سیدنا موسیٰ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا، فرعون جس قوم کا خدا تھا اس نے حضرت موسیٰ کی شدید مخالفت کی ان لوگوں کو بادشاہ پرستی کا مرض لاحق تھا جو شخص تاج وتخت کا مالک ہوتا ہے خدائی کا دعویدار بھی بن جاتا بادشاہوں کے درباروں میں سجدے ہوتے اور جبروت وسطوت کی ماری ہوئی مخلوق بادشاہ کو خدا کا سایہ، سایہ نہیں بلکہ خدا سمجھتی تھی۔

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جس قوم سے سابقہ پڑا وہ آباء پرستی میں پچھلی قوموں سے منزلوں آگے تھی، اپنے پرانے عقیدوں کے خلاف جب انہوں نے سچائی کی باتیں سنیں تو ساری قوم مخالفت پر آمادہ ہوگئی آپ کا چچا ابولہب دشمنان اسلام اور مخالفین رسول کا سرگروہ تھا ۔اس کمبخت اور بدنصیب کا تو دن رات کام ہی یہ تھا کہ حضور ﷺ جہاں تشریف لے جاتے یہ بھی ساتھ ہولیتا، وہاں پہنچ جاتا، آپ ﷺ لوگوں کو سمجھاتے، حق صداقت کا درس دیتے، نیکی کی تبلیغ فرماتے تو ابولہب آپ کی مخالفت کرتا۔قریش سے کہتا کہ لوگو! کہیں عبداللہ کے بیٹے کی باتوں میں آکر اپنے آبائی دین کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔یہ میرا بھتیجا تو (معاذ اللہ) بے دین ہوگیا ہے ۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے ہر مشکل میں ہماری مدد کی ہے۔صدیوں سے ہمارے اسلاف جن بتوں کی پرستش کرتے آئے ہیں کیا اس ایک آدمی کے کہنے سے ان کو ٹھکرادیں۔یہ نہیں ہوسکتا کبھی نہیں ہوسکتا، جب تک میری جان میں جان ہے لات ومنات اور نصر وہبل کی عظمت کے پرچم سرنگوں نہیں ہونگے۔اور ہاں یہ محمد آخرت کے عذاب سے لوگوں کو اکثر ڈراتا رہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا یہ آخرت کیا بلا ہے کیا مرنے کے بعد کہیں کوئی پھر زندہ ہوسکتا ہے۔؟ ناسمجھی کی باتیں! او صاحبو! سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ بے دیکھی ہوئی حقیقت کو ہم آخر کس طرح مان لیں! ہم تو اس کو جب سچا جانیں کہ اپنے خدا سے ہماری باتیں کرادے، یہ تو ہو کہ کم سے کم آسمانوں سے آوازیں آئیں کہ ابن عبداللہ خدا کا بھیجا

ہوا ہے اور اس کی بات پر دنیا کو ایمان لے آنا چاہیے۔

اور ایک ابولہب ہی کیا تما قریش یہی کہتے تھے کہ یہ محمدؐ خدا کا کیسا نبی ہے جو ہماری طرح کھاتا ہے پیتا ہے اور غاروں میں چلتا پھرتا ہے۔اس کے بیوی بچے ہیں دنیا کی ضرورتیں بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔نبوت کا منصب توں مکہ یا طائف کے کسے دولت مند یا شیخ قبیلہ کو ملنا چاہیے تھا محمدؐ ابن عبداللہ کے گھر میں تو بیٹھنے کیلئے ثابت چٹائی نہیں ہے کئی کئی دن کے فاقے ہوتے ہیں اس کے گھرانے میں! بھلا ایسے مفلس اور تہی دست کو نبی مان کر ہمیں کیا مل جائے گا جن لوگوں نے اب تک محمدؐ کو اپنا پیشوا مانا ہے ان میں زیادہ تر غریب کلاس اور پریشان روزگار ہیں کسی کسی کے پاس تو بدن چھپانے کیلئے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ہم بھی محمدؐ کی جماعت میں شامل ہو کر ان جیسے بن جائیں اور صاحب! ابن عبداللہ کے ہم عقیدہ اور ہم خیال ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تمام قریش کی مخالفت مول لے لیں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلقات توڑ دیں۔یہ تجارت بڑی مہنگی پڑے گی بلکہ اس میں ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے۔

وہ لوگ ایک دوسرے سے یہ بھی کہتے کہ محمدؐ پر کوئی شک نہیں انتہائی راست باز صادق الوعد اور امین ہے،اس کے چالیس سال ہمارے درمیان بسر ہوئے ہیں۔آج تک کوئی بری بات اس ظہور میں نہیں آئی اس کے کردار پر کوئی ذرا سی انگلی بھی نہیں رکھ سکتا۔ایسا شریف عفیف اور سچا آدمی تو سارے عرب میں نہیں ہے مکہ کی گلیاں ،قبیس کی چوٹیاں صفا کی چٹانیں اور کعبہ کی خوابیں اس محمد ابن عبداللہ کی نکوکاری کی شہادت دیتی ہیں۔اس کی اب تک سب باتیں اچھی ہی رہتی رہی ہیں۔سنو وہ محمدؐ نے چند دن سے جو اس نے ہمارے بتوں کی برائی کرنی شروع کی ہے یہ ہمیں پسند نہیں۔

......مگر میں کہتا ہوں محمد ابن عبداللہ ﷺ ہمیشہ سے ہمارے بتوں کے مخالف رہے ہیں۔

ایک قریشی نے کہا۔

......نہیں یہ بات تو نہیں ہے......دوسرے شخص نے جواب دیا......ارے صاحب! آپ تو خوش فہمیوں کے شبستانوں کے رہنے والے ہیں اور معاف فرمایئے کم نظر بھی! محمد ﷺ کی پچھلی زندگی پر تو ذرا ایک نگاہ ڈالی جائے! حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ اور آپ کو ماننا پڑے گا میں سچ کہتا ہوں۔......پیر سال خوردہ نے کہا۔

......اچھے کچھ کہے تو سہی، آپ تو نکاح کی طرح شرطیں بندھوا رہے ہیں۔......دوسرے نے جواب دیا۔

......آدمی کے خیالات اس کے عمل، فعل، کردار اور زندگی سے پہچانے اور معلوم کیئے جاتے ہیں۔ کیا آپ نے بچپن میں محمد کو کسی بت کے پاس پھٹکتے بھی دیکھا ہے (سننے والا نفی، میں نہیں) اور دور جوانی میں جہاں تک کہ کوہ صفا پر اعلان کرنے تک محمدؐ کو بتوں کی طرف ذرہ برابر بھی متوجہ پایا۔ (پھر سر کو نفی آمیز جنبش) تو پھر اس کا یہی مطلب نکلا کہ محمدؐ نے کھل کر اعلان تو اب کیا ہے مگر عملی طور پر وہ ہمیشہ سے بت پرستی کا مخالف رہا ہے۔ آپ کو معلوم نہ ہو تو لاؤ بتاؤں، زید بن عمرو بن نفیل نے محمد کی ایک دفعہ دعوت کی تھی۔ گوشت کے خوان جب سامنے آئے تو اس نے جھٹ سے کہہ کر ہاتھ کھینچ لیا کہ بتوں اور استھانوں پر چڑھایا ہوا گوشت میں نہیں کھاتا میں تو وہ کھاتا ہوں جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ تو اسی دن سمجھ گئے تھے یہ شخص ایک دن رنگ لائے گا اور صاحب! یہ ابن عبداللہ تو ہمارے رسم و رواج، معاشرت اور میلوں ٹھیلوں تک کا مخالف رہا ہے پچھلے سالوں میں کیسے کیسے گانے بجانے ہوتے رہے ہیں۔ حسین کو کنیز رفاوہ کے نغمہ کو رقص پر نوے نوے سال کے بوڑھے جھوم جھوم گئے ہیں۔ اور بنت عاصم کی دف نوازی نے آنکھوں کی نیندیں اڑا اڑا دی ہیں۔ سارا مکہ ان محفلوں میں شریک ہوا مگر محمدؐ کی

پرچھائیں بھی وہاں کہیں نظر نہ آئی۔ شراب ہم عربوں کا موروثی شغل ہے۔ ہم جام ومینا کے بغیر ایک رات بھی نہیں گزار سکتے لیکن محمدؐ ابن عبداللہ کو مے نوشی کے کسی شغل میں نہیں دیکھا گیا۔ میں اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمدؐ نے آج تک جام شراب چھوا تک نہیں۔ تو پھر آخر اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔؟ آپ ہی ذرا تشریح کر دیں تو اچھا ہے...... ایک آواز ا) جس طرح دو اونٹ اور دو اونٹ چار اونٹ ہوتے ہیں۔ اس سے کم ہو سکتے ہیں او نہ زیادہ اسی طرح یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محمدؐ ہمارے مذہب، تمدن، معاشرت، اور گردوپیش کا ہمیشہ سے مخالف رہا ہے۔ اسے ہماری تہذیب ایک آنکھ نہیں بھاتی اس کی زندگی ہم سب کی زندگیوں سے مختلف رہی ہے، اپنوں میں رہ کر یہ بیگانہ وشی مخالفت بیزاری اور دوری ونفرت نہیں تو اور کیا ہے...... کہنے والوں کی باتوں پر بیک وقت کئی سروں کو جنبش ہوئی کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

حضرت سید محمد رسول اللہ ﷺ نے ''لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر کفر کے ایوانوں کو کپکپا دیا جہاں جہاں اس کلمہ کی گونج پہنچی شرک وظلم کے عناصر کانپنے لگے، ابوجہل اور ابولہب بھڑکے کہ ہماری سیادت پر اس کی زد آ کر پڑتی ہے ابوسفیان تھرایا کہ میری سرداری کو یہ چیلنج دیا جا رہا ہے۔ نسب ونسل اور خون ورنگ پر فخر کرنے والے ڈرے کہ ہمارے نسبی فکر وغرور کے بتوں پر ضرب لگائی جارہی ہے۔ کاہنوں، راہبوں، جادوگروں اور پروہتوں پجاریوں کو پسینہ آ گیا کہ ہمارا مذہبی تقدس اس کلمہ توحید نے خطرے میں ڈال دیا ہے۔ نفس کے بندے اور خواہشوں کے پرستار خوفزدہ ہوئے کہ ہوسکاریوں کے خلاف یہ محاذ قائم ہو رہا ہے۔ ہماری نفسانی لذتوں کے تمام سہارے ٹوٹ جائیں گے اور عیش پرور وہ زندگیاں بے مزہ اور بے کیف ہو کر رہ جائیں گی۔ جو جتنا زیادہ برا اور راہ استقامت سے جس قدر زیادہ دور اور منحرف

تھا وہ اتنا ہی زیادہ خوف محسوس کر رہا تھا۔...... سچے خدا کا نام بلند ہوتے ہی ہر مصنوعی رب، جھوٹا خدا اور بناوٹی معبود لرز گیا۔ قریش مکہ، یمن شام اور دوسرے ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے پیغام کا تذکر چھیڑتے تو سننے والے آپ ہی آپ سوچ میں پڑ جاتے ان کے دل محسوس کرنے لگتے کہ انقلاب جیسے ہماری طرف بھی بڑھ رہا ہے اور اس کے ردعمل سے باہر نہیں رہ سکتے!

ان تمام مخالفتوں، دشواریوں اور مشکلوں کے باوجود خدا کا سچا نبیؑ حق کا اعلان کر رہا تھا۔ کوئی مخالفت اس کے عزم محکم میں ذرہ برابر ڈھیل پسند نہ کر سکتی تھی، صبر و استقامت اور حق و صداقت کا اس ذات کو ہ گراں تھی، یہ تمام طوفان بے اثر ثابت ہوئے، اس کی رسالت کا چراغ آندھیوں کی گود میں بھی جلتا رہا اور تیزاب کے دھارے میں بھی اس کی صداقت کا پودا نشو و پاتا رہا، فتح و نصرت اس کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔

قریش مخالف ہونے کے باوجود بڑے شش و پنج اور ذہنی کوفت میں بھی مبتلا ہوتے، ان کا ضمیر چٹکی لیتا کہ نادانو جسے تم بچپن سے سچا کہتے آئے ہو اور جس کی زبان سے کسی کان نے ایک حرف بھی غلط اور کذب آمیز نہیں سنا آج اسے کس دلیل کی بنا پر جھٹلاتے ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی جو چالیس سال تک سچ بولتا رہا ہو اور اب ایکا ایکی جھوٹ بولنے لگے، اور وہ بھی کسی دینوی منفعت اور اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں! وہ تم سے مال و دولت نہیں چاہتا، سرداری اور بادشاہی نہیں چاہتا صرف ایک ''کلمہ توحید'' پر تم کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ مگر جب باپ دادا کے عقائد اور قوم کے رسم رواج کا خیال آتا ہے تو ضمیر کی یہ آواز دب کر رہ جاتی ہے۔

قریش نے مل جل کر محمد رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا۔

(۱) آپ جب خدا کے سچے نبیؑ ہیں، اور خدا آپ کی ہر بات مانتا ہے تو مکہ کے سامنے

جو پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں جنہوں نے سارے شہر کو محصور اور ڈھانپ رکھا ہے انہیں اپنے خدا سے کہہ کر ہٹوا دیجئے تاکہ ہمارے شہر کے آس پاس کھلی کھلی فضا ہو جائے۔

(۲) عراق وشام کے باشندے کتنے خوش نصیب ہیں کہ ان کے ملکوں میں دریا موجیں مارتے ہیں جن کی وجہ سے وہاں کی زمین شاداب ہے، آپ بھی اپنے رب سے دعا کیجئے کہ چند نہریں ہمارے یہاں بھی جاری ہو جائیں۔

(۳) آپ کہا کرتے ہیں کہ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے تو پھر اپنے خدا سے کہئے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر دے اور ہاں دیکھئے! ایک بات کا خاص خیال رہے وہ یہ کہ ہمارے آباؤ اجداد میں قصیٰ بن کلاب کو تو جیسے بنے ضرور زندہ کروا دیجئے، قصیٰ ہماری قوم کا سردار تھا اس نے قریش کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے اور وہ سچ بولا کرتا تھا۔ بس ہم قصیٰ سے آپ کے بارے میں بھی پوچھ لیں گے کہ محمدؐ ابن عبداللہ کیا سچ مچ خدا کے رسول ہیں! قصیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حقیقت حال اور صورتحال واقعہ کو وہ ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دے گا۔ اپنی اولاد کو قصیٰ جیسا شریف انسان دھوکے اور اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔

(۴) اور ہاں محمدؐ زندگی کی ضروریات پورا کرنے کے لئے تمہیں خود بازاروں میں جانا پڑتا ہے اپنی پیٹھ پر لاد لاد کر غلہ اور سودا سلف لاتے ہو۔ تلاش معاش کے لئے تمہیں دوڑ دھوپ بھی کرنا پڑتی ہے۔ تمہاری حالت بھی درست نہیں ہے اور تمہارا مکان...... کچا ہے ٹوٹا پھوٹا، نہ گرمی میں آرام دہ اور نہ سردی میں ضرورت کے لئے کافی......تو پھر تم اپنے خدا سے کہو کہ مجھے نبی بنا کر بھیجنے والے قادر مطلق! میرے لئے عالیشان محل بنا دے، میرے اردگرد سونا چاندی جمع کر دے اور میری تفریح کیلئے باغ لگا دے......اور یہ بھی عرض کروا اپنے خدا سے کہ میرے ساتھ ایک فرشتہ کر دیا جائے تاکہ وہ لوگوں سے کہے کہ "یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا ہے۔

قریش کی خام خیالیوں اور کم نظری کے پورے پورے ترجمان ہیں ان کے یہ مطالبے ان کے دل و دماغ کی رنگینیاں اور خوش سامانیاں چھائی ہوئی تھیں۔ اونچے اونچے محلوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور لہلہاتے باغوں کو ہی انہوں نے سب کچھ سمجھ رکھا تھا۔ انسانی شرافت کی قدر قیمت وہ پہچانتے ہی نہ تھے ان کو نہیں معلوم تھا اگر معلوم تھا تو وہ جان بوجھ کر انجان بن رہے تھے، کہ عزت نفس، شرافت سچائی اور انسان کی بڑائی کیلئے قصر وایوان کا طمطراق اور سیم وزر کی خیرہ نگاہیاں ضروری نہیں ہیں، مال و دولت کے پیمانہ سے کسی انسان کی عظمت کا ناپنا سب سے بڑی جہالت اور حماقت ہے اور یہ بھی قدرت کی سنت رہی ہے کہ حق وصداقت کے چراغ شروع شروع میں ٹوٹے پھوٹے مکانوں اور خس و پوش جھونپڑوں ہی میں جلتے رہے ہیں۔

قریش کے ان مطالبوں کے جواب میں زبان نبوت یوں گہر فشاں ہوئی:۔

......میں باتوں کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں اپنے خدا سے ایسا سوال ہرگز نہ کروں گا، مجھے اللہ تعالیٰ نے خدا کی رحمتوں کا خوشخبری دینے والا اور اس کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تم میری بات مان لوگے دین و دینا میں اس سے خود تمہارا فائدہ ہوگا۔ ورنہ میں صبر کرونگا اور خدا کے فیصلے کا منتظر رہونگا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس جواب پر قریش حیرت کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے پھر تامل کے بعد وہ بولے:۔

......تمہیں اپنے سچے ہونے کا اتنا زعم ہے اور خدا پر بہت ناز ہے تو تم آسمان کا ایک ٹکڑا ہی ہم پر گرا دو۔ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، اس پر وہ لوگ بولے کہ جب تک تم ایسا نہ کروگے تو ہم تم پر ایمان لانے سے رہے۔! رسول اللہ نے ارشاد فرمایا یہ خدا کے اختیار میں ہے وہ چاہے گا تو ایسا ہو جائے گا۔

☆عمر فاروقؓ کے اسلام لانے کے بعد!☆

مکہ کے رہنے والے بڑے ہی سخت دل اور سیاہ باطن تھے، کہا جاسکتا ہے کہ ان کے دل پتھر کی طرح سخت مگر بعض پتھروں سے پانی رسنے لگتا ہے یہاں تک کہ چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور یہاں تو قریش کے دلوں میں اتنی بھی صلاحیت نہ تھی، قدرت نے ان کی سمع قبول سے بھی محروم کردیا تھا، ہدایت کی روشنی دیکھ کر ان کی سیاہ باطنی اور تاریکی ضمیر کو الٹی وحشت ہوتی تھی، ان کے دلوں میں بیچ بیچ تالے پڑے ہوئے تھے، آنکھیں تھیں مگر نہ تھیں کان تھے پر سنتے نہ تھے اور دلوں میں شعور وفکر کی استعداد ہی باقی نہ رہی تھی۔...... نادانی کے مجسمے جہالت کے پیکر اور گمراہی کی چلتی پھرتی مورتیں......

حضرت محمدؐ رسول اللہ نے ان نادانوں کو طرح طرح سے سمجھایا، دلنشین سے دل نشین انداز بیان ان کے لئے صرف کردیا۔ عذاب الٰہی کے ڈراوے کو بار بار دہرایا۔ ان سے کہا کہ یہ دنیا کی زندگی تو چند دن کی ہے اس پر انحصار نہ کرو اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو پھر سے زندہ کرے گا اور قیامت کے دن ہر نفس کے اعمال پر محاسبہ ہوگا، مشرکوں، کافروں اور فاسقوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم بنائی ہے جہاں بڑے دردناک عذاب دیئے جائیںگے۔ اور یہی نہیں پچھلی قوموں کی تباہی اور ہلاکت کی داستانیں بھی سنائیں کہ فلاں قوم خدا کی نافرمانی کے سبب اس طرح تباہ ہوئی کہ ان کے چہرے اور رہنے کے مکان تک پہچانے نہ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے جب ان کو آ کر پکڑا تو کوئی طاقت بچا نہ سکی آندھی کے ایک جھونکے اور عذاب الٰہی کی اک چیخ سے انہیں موت کی نیند سلا دیا۔

ہدایت اور بھلائی کی ان باتوں کا قریش نے الٹا مذاق اڑایا، نادان آپس میں کہتے کہ محمد ابن عبداللہ پر کسی نے جادو کردیا ہے۔ کوئی رائے زنی اور قیاس آرائی کرتا کہ محمدؐ جس کو وحی

بتاتا ہے بس زیادہ سے زیادہ اعلٰی درجہ کی شاعری ہے اور اس میں کچھ کہانت کی بھی جھلکیاں نظر آتی ہیں، صداقت کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا، مگر یہ اندھے اس روشنی سے محروم تھے۔

کفار قریش محمدؐ رسول اللہ اور آپ کی دشمنی میں انتہائی شدید اور بیباک تھے مگر اس عداوت کے باوجود ان کے دل اندر سے سہمے ہوئے بھی تھے۔ان کے ضمیر کہتے تھے کہ حق کی آواز کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔اس پیام صداقت میں غیر معمولی طاقت پائی جاتی ہے، مخالفتیں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں ،اس مظلومیت میں بھی محمدؐ رسول اللہ کے ماننے والے ہمت نہیں ہارے ،وہ اپنے عزم میں انتہائی مخلص اور کمال درجہ کے مستقل مزاج اور ثابت قدم ہیں۔اس جذبہ کے لوگ ناکام نہیں رہ سکتے۔

ہدایت کی رفتار شروع میں تیز نہ تھی ،صداقت آہستہ آہستہ اثر کر رہی تھی مگر جس دل میں یہ آواز گھر کر لیتی پھر دنیا کی کوئی طاقت اس دل کو اپنی طرف جھکا نہ سکتی تھی۔وہ شخص دنیا کے ہر فائدے اور نفع کو لات مار کر بس خدا اور رسول کا ہو لیتا اس کی زندگی اسلام بن کر رہ جاتی۔اسلام کی خدمت اسے ہر طرف سے بیگانہ بنا دیتی وہ صحابہ جو ''سابقون الاولون'' کے شرف سے سارے ممتاز ہیں ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، چند گنے چنے لوگ جیسے آٹے میں نمک مگر اسلام کی خاطر ہر قربانی اور ایثار کے لئے ہمہ تن تیار!

خطاب کے نامور بیٹے عمر بھی ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جن کو بہت پہلے اسلام کی دولت میسر ہوئی اسلام لانے سے قبل عمر ابن خطاب دین حق کے سخت دشمن تھے ایک دن تلوار گلے میں ڈال کر گھر سے نکلے کہ آج '' حاکم بدہن'' محمدؐ کو قتل کر کے اس جھگڑے کا ہی خاتمہ کیے دیتا ہوں۔آدمی تھے شجاع اور بیباک !بڑے بڑے بہادر عمر سے گھبراتے تھے ،کفار قریش عمر کے اس عزم کو دیکھ کر بہت خوش تھے کہ عمر کی تلوار سے اب پیغمبر اسلام کو پناہ نہ مل سکے گی۔ابن

خطاب کی تیغ بے نیام ہونے کے بعد اس وقت تک نیام کی عافیت سے آشنا نہیں ہوئی جب تک اپنے دشمن کے لہو میں خوب تیر نہ لے۔ عمر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ ہمارے معبودوں کی برکتیں اس کے ساتھ ہیں۔ محمد کب سے ہمارے خداؤں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اب اس کی سزا انہیں مل کر رہے گی۔ عمر کو تیغ بکف دیکھ کر کفر کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی تھی ابوجہل مسرت کے مارے جھوما جاتا تھا، عتبہ کی آنکھوں میں خوشی چمک رہی تھی۔ اور ابولہب اس خیال سے شادماں تھا کہ اب کوئی دم میں ابن عبداللہ کا کام تمام ہوا جاتا ہے۔ پس اس کے قتل ہوتے ہی اس کا لایا ہوا دین بھی پارہ پارہ ہو جائے گا۔ عمر اپنی بیباک جوانی کے نشہ میں سرشار تھا کہ محمدؐ ابن عبداللہ کے ساتھیوں میں میرا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ وہ تیز تیز چل رہا تھا اتنے میں ایک صحابی راستہ میں ملے عمر کے ارادے کی اطلاع پا کر بولے کہ عمر! پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔

عمر اس اطلاع کے پاتے ہی بہن کے گھر پہنچے، تیور بہت زیادہ خشمگین تھے، آنکھوں سے لہو برس رہا تھا کفر کی حمایت کے جوش نے رخساروں کو تمتما کر لال بھبھوکا بنا دیا تھا۔ بہن قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھی، دروازہ بند تھا عمر نے دستک دی اور دستک کے ساتھ ساتھ آواز بھی دی۔ بہن نے قرآن کے اجزاء سمیٹ کر چھپا دیئے، عمر نے کہا بتا تم کیا پڑھ رہی تھیں، بہن نے بات چھپانی چاہی عمر نے طیش میں آکر بہن کو خوب مارا بہنوئی نے بچانے کی کوشش کی تو وہ غریب بھی اس جھپٹ میں آگئے۔ عمر کی بہن نے کہا کہ عمر! میں مسلمان ہو چکی ہوں، ایمان اب میرے دل سے نہیں نکل سکتا چاہے مجھے قتل کر دے۔ اس جواب پر عمر کو غصہ آنے کی بجائے حیرت ہوئی وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیسا نشہ ہے جو لہولہان ہو کر بھی نہیں اترا بلکہ اور تیز ہو گیا ہے۔ بہن سے فرمائش کی کہ جو چیز تم میرے آنے سے پہلے پڑھ رہی تھیں

مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے قرآن کی آیتیں تلاوت کیں، ایک ایک لفظ عمر کے دل میں نشتر کی طرح اترنے لگا۔ بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا آئیں اللہ ۔ کے کلام کی تاثیر نے تقدیر عمر کو بدل دیا ایمان کی بادِ بہاری جو چلی تو کفر و بے یقینی کے چراغ آن کی آن میں بجھ گئے۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں عمر تیزی کے ساتھ پہنچے، حضور عمر کا گریبان پکڑ کر مسکرائے عمر نے کلمہ شہادت پڑھا اور صحابہ کرام نے اس جوش کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں، محمدؐ رسول اللہ کی ایک مسکراہٹ نے عمر کو سب کچھ دے دیا...... ہدایت، سعادت، برکت، فوز و فلاح اور سب کچھ جو ایک خداشناس اور جویائے حق کو دیا جا سکتا ہے۔ عمر جو محمدؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چلے تھے۔ اب محمدؐ کے غلام بن کر لوٹے، سر سے پیر تک بدلے ہوئے۔

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

کفار قریش اس انتظار میں تھے عمر واپس آ کر خوشخبری سنائیں گے۔ کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ہم سب مل جل کر لات و ہبل کی جے پکاریں گے اور اس کے بعد ...... اپنے کانوں سے خدیجہؓ کی آہ و بکا، ابو بکرؓ کی غمناک چیخیں علیؓ کی دلدوز آہیں اور بلال حبشیؓ کی صدائے فغان و فریاد سنیں گے۔ ابو طالب کے گھر میں صف ماتم بچھ جائے گی۔ اور مسلمان غم کے مارے اپنے سینے کوٹتے ہونگے، کتنا زمانہ ہو گیا ہے کہ ہمیں اپنے معبودوں کی برائیاں سنتے سنتے! برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ ابن خطاب کی غیرت نے آخر کار ہم سب کو سرخرو کر دیا ہے۔ ورنہ دنیا کہتی کہ قریش بڑے بے غریت اور بزدل ہیں کہ ایک انسان کو نہ مارا گیا ان سے!

مگر قدرت ان کے ارادوں اور خوش خیالوں پر ہنس رہی تھی، کہ نادانوں! تمناؤں کے جن

کمزور کھلونوں سے تم دل بہلا رہے ہو بہت جلد ٹوٹنے والے ہیں۔تمہاری امیدوں کے باغ اجڑ تو سکتے ہیں مگر لہلہا نہیں سکتے، تمہاری آرزوؤں کے محل سرنگوں ہو کر رہیں گے۔اپنی کثرت اور قوت پر اتنا گھمنڈ نہ کرو کہ محمدؐ سے جنگ خود سے جنگ ہے، اپنے کو قوی اور مسلمانوں کو کمزور پا کر اتراؤ نہیں کامیابی اور نا کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کے بعد خانہ کعبہ میں پہنچے اور کافروں سے لڑ بھڑ کر نماز پڑی کفر حیران تھا، انگشت بدنداں تھا اور مغموم تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟ بتوں کا پجاری عمرؓ ایک خدا کی بارگاہ میں سر جھکانے لگا، محمدؐ رسول اللہ کا دشمن ان کا غلام بن گیا۔جس کی تلوار سے ہم قریشیوں کو بہت کچھ امیدیں تھی اب وہ ...... اسلام کی حمایت میں بے نیام ہوا کرے گی۔عمرؓ کا مسلمان ہونا بہت بڑا واقعہ ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم قریشیوں کا سیدھا بازوں ٹوٹ گیا۔عمر سے نادانی اور کم ہمتی کی ہرگز توقع نہ تھی۔محمدؐ رسول اللہ کی نگاہ اور زبان میں نہ جانے کیا تاثیر پہناں ہے کہ آدمی بس انہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ حضرت حمزہ جیسے بہادر اور جری لوگوں کو مسلمان ہوتا دیکھ کر اہل مکہ کی عداوت اور تیز ہو گئی۔ان کے عتاب کا پارہ بہت اونچا ہو گیا۔آپس میں مشورے ہونے لگے کہ اگر اسلام کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہی سارا مکہ اپنے آبائی دین سے پھر جائے گا۔اور لات وہبل کی طرف شاید ایک پیشانی بھی نہ جھکا کرے گی۔یہ چیز اب برداشت نہیں کی جاسکتی۔اس کا توڑ جلد بہت جلد ہونا چاہیے۔

سب لوگ اکٹھے ہو کر ابوطالب کے پاس آئے تمتماتے ہوئے چہرے غضب ناک تیور ،جوش غضب سے آنکھوں کے ڈھیلے نکلے پڑتے تھے؟ کسی کے گلے میں تلوار کسی کے ہاتھ میں نیزہ اور کسی کے کندھے پر ترکش لٹکی ہوئی تھی دکھانا یہ تھا کہ ہم لڑائی کیلئے تیار ہیں۔ہمارے

پاس زور ہے، ساز و سامان ہے، آدمیوں کی کثرت اور اسلحہ کی بہتات ہے، ہم نے نعرہ جنگ بلند کیا تو پھر مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

ان لوگوں نے یک زبان ہو کر ابو طالب سے کہا:

ابو طالب ہم آپ کا احترام کرتے ہیں اسی احترام اور مروت کے سبب ہم نے اب تک کوئی مزاحمت نہیں کی ہم اس طرح اور ڈھیل دیتے رہے کہ آپ کا بھتیجا محمدؐ شاید اپنی حرکتوں سے باز آ جائے، مگر اس کی سرگرمیاں تو روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔ ہم آخر کب تک اپنے خداؤں کی برائی سنتے رہیں، جن خداؤں نے ہماری مشکلیں حل کی ہم پر احسان کا مینہ برسایا ہے کیا ابن عبداللہ کے کہنے میں آ کر ہم ان سے نیازمندی اور عقیدت کا رشتہ توڑ لیں، یہ نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے ابو طالب آپ سمجھدار ہیں اور غیور بھی! خود آپ کو بھی یہ باتیں پسند نہ ہوں گی۔ ہم تین شرطیں لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔

(۱) اپنے بھتیجے محمدؐ سے کہئے کہ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے

اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو

(۲) آپ محمدؐ کی حمایت سے ہاتھ اٹھا کر اسے ہمارے حوالے کر دیجئے!

(۳) ورنہ پھر ہم سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جایئے۔

سنئے ابو طالب یہ ہمارا آخری اور قطعی فیصلہ ہے، ہم اپنی تمام قبائلی مخالفتوں اور خاندانی عداوتوں کے باوجود اس مقصد کے لئے بالکل ایک ہو گئے ہیں،۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے کہ آپ کو ان شرطوں میں سے کونسی شرط منظور ہے بوڑھے آدمی جہاندیدہ تجربہ کار اور ہوشمند ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ آپ بھی دانائی اور فراست کا ثبوت دیں گے۔ آپ کے ادب و احترام کے سبب جس میں مروت اور ہمدردی بھی شامل ہے ہم نے نہایت ہی آسان اور ہلکی شرطیں پیش کی

ہیں۔ ہمارے نوجوان تو ان شرطوں کے بھی خلاف ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ ہمیں بنی ہاشم سے فوراً جنگ چھیڑ دینی چاہیے۔ مگر ہم نے انہیں سمجھا بجھا کر راضی کیا کہ نرمی اور سہولت سے کام نکل جائے تو اچھا ہے ہم ابو طالب کے پاس جا رہے ہیں۔ اور ان سے آج دوٹوک باتیں کریں گے۔

ابوطالب قریش کی گفتگو سن کر سوچ میں پڑھ گئے ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچتے رہے کہ عجیب مشکل آن پڑی ہے۔ پیارے بھتیجے کو ان ظالموں اور سخت گیر دشمنوں کے حوالے کرتے ہوئے دل دکھتا ہے۔ اور محمد کی رفاقت کرتا ہوں تو ہزاروں آدمیوں سے لڑائی مول لینی پڑتی ہے۔ کیا کروں کیا نہ کروں، یہ لوگ سچ مچ بگڑ بیٹھے تو ہم گنتی کے بنو ہاشم ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ ہزاروں تلواریں بیک وقت ہمارے سروں پر ٹوٹ پڑیں گی تباہ ہو جائے گا ہمارا گھرانا؟ سو دو سو آدمی ہوں تو ان کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہزاروں آدمیوں کے حملہ کی تاب لانا بہت دشوار ہے، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر تلواریں سونت کر میدان میں آجاتے ہیں۔ اور جب تک زمین خون میں ڈوب نہیں جاتی لڑائی بند نہیں کرتے اور یہ تو ان کے آبائی عقائد اور دین کا معاملہ ہے اس کے لئے تو وہ جان کی بازی لگا دیں گے۔ ابوطالب کے دل و دماغ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے، کبھی تصویر کا روشن پہلو سامنے آتا اور کبھی انتہائی تاریک اور بھیانک رخ ہمت توڑ دیتا۔

ابوطالب نے حضرت محمدؐ رسول اللہ کو بلا کر کہا کہ تمہاری قوم میرے پاس آئی تھی اور یہ بات مجھ سے کہہ کر گئی ہے، تم اپنی ذات پر رحم کرو، اتنے لوگوں سے لڑنا میری طاقت سے باہر ہے، اس پر خدا کے سچے رسول نے نہایت اطمینان سے بے خوفی اور یقین کے ساتھ فرمایا:۔

آپ شاید اس گمان میں ہونگے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر یہ کام کرتا ہوں، نہیں

یہ بات نہیں ہے! میرا ناصر وحامی تو میرا خدا ہے میرے اللہ نے اس کام کے لئے مجھ کو حکم دیا ہے۔ جب تک یہ مہم مکمل نہ ہو جائے گی تب تک میں ہٹوں گا نہیں!۔ آپ اس نیک کام میں میری موافقت اور مدد کریں تو یہ آپ کی سعادت ہے ورنہ خدا کی مدد اور آسمانی تائید میرے لئے کافی ہے۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض کے ادا کرنے سے نہ رکوں گا۔

اس جواب کو سن کر ابو طالب کی آنکھوں میں بے اختیار آنسوں آ گئے وہ بولے:۔

یا محمد تم اپنا کام جاری رکھو، رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک میری جان میں جان ہے اور میرے نتھنوں میں سانس جاری ہے تب تک یہ لوگ تم پر قابو نہیں پا سکتے۔

☆ پتھروں کی بارش ☆

مکہ سے چند کوس کے فاصلہ پر طائف کی بستی ہے جو اپنے شاداب **باغیچوں** اور لہلہاتے کھیتوں اور سرسبز نخلستانوں کے لئے بہت مشہور ہے، طائف ملک حجاز کا کشمیر ہے گرمی کے زمانہ میں حجاز کے رؤساء وہاں قیام کرتے ہیں۔ تاکہ جھلسا دینے والی ہواؤں کے طمانچوں سے بچے رہیں طائف کے آس پاس کی زمین بہت زیادہ زرخیز ہے، پھل اور ترکاریاں خاص طور پر پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پیام حق کی تبلیغ کے لئے پیدل چل کر طائف پہنچے طائف کے سب سے بڑے رئیس عبد لیل پر اسلام پیش کیا اور اس کے بعد عام طور پر وعظ و تلقین فرمانے لگے۔ اس درس ہدایت میں خدا کی بڑائی بت پرستی کی مذمت برائیوں سے باز رہنے کی تاکید اور اچھائی کی زندگی گزارنے کی دعوت تھی، انتہائی شیریں لہجہ، نرم الفاظ، نشین تقریر! مگر طائف کے لوگ مکہ والوں سے کم ظالم اور حق شناس نہ تھے، ان کم بختوں نے اپنے غلاموں اور

چھوکروں کو آپؐ کے خلاف اکسا کر پیچھے لگا دیا، سر بازار آپ کو گالیاں دی گئیں، برا بھلا کہا گیا اور پھر پتھروں کا مینہ برسایا گیا یہاں تک کہ پائے مبارک خون سے بھر گئے۔

یہ منظر بڑا ہی دردناک تھا، سورج کی آنکھ سے خون ٹپکا پڑ رہا تھا، درودیوار کانپ کانپ جاتے تھے، سینہ گیتی سے دلدوز آہیں نکل رہی تھیں، بحروبر کی زبان پر فریاد تھی، ایک طرف دنیا کا سب سے بڑا انسان۔ انسانیت کا محسن اور خدا کا سچا نبی بھلائی کی باتیں بیان کرر ہا تھا، لوگوں کو اندھیرے کی سمت سے روشنی کی طرف بلا رہا تھا اور دوسری طرف اس کے جواب میں پتھر برسائے جا رہے تھے۔ رسول اللہؐ زخموں کے سبب زمین پر گر پڑتے، آپؐ کے خدام بازو پکڑ کر کھڑا کرتے اور چلنے لگتے تو وہ نامراد اور زیادہ تیزی اور بیدردی کے ساتھ پتھراؤ کرتے ، یہاں تک کہ حضور پھر زمین پر بیٹھ جاتے، آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر طائف کے لونڈے تالیاں بجا بجا کر ہنستے، حضرت زید بن حارثہ نے رسول اللہ کو بچانے لئے اپنا سینا سپر کر دیا اور پتھروں سے اس جان نثار خادم کا سر پھٹ گیا۔

موت وتباہی وہلاکت کے فرشتے انتظار میں تھے کہ اب رسول اللہ کی زبان سے آل طائف کے لئے بددعا نکلتی ہے اور خدا کا حکم پا کر طائف کی سرزمین کو ہم دھوئیں کی طرح اڑا دیتے ہیں۔ محمدؐ کے لہو کی ایک ایک بوند کا ہم انتقام لے کر رہیں گے۔ ایک ایک درشت فقرے کا جواب دیا جائے گا۔ عاد وثمود کی قوموں سے زیادہ برا حشر کر کے چھوڑیں گے ان طائف والوں کا! سید عالم کی توہین سے اور بڑھ کر جرم کیا ہو سکتا ہے۔...... مگر رحمتہ اللعلمین کی زبان حق ترجمان سے ایک لفظ بھی بددعا کا نہ نکلا اپنے اللہ سے اس ظلم وزیادتی کا آپ نے ذرا بھی شکوہ نہیں کیا صبر واستقامت اور توکل علی اللہ کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کے ذکر سے تمام اگلی پچھلی تاریخیں خالی تھیں۔

طائف والے اپنی کامیابی پر بہت نازاں تھے کہ ہم نے اپنے معبودوں کی توہین کا آج خوب جی کھول کر بدلہ لے لیا، وہ بہت بے نڈر ہو گئے تھے اور اپنے کئے پر ذرا بھی پشیمان نہ تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ اس کا خدا نہ تو اسے بچاتا ہے اور نہ ہی اس کی مدد کے لئے آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتا ہے۔ یہ ان کی خیام خیالیاں اور غلط فہمیاں تھیں! باطل سدا سے اسی طرح کے دھوکوں میں خوش رہتا آیا ہے۔

حضرت محمد ﷺ طائف سے واپس ہوئے پاؤں زخموں سے چور تھے، طائف کی ٹھنڈی ہواؤں سے چوٹوں میں ٹیس ہوتی تھی اور راستہ کی گرد وغبار نے زخموں کو اور زیادہ تکلیف دہ بنا دیا تھا۔ پھولوں کے عوض بدن پر جراحتیں لے کر آپ مکہ پہنچے کفار مکہ آپ کی نقل وحرکت کی خبر رکھتے تھے کہ آج کیا کہا کس سے ملاقات ہوئی، کس پر کیا اثر ہوا؟ طائف کے واقعہ کی اطلاع سے وہ بہت خوش ہوئے اور طائف والوں کے اس ظلم کو خوب سراہا، ان کے بڑے بوڑھے نوجوان قریش کو غیرت دلاتے کہ تم سے زیادہ بہادر اور غیرت مند طائف کے چھوکرے نکلے جنہوں نے محمدؐ ابن عبداللہ کی سربازار توہین کی اور ان کی بات کسی کو نہ سننے دی۔

☆غموں کا سال☆

ان تمام مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ جو اس دین حق کو قبول کر لیتا وہ اپنی جگہ خود پیکر تبلیغ اور مجسم ہدایت بن جاتا، مکہ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کی روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ اسلام کی اس ترقی کو دیکھ کر کفار قریش بہت تلملائے کہ محمدؐ ابن عبداللہ کا پیام تو کسی طرح نہیں رکتا۔۔ یہ پودا تو مخالفتوں کی آندھیوں میں اور جڑ پکڑتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اور یہی نہیں اس دین میں نہ جانے کیا لذت ہے کہ جس نے اسے قبول کر لیا بس وہ اسی کا ہو گیا۔ مسلمان سر راہ پٹتے ہیں، زخم کھاتے ہیں گھر والے انہیں کھانا

کپڑا تک نہیں دیتے۔ مگر یہ لوگ ایسے دھن کے پکے ہیں کہ تمام سختیوں کے باوجود محمدؐ ہی کا کلمہ پڑھے جاتے ہیں۔

اعیان قریش جمع ہوئے کہ کس کام کے لئے ؟ کیا کسی کے یہاں دعوت تھی ! کسی بادشاہ یا حاکم کے دربار میں سفارت بھیجنی تھی ! تجارتی سفر کے لئے مشورہ ہو رہا تھا...... نہیں ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تباہی ہلاکت اور آپ ﷺ کے پیام کو نا کام بنانے کی تدبیر سوچنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی ، بہت کچھ سوچ بچار اور قیل وقال کے بعد آخر یہ طے ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کو آپ کے پورے خاندان کے ساتھ کسی جگہ محصور کر کے سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے ، کھانے پینے کی چیزوں کی جب بندش ہوگی تو بنو ہاشم بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر ہماری ہر شرط مان لیں گے۔ قوم کا دباؤ بہت بری چیز ہے اچھے اچھوں کے ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں۔

منصور بن عکرمہ نے تمام قبائل کی طرف سے ایک معاہدہ لکھا ” جب تک محمدؐ ابن عبداللہ ﷺ کو بنو ہاشم قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک بنو ہاشم سے نہ کوئی بیاہ شادی کریگا ، نہ ان کے ساتھ خرید فروخت ہوگی ، نہ ان سے کوئی بول چال رکھے گا اور نہ اس خاندان والوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز جانے دے گا۔ یہ معاہدہ اونٹ کی کھال پر لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا ، تا کہ تمام مکہ اس سے آگاہ ہو جائے ، جو شخص اس معاہدے کو پڑھتا وہ دوسرے سے ذکر کرتا اور دوسرا تیسرے سے ! اسطرح تمام مکہ میں اس کی شہرت ہوگئی کہ بنی ہاشم سے ملنا جلنا معاملات کرنا اور انہیں کھانے پینے کی چیزیں دینا بہت بڑا قومی جرم ہے۔ قبیلوں کے تمام سردار اس معاہدے میں شریک ہیں اس لئے ہر قبیلہ والوں کیلئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

ابوطالب اپنے خاندان سمیت شعب ابوطالب میں آکر پناہ گزین ہوگئے۔ یہ ایک طرح کی قید تھی اس گھرانے کے کسی آدمی سے کوئی قریشی بات چیت نہ کرتا، گلیوں کے موڑوں پر پہرے بٹھادیے گئے تھے کہ کوئی شخص ترس کھا کر کھانے پینے کی کوئی چیز بنو ہاشم تک نہ پہنچادے ،شعب ابوطالب سے آنے جانے والوں کی نقل وحرکت پر کڑی نگرانی رکھی جاتی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ پر کئی کئی وقت کے فاقے گزرنے لگے، صحابہ کرام بھوک سے بے تاب ہوکر درختوں کی پتیاں کھا کھا گزر بسر کرتے ،ایک صحابی کو اتفاق سے گلی میں ایک سوکھا چمڑا مل گیا انہوں نے پانی میں بھگو کر اسے کوٹا اور جب خوب نرم ہوگیا تو اسے حلق سے اتارلیا ، ہاشمی گھرانے کے پھول سے بچے بھوک کی تاب نہ لا کر روتے تو ان کی آوازیں سن سن کر قریش خوش ہوتے ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے کہ قبائل قریش نے اس معاہدے کی پابندی کر کے قومی عظمت کو دوبالا کر دیا ہے۔ اگر ہم سب میں اسی طرح یک جہتی اور ایکا رہا تو بنی ہاشم مجبور ہورکر ہمارے آگے جھک جائیں گے۔ معاشرتی مقاطعہ کی مار بہت بری ہوتی ہے۔ آخر کب تک ان سختیوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے وہ وقت بہت قریب ہے کہ ابوطالب اپنی سفید داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر کہتے ہونگے کہ بھائیوں ! میرے خاندان کی خطا معاف کردو یہ لو محمدؐ ابن عبداللہ کو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں ان کو چاہے قید میں رکھو یا قتل کرڈالو۔

پورے تین سال اسی عالم میں گزر گئے ، پریشانیوں کی کوئی انتہا نہ رہی ، مصیبتوں کی حد ہوگئی مکہ کی بھری بستی میں بنو ہاشم بیگانوں بلکہ اچھوتوں اور قیدیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

بیکس اور کسمپرسی کی زندگی ، ایسی زندگی جس کے مقابلہ میں آدمی خودکشی کو ترجیح دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ قریش نے بنو ہاشم ، محمدؐ، اصحاب محمد کو ایک ایک دانہ کے لئے ترسایا مگر ان کے

ثبات عزم میں فرق نہ آیا۔ بھوک پیاس کی حالت میں بھی وہ اپنے خدا کی حمد وثنا کرتے رہے ،ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کسی مصلحت کی آڑ لے کر صلح کر لیتا۔ مگر یہاں مرنا قبول تھا مگر اپنے مقصد سے سر مو ہٹنا کرنا گوارا نہ تھا۔ یہاں تک کہ اندوہ و مصیبت کے یہ تین سال بھی بیت گئے اور کفار قریش کے سوشل بائیکاٹ کا یہ بھر پور وار بھی اوچھا نکلا۔

ابوطالب کا بڑھاپا تھا، غموں نے ان کو نڈھال کر دیا، بھتیجے کی حمایت کے سبب ساری قوم مخالف ہو گئی تھی ، بوڑھی اور کمزور ہڈیاں تھیں کب تک بار غم اٹھاتیں ،ایک بار بیمار پڑ گئے ،حضرت محمد رسول اللہ ﷺ شفیق چچا کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ابو طالب نے آپؐ سے کہا:۔

یا ابن عم! جس خدا نے تجھے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے،اس سے میرے اچھے ہو جانے کی دعا کیوں نہیں کرتا۔؟

حضورؐ نے چچا کی اس خواہش کا اشارہ پا کر خدا کی بارگاہ میں دعا کی دعائے محمدؐ کے خیر مقدم کے لئے اجابت خود دوڑی ہوئی آئی اور ابوطالب تندرست ہو گئے۔ ان میں توانائی آ گئی جیسے ان کے نحیف جسم میں کسی نے نئے سرے جان ڈال دی ہو خوش ہو کر بولے:۔

بھتیجے! خدا تیری بات مانتا ہے......

اس پر حضور نے فرمایا:۔

"عمی! اگر آپ بھی خدا کی بات مان لیں اور اس کے کہے کو پورا کر دکھائیں تو وہ بھی آپ کا کہا مانے گا ۔

چند دن اچھے رہ کر ابو طالب پھر بیمار پڑ گئے۔ زندگی کا آفتاب سچ مچ بام آ گیا۔ بڑھاپے کی اوٹ سے موت جھانکنے لگی، سانس کا ڈورا کمزور ہو گیا تھا، کہ بس ذرا سے جھٹکے کی دیر تھی ، پھر قصہ

پاک تھا، دنیا میں ہر دکھ کا علاج اور ہر درد کا مداوا موجود ہے مگر موت کا کوئی علاج نہیں۔ ابن مریم اور کی مسیحا نفسی بھی مرض موت کا مداوا نہیں کر سکتی۔ اس منزل میں آ کر ہر کوئی مجبور اور بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ اس راستہ میں قدرت شاہ و گدا اور عالم و جاہل کے ساتھ بالکل ایک سا برتاؤ کرتی ہے۔ موت کا فرشتہ آہنی قلعوں میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ اسی آسانی کے ساتھ جس طرح جھونپڑیوں میں پہنچتا ہے۔ ملک الموت کے وار کا توڑ کسی کو نہیں معلوم، اس کے پنجہ سے کسی کا حلقوم بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ابوطالب کی بیماری نے قدرے طول کھینچا، مکہ کے رسم و رواج کے مطابق دوا دارو بھی ہوئی مگر قدرت ان کی زندگی کے منشور پر خاتمہ کی مہر لگا چکی تھی۔ آخر کار بوڑھے ابوطالب نزع کی ہچکیاں لیکر موت کی ابدی نیند سو گئے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو شفیق و غمگسار چچا کی موت کا غم ہونا ہی چاہیے تھا مگر کفار قریش کے گھروں میں خوشی کے چراغ جل رہے تھے اور جشن مسرت ہو رہا تھا۔ کہ آج محمد ﷺ کا سب سے بڑا سہارا جاتا رہا ابوطالب کی حمایت جو آج تک ابن عبداللہ کے کام آتی رہی اب موت نے چھین لی، مٹا دی، بلکہ فنا کر دی، اول، تو محمدؐ چچا کی موت سے خود ہی شکستہ خاطر ہو گئے ہوں گے، اور ان میں پہلا سا جوش نہ رہا ہوگا۔ لیکن اب بھی انہوں نے پہلے کی طرح اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں تو ہم ان کا زور توڑ کر رکھ دیں۔ یہ ابوطالب کا منہ تھا، جو ہم محمدؐ ابن عبداللہ کی تھوڑی بہت رعایت کر جاتے تھے اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت، درگزر، چشم پوشی اور مروت روا نہ رکھی جائے گی چچا کی محبت بھتیجے کے لئے ہر جگہ سپر بن جاتی تھی مگر اب وہ سپر ہی ٹوٹ گئی۔

یہ ان لوگوں کی بھول، کم نظری اور کوتاہ اندیشی تھی، قدرت ان کی باتوں پر ہنس رہی تھی کہ ارے نادانو! محمد ﷺ کا بھروسا ابوطالب پر نہیں خدا پر تھا، ابوطالب مر گئے مگر خدا زندہ ہے۔

ہاں! ہاں، ! تمہاری آنکھوں نے ابوطالب کی موت پر محمدؐ کو مغموم وافسردہ دیکھا ہے مگر یہ غم اور افسردگی اس لئے نہیں تھی کہ محمدؐ بے سہارا ہوگیا، یہ تو قرابت، خون، تعلقات اور فطری لگاؤ کا غم تھا۔ محمدؐ کے غم کو اپنے دینوی اور غرض مند غموں کے پیمانوں سے ناپنے کی غلط کوشش کی ...... یادرکھو! جان لو! اچھی طرح سمجھ لو! کہ محمدؐ کو دنیا میں کسی سہارے اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جس خدانے اسے نبیؐ بنا کر بھجا ہے، وہی اس کا محافظ، نگہبان اور سب سے بڑا سہارا ہے۔...... اور تمہاری اس دنیا کے سہارے تو کچے دھاگے سے بھی زیادہ کمزور ہیں ذرا اونچ نیچ ہوئی اور یہ دھاگے یا تو بکھر گئے یا ٹوٹ گئے، مگر خدا کا سہارا نہیں ٹوٹ سکتا غم اور مصیبتیں تو اس تعلق رابطہ اور سہارے کو اور مضبوط بناتی ہیں۔

غم سے دل میں ایک خاص گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اس نے ان مقدس نفوس کو جن سے دنیا کی صلاح ورہبری متعلق کی ہے، غموں مصیبتوں ، پریشانیوں اور سخت آزمائشوں میں مبتلا کیا ہے، عیش ونعم کی فضا ہدایت واصلاح کے مقدس پودے کے لئے سدا ناسازگار ثابت ہوئی ہے۔ دوسرے کا غم وہی شخص اچھی طرح جان سکتا ہے جو خود غم وآلام کا شکار رہا ہو، بھوک کی شدت اور تکلیف فاقہ کشوں سے پوچھیئے یہ شکم سیر اور پیٹ بھرے اسے کیا جانیں! جس کی بوائی بھی نہ پھٹی ہو وہ غم نادیدہ پرائی پیڑ کیا سمجھے!

ابوطالب کی موت کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی غمگسار شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ چند دن بیمار رہ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں، آگے پیچھے ایک چھوڑ دو غمخوار اور شفیق عزیزوں کا اٹھ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ غموں کے دو پہاڑ تھے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ابن عبداللہ پر ٹوٹ پڑے مگر محمدؐ ان غموں کو صبر وشکر کے سہارے برداشت کر گئے، اللہ تعالیٰ نے صبر کی بشارت اور اپنے وعدۂ معیت سے آپ کے دل کو تھاما، مگر کسی سانحہ

کومحسوس کر کے اس سے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے۔آپ پر بھی دہرے حادثوں کا اثر ہوا اس سال کو آپ ''عام الحزن'' یعنی غموں کا سال فرمایا کرتے تھے۔

ابوطالب کی موت پر ہی کافروں نے خوشیاں منائی تھیں اور اب حضرت خدیجہ کے انتقال نے ان کی مسرتوں میں اور اضافہ کر دیا۔دشمنی آدمی کو بہت سنگ دل اور بے رحم بنا دیتی ہے۔یہاں تک کہ اپنے حریف اور مدمقابل کی پریشانی اور مصیبت زدگی پر دکھ کی جگہ خوشی ہوتی ہے۔کافر سمجھ رہے تھے کہ محمدؐ کے غم خوار، دوست، عزیز اور تمام سہارے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں بس کوئی دن میں یہ ترکی تمام ہونے والی ہے۔جو نبی (معاذ اللہ) اپنے شفیق چچا اور غمگسار بیوی کو موت سے نہ بچا سکا وہ اپنے دین اور اس کے ماننے والوں کو کیا بچا سکے گا۔آسمانوں کی خبر دینے والا زمین کی مصیبتوں کو نہیں ٹال سکتا......نادانی کے ظن وتخمین! جہالت کے اندیشے!

☆نجاشی کے دربار میں☆

کفار قریش کے ظلم وستم کی رفتار اب اور زیادہ تیز ہوگئی ،ان کے دل کی کھوٹ ایذا رسانیوں اور جبر سامانیوں کی صورت میں ظاہر ہونے لگی ،وہ اب سچ مچ حضرت محمدؐ رسول اللہ اور آپؐ کے صحابہ کے خون کے پیاسے ہوگئے ،ان سب نے ایکا کر لیا تھا ،اپنے جھوٹے خداؤں کی قسمیں کھا کھا کر اس بات میں متحد ہوگئے تھے کہ جیسے بن پڑے گا مکہ سے اسلام کے شیدائیوں کا نام ونشان مٹا کر دم لیں گے۔ کانٹے کی نوک سے لے کر نیزے کی انی تک ہر چیز مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جائے گی۔جب تک ہمارے دم میں دم ہے یہ نیا دین عرب میں نہیں چل سکتا، لات وہبل کی عظمت پر ہم حرف آنے نہ دیں گے

اسلام دشمنی اذیت کوشیوں کے ہر ضروری ہتھیار سے لیس ہو کر مخالفت کے میدان

میں آگئی ، مشورہ نہیں بلکہ عہد و پیمان ضرور ہوئے کہ مکہ کی زمین محمدؐ ابن عبداللہ اور آپؐ کے ساتھیوں پر تنگ کردی جائے گی۔ کھل کر چھپ کر، جس طرح ممکن ہوگا مسلمانوں کو ستایا جائیگا۔ کوئی بت پرست اپنے مسلمان عزیز کے ساتھ اس معاملہ میں رو رعایت نہ کرے گا۔ قومی سربلندی اور آبائی عظمت ہر چیز سے قیمتی اور عزیز تر ہے، ابوطالب اور خدیجہؓ کی پے در پے موتوں نے محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو دل شکستہ کردیا ہے، ان کی اس دل شکستگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔۔ غم زدہ دل مخالفتوں کو دیکھ کر سراسیمہ ہوجائیں گے۔...... اور ہماری غیرتوں کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ گنتی کے چند آدمیوں کو ہم سے تباہ نہیں کیا جاتا، گلیوں اور بازاروں میں اپنے معبودوں کی ہم برائی سنتے ہیں اور کہنے والے کے جسم میں ایک سوئی بھی ہم سے نہیں چبھوئی جاتی ،حالانکہ لات ومنات کو برا کہنے والی زبان گدی سے کھینچ کر پھینک دینے کے قابل ہے۔

مرد تو مرد عورتیں تک خود حضور نبی کریم (علیہ الصلوۃ والتسلیم) اور آپ کے جانثاروں کو ستانے کے لئے کمربستہ ہوگئیں، جاہلانہ عصبیت پوری قوت کے ساتھ عود کر آئی تھی، قریش صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن تھے، قبائلی عداوتیں قرنوں سے چلی آتی تھیں، انتقام اور کینے دلوں میں مدت سے پرورش پا رہے تھے۔ قومی اتحاد کی جھاڑو شاید قصٰی کی موت کے بعد ہی بکھر چکی تھی۔ مگر اسلام دشمنی کے لئے وہ سب ایک ہوگئے تھے۔ اس مقصد میں وہ یک زبان یک خیال اور ہم مقصد تھے، قمار بازی کے لئے پانسے پھینکنے میں وہ ایک دوسرے سے لڑ بیٹھتے بکریاں چرانے اور گھوڑے دوڑانے پر خون خرابہ ہوجاتا، شعر شاعری کے جلسوں میں مفاخرت خون ریزی کی شکل اختیار کرلیتی۔ مگر حضرت محمدؐ رسول اللہ کی مخالفت میں وہ سب یک جان اور متحد تھے ان میں سے ہر شخص رسولؐ اللہ اور آپؐ کے صحابہ کے ستانے میں ابوجہل اور ابولہب سے زیادہ شدید اور ظالم بننے کی کوشش کرتا۔

نوجوان چھوکرے اپنے گھر والوں سے فخریہ لہجہ میں کہتے کہ آج فلاں نخلستان میں ہم نے فلاں مسلمان کو خوب جی بھر کر مارا، اس کے بدن کو لہولہان کر دیا، کوئی بیان کرتا کہ بنو ہذیل کی گلی میں ایک مسلمان کو میں نے پہلے تو فحش گالیاں دیں اور پھر اس کی پیشانی پر تاک کر جو پتھر مارا ہے تو ہمارے معبودوں کا یہ دشمن زخم کے اثر سے تلملا کر زمین پر گر پڑا اور میری ٹھوکروں نے اسے اور ہلکان کر دیا کوئی عورت کہتی کہ میں بنو ہاشم کے گھرانے میں گئی تھی ایک مسلمان عورت گوشت پکا رہی تھی میں اس کی ہانڈی میں راکھ جھونک آئی ہوں کوئی شخص فخر کرتا کہ میں نے نماز پڑھتے میں خود محمدؐ ابن عبداللہ کے سر پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی۔

کفار قریش کے دل پہلے ہی سے سخت تھے، اسلام دشمنی نے اس سختی کو اور پتھر بنا دیا ان میں شرافت کی حس انسانیت کی رمق اور مروت واخلاق کا جوہر ہی باقی نہ رہا تھا، نہ ان کے پاس سمع قبول تھا نہ گوش شنوا اور نہ دیدۂ حقیقت ...... حق ناشناسوں کا بے لگام گروہ تھا جو سچائی کے مقابل ہر امکانی قوت کے ساتھ نبرد آزما تھا۔

اسی پر آشوب دور میں حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے خدا کا حکم پا کر اپنے چند صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ حبش چلو جاؤ وہاں کا بادشاہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا۔ اس خطہ میں تمہیں امن مل سکے گا، صحابہ کرام کا ایک مختصر قافلہ حبش کی طرف روانہ ہو گیا، اللہ کی راہ میں یہ پہلی ہجرت تھی جس کی بدولت عرب سے باہر اسلام کی آواز پہنچ گئی۔

وطن کی محبت اپنے اندر بہت کشش رکھتی ہے، ایک ایک ذرہ سے آدمی کی نگاہیں مانوس ہوتی ہیں وطن کے کانٹے پردیس کے پھولوں سے بڑھ کر دلکش ہوتے ہیں۔ مگر حق کی سربلندی ،خدا کے حکم کی تعمیل اور سچائی کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں ''ہجرت'' کا نازک مقام بھی آتا ہے۔ جہاں وطن کی محبت پر فرض کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وطن کے تعلقات اور محبت آمیز روابط

دامن پکڑ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو! پردیس میں تمہاری کون غمخواری کرے گا۔ اجنبی ماحول تمہارے سازگار نہ آئے گا۔ یہیں پڑے رہو، اپنوں کی گالیاں دوسروں کی دعاؤں سے اچھی ہوتی ہیں۔

......مگر خدا کے مجاہد اس آواز پر کان نہیں دھرتے، وہ ایک ہی جھٹکے میں تعلقات کے ان تمام دھاگوں کو توڑ ڈالتے ہیں اور خدا کا نام لے کر وطن سے چل پڑتے ہیں۔ ان کا ضمیر آواز دیتا ہے۔

ہر ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔

یہ توفیق ہر کسی کے حصے میں نہیں آتی، بہت سے لوگ صرف اپنی جان ومال کے بچاؤ کے لئے وطن چھوڑتے ہیں، یہ ہجرت نہیں گریز وفار ہے، ہجرت کا مقصد اسلام کی سربلندی اور حفاظت کے لئے ترک وطن اور ایثار وقربت ہے صحابہ کرام نے اسی غرض اور مقصد کے لئے دیس نکالہ قبول کرلیا۔

کفار قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ چند مسلمان صحیح سلامت حبش پہنچ گئے ہیں تو ان کا ایک وفد بھی حبش روانہ ہوگیا۔ عداوت اور اذیت کوشی کی انتہا ہے کہ وطن چھوڑ دینے کے بعد بھی قریش کے کلیجہ میں ٹھنڈک نہ پڑی، وہ چاہتے تھے کہ مکہ کی طرح حبش کی زمین بھی مسلمانوں پر تنگ کردی جائے۔ اس حق پرست جماعت کو دنیا کے پردے پر کہیں بھی امان نہ ملے، عافیت کے تمام دروازے ان پر بند ہو جائیں۔

کفار قریش بڑے ہی چالاک، فتنہ گر اور سازشی تھے، بادشاہوں کی مطلق العنانی کا دور تھا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شاہ حبش کی نگاہ اگر مسلمانوں سے پھر گئی تو پھر کوئی قوت ان کو حبش میں پناہ نہ دے سکے گی۔ اور یہاں سے ان کو نکل جانا پڑے گا، مگر بادشاہ کو براہ راست متاثر کرنا

بہت دشوار تھا اس مقصد کیلئے ان لوگوں نے زمین ہموار کرنی شروع کی، سب سے پہلے بادشاہ کے درباریوں اور مصاحبوں سے جا کر ملے، ان کو ہر طرح سے پرچایا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ ایک نیا دین لے کر تمہارے ملک میں آئے ہیں انہوں نے ہمارے نوجوانوں کو بہکا کر غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ دیکھنا! کہیں یہ جادو تمہارے لوگوں پر بھی نہ چل جائے! اسلام عیسائی مذہب کا سخت مخالف ہے یہ لوگ تو بس توحید کے نشہ میں سرشار ہیں، ان کا تو یہی تکیہ کلام اور شب وروز کا وظیفہ ہے۔ کہ اللہ ایک ہے...... ہمارے معبودوں کی بھی یہ توہین کرتے ہیں اور تمہارے مقدس پیغمبر عیسیٰؑ مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو حبش میں پاؤں جمانے کا موقعہ مل گیا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ خود عیسائی نوجوان کنواری مریم کے مجسمے مقدس ہیکلیں اور صلیبیں اپنے ہاتھوں سے ایک دن توڑتے ہونگے اور کلیساؤں میں خاک اڑتی نظر آئے گی۔ اگر اپنے دین کی حفاظت اور بقاء چاہتے ہو تو ان لوگوں کو جیسے بنے ہمارے حوالے کر دو، ہم ان سے بھگت لیں گے۔

شاہ حبش کے درباریوں نے کہا کہ آپ لوگ نشاط خاطر رکھیں شاہی دربار میں ہم آپ کی پوری پوری ہموائی کریں گے، ہمیں اپنا ہم خیال، دوست اور خیر خواہ سمجھئے۔ جہاں تک ہمارا بس چلے گا آپ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے میں کوتاہی نہ کریں گے۔ کفار قریش کے وفد کو جب مصاحبوں اور درباریوں کی طرف سے تائید کا یقین اور اطمینان ہو گیا، تو وہ لوگ شاہ حبش کے دربار میں جا کر فریادی ہوئے کہ جہاں پناہ یہ (صحابہ کرامؓ) ہمارے قیدی ہیں جو بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے فرما دیجئے

شاہ حبش نجاشی پورے جاہ وحشم کے ساتھ تخت پر بیٹھا تھا، دربار کیا تھا زمین کی جنت تھی۔ زربفت کے پردے، قیمتی قالین، دیدہ زیب ساز وسامان، جھم جھم کرتی ہوئی گرانقدر

صلیبیں سونے چاندی کے گلدان، بادشاہ تو بادشاہ، دربان عصا بردار، شاگرد پیشہ اور غلام تک زریں وردیاں پہنے ہوئے تھے قریش کے وفد نے مسلمانوں کے خلاف جو استغاثہ پیش کیا اس تائید میں درباریوں کے سروں میں جنبش پیدا ہوئی رعب شاہی کے سبب زبان سے کچھ نہ نکلا مگر آنکھوں کی چمک عرض کرنے لگی کہ وفد قریش کا ترجمان اور امیر سچ کہہ رہا ہے یہ مسلمان واقعی وہی ہیں جو کچھ یہ قریش کہہ رہے ہیں دوسرے ملک کے مفرور قیدی حبش میں نہیں رہ سکتے ورنہ حبش کی حکومت پر الزام آئے گا رسوائی ہوگی، لوگ طنز کریں گے کہ حبش میں غداروں، لٹیروں اور بھاگے ہوئے قیدیوں کو پناہ دی جاتی ہے۔

شاہ حبش نے وفد قریش سے چند سوالات کئے پھر مسلمانوں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو، ان الزامات کے جواب میں اپنی صفائی پیش کرو، صحابہ کرام عرب کی طرف سے حضرت جعفر طیارؓ نے نہایت ہی دل نشین انداز میں تقریر کی عرب کی جہالت پر مختصرہ تبصرہ کیا اور رسول اللہ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی ،جعفر اس سے پہلے کسی بادشاہ یا فرمانروا کے دربار میں نہ گئے تھے۔ یہ ان کا پہلا موقعہ تھا مگر دربار کے کروفر سے وہ ذرا برابر مرعوب اور متاثر نہیں ہوئے، خدا کا سچا بندہ اور محمد کا یہ مخلص غلام ایوان شاہی میں نہایت بے باکی مگر انتہائی سلیقہ کے ساتھ اپنے مقصد کی ترجمانی کرتا رہا۔

حضرت جعفر کی تقریر میں خلوص تھا، سادگی تھی، اور سب سے بڑھ کر جرات اور بلند نظری! اینچ پیچ سے باتیں کرنا ان کو آتا ہی نہ تھا، کھلی کھلی دلیلیں واضح اور روشن ثبوت دوٹوک باتیں ...... بالکل اس طرح جیسے دو اور چار (2+2=4) ہوتے ہیں۔ دربار میں ایک سناٹا طاری ہوگیا کفار قریش اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مسلمان ہمارے مقابلہ میں کیا بول سکیں گے، ہماری سازشیں بیکار نہ جائیں گی۔ درباری لوگ ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں اور مصاحبوں کو ہم نے

پہلے سے گانٹھ لیا ہے، میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا حضرت جعفرؓ کی تقریر نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ نجاشی اس تقریر کا اثر قبول کر رہا ہے۔ جعفر کی باتوں میں وزن اور جان ہے، ان کے بچے تلے فقرے شاہ حبش کے دل میں اترتے جا رہے ہیں۔ کس توجہ اور دلچسپی کے ساتھ بادشاہ ان کی تقریر سن رہا ہے۔

اسی دوران میں حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر چھڑ گیا، حضرت جعفرؓ نے بادشاہ کے کہنے پر قرآن کی آیتیں تلاوت کیں۔

کلام حق تھا جعفر کی زبان تھی
محمد کی ہدایت درمیاں تھی۔

قرآن پاک کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور عیسیٰ ابن مریمؑ کے بندہ ہونے کا ذکر تھا، جس سے عیسائیت کے مروجہ اور خود ساختہ عقیدہ تثلیث کی تردید ہوئی تھی، وفد قریش کے ارکان کی آنکھوں میں خوشی چمکنے لگی کہ نجاشی بادشاہ اپنے مذہب کی اس تکذیب اور تردید پر یقیناً برہم ہو جائے گا۔ بس اب کوئی گھڑی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو یا تو قید میں ڈال دیا جائے گا یا شاہی غلام اور چوبداران کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیں گے مسلمان خود اپنے دام گرفتار ہو گئے اور یہ روشنی طبع ان کے لئے بلائے جان بن گئی۔

شاہ حبش کے درباری بھی ہونٹوں ہی ہونٹوں مسکرانے لگے۔ کہ مسلمان عتاب شاہی سے بچ نہیں سکتے، جس بنیاد پر عیسائیت قائم ہے، قرآن کی آیتوں نے اسی پر ضرب لگا دی۔ اس توہین کو نجاشی بھلا کس طرح گوارا کر سکے گا۔ بادشاہ کے پاس اقتدار ہے مطلق العنانی ہے پھانسی کے تختے اور قید خانہ کی کوٹھیاں ہیں ان مٹھی بھر مسلمانوں کو کوئی حمایتی بھی تو نہیں ہے ایک زبان

بھی تو ان کی سفارش کے لئے جنبش نہ کرے گی۔ خود ان کی قوم کے لوگ ان کے دشمن ہیں ایسے بے سہارا پردیسیوں کا مٹا دینا کیا مشکل ہے ابھی ہمارے آقا والی نعمت ضبط وتحمل سے کام لے رہے ہیں مگر جب عتاب کا وقت آئے گا تو قیامت بپا ہو جائے گی جلادوں کی تلواریں شہنشاہ کی جنبش آبرو کے انتظار میں ہر وقت بے نیام رہتی ہیں۔

اپنا اپنا مقدر اور اپنی اپنی اندوزی، خوش بختی اور نیک دلی ہے! ساون کی گھٹائیں چٹیل میدانوں اور زرخیز خطوں پر ایک ہی انداز میں برستی ہیں مگر اس کو کیا کیجئے۔

در باغ لالہ روید ودر شور بوم خس

قدرت کی نعمتوں اور برکتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے فطری استعداد کی بہت کم ضرورت ہے یہی سبب تھا کہ ابولہب اور ابوجہل مکہ میں خود زبان رسالت قرآن سن کر متاثر نہ ہو سکے مگر حبش کے بادشاہ کو دو چار آیتوں ہی نے قبول حق پر آمادہ کر دیا۔ اس کی فطری صلاحیت جو اب تک بار اوہام سے دبی تھی ایکا ایکی ابھر آئی اور ضلالت و گمراہی کے پردے آن کی آن میں چاک ہو گئے نجاشی کے دل میں گداز پیدا ہوا جیسے کسی غیبی طاقت نے چٹکی میں لے کر اس کے دل کو دبایا یہاں تک کہ سختی نرمی سے بدل گئی قرآن کی تاثیر نے کنجی بن کر اس کے دل کے تالے کو چشم زدن میں کھول دیا، قفل کا کھلنا تھا کہ حقیقتیں سن کر نجاشی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے، درباری لوگ اور خود قریش کا وفد حیران تھا کہ جن آنکھوں سے غم و غصہ کی چنگاریاں نکلنی چاہیے تھیں ان میں آنسو جھلملا رہے ہیں، حضرت جعفرؓ جب قرآن سنا چکے تو نجاشی نے تاثیر آمیز لہجہ میں کہا۔

یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔

مصاحبوں اور درباریوں اور وفد قریش کے ارکان اس جملہ کو سن کر حیران رہ گئے، ان پر او

س بی پڑھ گئی کیا سوچ کر آئے تھے کیا ہو گیا؟

قریش مکہ اس انتظار میں تھے کہ ان کا وفد مسلمانوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لائے گا اور ہم خوب جی بھر کر ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑیں گے، دوسرے، مسلمانوں کو اپنے بھائی بندوں کی حالت دیکھ کر عبرت ہوگی کہ یہ قریش تو دھن کے پکے ہیں ہم میں سے کوئی جان بچا کر پردیس چلا جائے تو بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے بادشاہ تک ان سے متاثر اور مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ایسے دشمنوں سے لڑائی مول لے کر اور مخالفت کر کے کامیاب ہو ہی نہیں سکتے، مگر ارکان وفد نے حبش سے واپس ہو کر جب حقیقت حال سے ان کو مطلع کیا تو ان کی تمناؤں کے ہوائی قلعے بلبلوں کی طرح ٹوٹ گئے۔ ارکان وفد نے کہا کہ ایہا الاخوان! ہم نے اپنی کوشش میں کوئی کوتائی نہیں کی کہ جعفرؓ کی تقریر اور پھر قرآن کی آیتوں نے نجاشی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ بھرے دربار میں رونے لگا بھائیو! یہ لوگ تو جادوگر معلوم ہوتے ہیں دنیا میں جہاں بھی یہ پہنچیں گے لوگ ان کا اثر قبول کئے بغیر رہ نہیں سکتے ان کے زور کو اگر پوری قوت کے ساتھ کچلا نہ گیا تو عرب ہی نہیں ساری دنیا ان کے دام میں گرفتار ہو جائے گی۔

☆ایک سعید روح☆

شہر مکہ پورے ملک عرب کی عقیدت کا مرکز تھا، تمام لوگ کعبہ کا احترام کرتے تھے، سال بھر میں ایک بار دور دور کے لوگ یہاں آتے اور اپنی مذہبی رسموں کو پورا کر کے چلے جاتے، کفار قریش نے ٹولیاں بنا رکھی تھیں جن کے ممبروں کا یہی کام تھا کہ مکہ سے کچھ دور جا کر مختلف راستوں پر بیٹھ جاتے اور آنے والوں کو بہکاتے کہ ہماری قوم میں (خاک بدہن گستاخ) جادوگر پیدا ہو گیا ہے جو اپنے کو خدا کا نبیؐ اور رسولؐ بتاتا ہے۔ یہ شخص ایک نیا دین لے کر آیا ہے جو ہمارے آبائی مذہب کا ہر اعتبار سے مخالف ہے بلکہ اس کی ضد ہے۔ تو تم اس محمد ابن عبداللہ

سے بچے رہنا، نہ اس کے پاس جانا اور نہ اس کے ساتھیوں سے ملنا ان لوگوں کی زبان میں قیامت کی تاثیر ہے ان کی باتیں بڑی آسانی کے ساتھ دل میں گھر کر لیتی ہیں۔ اور آدمی پھر بس اسی دین کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جی! اس مکہ میں ایسے سر پھرے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنے مال و متاع، عزیزوں، رشتہ داروں اور گھر بار تک کو چھوڑ دیا ہے یہ لوگ پٹتے ہیں مار کھاتے ہیں فاقے کرتے ہیں اور تکلیفیں سہتے ہیں مگر اس دین سے پھرنے کا نام نہیں لیتے۔ تم خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آئے ہو طواف کرو اور چلے جاؤ نئی نئی باتوں پر کان نہ دھرو۔

جہالت و گمراہی کے یہ پتلے خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی قبول ہدایت سے روکتے تھے حق کی دشمنی اور اسلام کی مخالفت نے ان کو اندھا، گونگا اور بہرا بنا دیا تھا اپنی طرح دوسروں کو بھی اس گندگی اور جہالت میں رکھنا چاہتے تھے، ان کی مخالفانہ باتوں کا لوگوں پر بہت اثر ہوا، اعیان قریش اور شرفائے مکہ کی باتوں کو اہل بادیہ بھلا کس طرح جھٹلا سکتے تھے۔ مگر مخالفت اور دشمنی کی اس گفتگو کے ساتھ باہر والوں کے کان محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے نام سے ضرور آشنا ہو جاتے، مخالفتیں خود تبلیغ کا فرض انجام دے رہی تھیں۔ انہیں کے وار خود انہیں الٹ الٹ کر پڑ رہے تھے، اپنی تدبیروں کی الٹی تاثیروں سے وہ خود بے خبر تھے، بجلی کے شراروں سے پانی کے دھارے پھوٹنے کے آپ ہی آپ سامان ہو رہے تھے۔

کفار قریش کی اس گمراہ کن اسکیم کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا اگر ایک مستند تاریخی واقعہ کا اس ضمن میں ذکر نہ کیا گیا، تاریخ اسلام کا واقعہ ہر اعتبار سے اہمیت اور بہت کچھ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اس میں عبرت بھی ہے اور عظمت بھی، ہدایت بھی ہے اور فلاح و سعادت بھی!

طفیل بن عمرو دوسی اپنے قبیلہ کا سردار تھا، ملک یمن کے نواحی علاقہ پر اس خاندان کا رئیسانہ

اقتدار تھا اور سب لوگ طفیل کے گھرانے کی عزت کرتے تھے، خاندانی شرافت، دنیوی عزت اور مال و دولت، غرض:۔

ہر چیز جس سے جشم جہاں میں ہو اعتبار

طفیل کو میسر تھی طفیل صرف شیخ قبیلہ اور صاحب جاہ و منصب ہی نہیں بلکہ ذاتی طور پر بہت سی خوبیوں کا حامل تھا، فراست و دانائی کا پیکر اور شعر و ادب اور زبان دانی کا بہت بڑا ماہر! سب لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

طفیل جب مکہ آیا تو کفار قریش نے بستی سے بہت دور جا کر اس کا استقبال کیا اور انتہائی احترام و تواضع کے ساتھ اس کی مدارات کی۔ قریش جانتے تھے کہ طفیل کوئی بدوی نہیں ہے جو ہماری باتوں پر کچھ سوچے سمجھے بغیر ''آمنا و صدقنا'' کہے گا، وہ نہایت دانشمند اور صاحب فہم ہے اچھے برے میں امتیاز کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہے۔ ایسا آدمی اگر پیغمبر اسلام کی خدمت میں پہنچ گیا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اور اس کا اثر ساری قوم پر پڑے گا۔

اس لئے قریش نے طفیل کو شیشہ میں اتارنے کے لئے اس کی خوب تواضع کی کہ اس طرح اس کے دل میں ہمارے لئے خود بخود گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ تواضع اور مدارات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ طفیل بھی قریش کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوا، پھر قریش نے طفیل کی خوب تعریفیں کیں کہ تم یہ ہو تم وہ ہو، تم میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں قوم تمہاری ذات پر فخر کرتی ہے۔ اور تمہاری فراست کسی کی چکنی چپڑی باتوں کا اثر قبول نہیں کر سکتی، تمہارے ارادے اور عقیدے میں ثبات پایا جاتا ہے۔

قریش نے جب اندازہ کر لیا کہ طفیل پر ان کی باتوں کا جادو چل چکا ہے۔ اور وہ ان کو اپنا دوست ہمدرد اور غمگسار سمجھتا ہے تو سب نے مل جل کر کہا کہ ایک شخص محمدؐ نامی ہماری قوم کا ایک

فرد ہے اس سے ذرا بچے رہنا اسے جادو آتا ہے۔ جس کے اثر سے وہ باپ بیٹے، شوہر، بیوی اور بھائی بھائی میں تفرقہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ہماری قوم کے شیرازہ کو بکھیر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہمارے تمام کاموں میں ابتری پیدا ہوگئی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی قوم اس بلا کا شکار ہو جائے۔ اس لئے ہم پورے زور کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں کہ آپ نہ تو اس سے خود بات چیت کریں نہ اس کی باتیں سنیں اور نہ اس کے پاس جائیں۔

قریش نے اس قدر غمگساری اور دردمندی کے لہجہ میں طفیل کو نصیحت کی، بیچارے طفیل کو یقین آ گیا کہ یہ لوگ میری بھلائی کے لئے نصیحت کر رہے ہیں۔ ان کی ہمدردی میں خلوص اور بے غرضی پائی جاتی ہے۔ مجھے مسافر اور بے خبر سمجھ کر تمام خطرات سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ ایسے غمخوار کرم فرماؤں کی بات نہ ماننا پرلے درجہ کی احسان ناشناسی اور حماقت ہے۔ طفیل بن عمرو دوسی کے دل میں کفار قریش کی یہ باتیں کچھ اس طرح جاگزیں ہوئیں کہ جب وہ خانہ کعبہ کو جاتا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا کہ محمدؐ کی آواز کی بھنک نہ پڑ جائے۔ طواف کرتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھتا، آنکھیں بند رکھنے کی کوشش کرتا کہ محمد ﷺ سے اگر سامنا ہو گیا اور ان سے نگاہیں چار ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ (نعوذ باللہ) ان کا جادو مجھے متاثر کر دے۔ قریش تجربہ اور مشاہدے کے بعد ہی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور محمد ﷺ کے بارے میں رائے قائم کی ہے، صنادید قریش اور اعیان مکہ کسی پر بلاوجہ تہمت کیوں جوڑنے لگے۔

طفیل کے کئی دن اسی عالم میں گزر گئے کعبہ کا طواف کرتا اور چلا جاتا مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اور طفیل کی تقدیر اسی نقطہ سے بدلنے والی تھی، ایک دن وہ کعبہ میں طواف کے لئے آیا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خانہ خدا میں اللہ کا کلام تلاوت فرما رہے تھے، آج وہ کانوں کے بند رکھنے کے لئے زیادہ احتیاط کر کے نہ آیا تھا، قرآن کی آیتیں اس کے کانوں

میں پڑیں۔ تو اس پر ایک عجیب تاثر طاری ہوگیا۔ طفیل نے دل میں کہا کہ میں خود شعر سخن اور علم وادب کی پرکھ رکھتا ہوں مگر یہ کلام جو محمد ﷺ پڑھ رہے ہیں سب سے جدا اور عجیب ہے میں نے آج تک اتنے میٹھے اور اثر میں ڈوبے ہوئے بول نہیں سنے میری بڑی بدقسمتی تھی کہ اب تک ایسے کلام سے محروم رہا میں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے اب تک مل نہ کر بڑی غلطی کی ہے۔ آخر ان سے بات چیت کرنے میں کیا ہرج ہے ان کی باتیں اچھی ہونگی تو سنوں گا اور مانوں گا، کوئی غلط بات کہیں گے تو اس پر کان نہ دھرونگا، آو تجربہ کر کے دیکھوں۔

حضور ﷺ جب نماز پڑھ چکے اور حجر مقدسہ کی طرف تشریف لے جانے لگے تو طفیل بھی پیچھے پیچھے ہولیا، اس کے بعد اس نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر کافروں کی گمراہ کن نصیحتوں کا کچا چٹھا اور اپنے احتیاط کا واقعہ تفصیل سے عرض کیا، طفیل نے کوئی بات چھپائی نہیں، تمام واقعات من وعن بیان کر دیئے۔ یہ بھی کہہ دیا کہ میں کئی دن سے خانہ کعبہ کے طواف کے لئے کانوں میں روئی رکھ کر آتا ہوں تاکہ آپؐ کی آواز نہ سن سکوں، مگر اس قدر احتیاط کے باوجود آج آپ کی آواز میں نے سن ہی لی، میری تمنا ہے کہ آپؐ اپنا پیام مجھے سنائیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی آیتیں زبان مبارک سے تلاوت فرمائیں۔ طفیل ایک ایک لفظ پر جھوم جھوم گیا، اللہ کا کلام اور پھر محمدؐ کی زبان سے سن کر طفیل پر رقت وخشیت اور اثر ونفوذ کا ایک عجب عالم طاری ہوگیا، اس نے کہا میں نے آج تک اس انداز کا کلام نہیں سنا، جو نیکی انصاف اور ہدایت سے اس درجہ معمور ہو، جہالت کی ساعتیں ختم ہو چکی تھیں، سعادت وفلاح کا دور شروع ہو رہا تھا۔ قبول حق میں اب کسی تاخیر اور سوچ بچار کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ طفیل نے بے اختیار ہو کر کلمہ پڑھا اور خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہی طفیل دوسی اب حضرت طفیلؓ ہوگئے۔

☆مدینہ میں حق کا ظہور☆

بعثِ نبوی ﷺ کا گیارہواں سال ہے حج کا موسم ہے، عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ مکہ چلے آرہے ہیں، مکہ کی بستی، میں غیر معمولی چہل پہل ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ باہر سے آنے والوں تک خدا کا پیام پہنچانے کے لئے ہر ممکن سعی فرمارہے ہیں۔ کفارِ قریش کی مخالفتوں، مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک ہیں۔

شہر مکہ سے چند کوس کی دوری پر عقبہ نام کا ایک مقام ہے جہاں رات کے اندھیرے میں یثرب سے آئے ہوئے لوگ باتیں کررہے ہیں۔ یہ باتیں گھریلو قسم کی ہیں، سفر کا ذکر مکہ والوں کی مذہبی سیادت اور مہمان نوازی کی داستانیں، اوس و خزرج کی خاندانی عظمت کا تذکرہ ......اور یہ بھی کہ فلاں وادی میں میرا اونٹ گم ہوگیا، اس منزل پر پہنچ کر رات بڑی بے آرامی میں کٹی فلاں نخلستان کی کھجوریں بہت شیریں ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ یثرب والوں نے اب تک کسی آدمی کا اتنا روشن اور دلکش چہرہ نہ دیکھا تھا اندھیرے میں ایسا دکھائی دیا جیسے بدر کامل پال کی اوٹ سے نکل آیا۔ وہ لوگ سمجھے کہ قریش کا کوئی سردار کسی اپنی ضرورت سے یا ہم سے کوئی ضروری بات کہنے کے لئے آیا ہے مگر ان کے ضمیر آپ ہی آپ بول رہے تھے کہ اس مقدس و منور انسان کا رات کی تنہائی میں یہاں آنا کسی اہم واقعہ کا پیش خیمہ ہے، یقیناً کوئی نئی بات ظہور میں آنے والی ہے۔

حضور نے یثرب کے ان چھ آدمیوں کے سامنے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی اور خدا کی جلالت و عظمت سے ان لوگوں کے دلوں کو خوب گرما دیا پھر بتوں کی مذمت اس انداز میں کی کہ سننے والوں کو بت پرستی سے نفرت اور بیزاری ہوجائے۔ درس توحید کے بعد شرک کی تردید بہر حال ضروری ہے اور نفسیات انسانی کے عین مطابق تھی۔ اس کے بعد حضورؐ نے نکوکاری اور زہد

ورع کی تلقین کی اور فسق وفجور اور برے کاموں سے منع فرمایا، یثرب والے نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنتے رہے، ان کے دل ایک ایک لفظ کو قبول کرتے اور اثر لیتے گئے، تلاش حق کے لئے شاید پہلے ہی سے مضطرب تھے اور دل و دماغ میں حق بات ماننے کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ بس یوں سمجھئے کہ زمین تیار تھی پس اس میں بیج ڈالنے کی دیر تھی۔

رات کی خاموشی، اندھیرا، مکہ کی پہاڑیوں کا دامن، اجنبی لوگوں سے ملاقات یا اسی عالم میں درس ہدایت کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی آیتیں ان لوگوں کو سنائیں، ساری فضا جھوم جھوم گئی، شجر و حجر پر وجد طاری ہوگیا۔ اور یہ تو پھر انسان تھے ان کے دلوں پر جو کچھ عالم گزرا وہ تھوڑا تھا، کلام الٰہی نے ان لوگوں کے دلوں میں یقین و ایمان کے فانوس روشن کر دیئے، بھٹکے ہوؤں کو کسی سان گمان اور کوشش کے بغیر راہ استقامت مل گئی۔

یثرب کے یہ چھ لوگ اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کرتے تھے اور اس برائی میں مکہ والوں سے کسی طرح کم نہ تھے پتھر کے خود تراشیدہ بت ان کے بھی حاجت روا تھے اور ان کے قدموں پر سجدہ کرنا ان کی نگاہ میں نجات کا باعث تھا...... مگر انہوں نے یثرب کے ہمسایہ یہودیوں کی زبان سے بار بار یہ سنا تھا کہ بہت ہی قریب زمانہ میں ایک نبیؑ ظاہر ہونے والا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس چہرے کو دیکھ کر اور آپؐ کی گفتگو سن کر ان لوگوں کو یقین کی ہوگیا کہ جس نبیؐ کی بعثت کے لئے ہزار ہا سال سے پیش گوئیاں ہوتی چلی آ رہی ہیں وہ یہی ہے۔ اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی اور وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی چند لمحوں کی تربیت نے ان میں اسلام کی روح، توحید کی لذت ایمان کا ذوق اور نیکوکاری کا احساس پیدا کر دیا۔ اب یہ مسافر جو مکہ سے اپنے وطن کو لوٹ کر گئے

تو ان میں سے ہر شخص اللہ کے دین کا مبلغ ،خدا کے پیام کا منادی اور رسولؐ اللہ کے ارشادات کا تاثر تھا۔

یثرب سے بہت لوگ حج کرنے کے لئے مکہ آئے تھے اور ہر طرف سے آئے دن یثرب میں مسافر آتے جاتے رہتے تھے۔ مگر ان چھ مسلمانوں کے چہروں کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہ تو مکہ سے بہت کچھ بدل کر آئے ہیں ان کی ایک ایک ادا بول چال ،رفتار ،گفتار ،نشست و برخاست تک میں ایک خاص تبدیلی پائی جاتی ہے۔ زندگیوں کا اس قدر جلد بدل جانا بہت حیرت انگیز ہے۔

ان سعادت مند افراد نے یثرب پہنچ کر ہر ملنے جلنے والے اپنے پرائے ،عالم ،جاہل ،بدوی اور شہری سے کہا کہ بھائیو اور دوستو! وہ نبیؐ جس کا تمام دنیا کو انتظار تھا اور جس کی آمد کی خبر ہم سدا سے سنتے آئے ہیں اس کا ظہور ہو چکا ہے ہم اس مقدس نبیؐ کے دیدار سے مشرف ہو کر آئے ہیں۔ اس کا کلام اپنے کانوں سے سنا ہے، اس نبیؐ نے ہمیں زندہ رہنے والے خدا تک پہنچا دیا ہے اب ہماری نگاہوں میں دنیا کی زندگی اور موت کی کوئی قدر نہیں رہی۔

یثرب میں اندھیرا تھا مگر ان چھ ستاروں کے طلوع نے ہدایت کی روشنی بکھیر دی ،جس دولت سے وہ بہرہ یاب ہوئے تھے ۔اسے عام کرنے کے لئے انہوں نے جدو جہد شروع کردی ،مکہ سے واپسی کے بعد وہ ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھے ،اسلام کی لگن اپنا کام کئے جا رہی تھی اور ایمان کا ذوق کوچہ و بازار میں انہیں لئے پھرتا تھا۔ جہاں وہ لوگوں تک اس بشارت کو پہنچاتے کہ مکہ میں ہدایت وسعادت کا آخری اور سب سے زیادہ روشن آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ اب ہر جگہ سے اندھیرے کو چلا جانا ہے لوگو! بت پرستی سب سے بڑی لعنت ہے ۔ہم اب تک بڑے اندھیرے میں تھے نہ چاند سورج کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں اور نہ ہی

لات وہبل مصیبت زدوں کی فریاد سن سکتے ہیں۔ یہ سب جاہلیت کے ڈھکوسلے ہیں اور آباء پرستی کے توہمات ہیں۔ پوجنے کے لائق تو بس خدائے واحد ویکتائی کی ذات ہے، انسان کی پیشانی بس اسی کے آستانے پر جھکنی چاہیے، انسان کی عزت کا معیار نیکی اور پرہیزگاری ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کا یہی پیام اور آپ کی تعلیمات کا یہی خلاصہ اور لب لباب ہے۔

اسلام کے ان پرجوش مبلغین کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ یثرب کے ایک ایک گھر میں حضور نبیؐ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ذکر ہونے لگا۔ ان چھ مسلمانوں کی بدلی ہوئی زندگیوں کو دیکھ کر یثرب کے باشندے کہتے کہ ایہا الاخوان! یہ لوگ اسلام لانے کے بعد کچھ سے کچھ ہو گئے۔ برائیوں کے پاس تک نہیں پھٹکتے، ہر دم بھلائی اور پاک بازی کا انہیں خیال رہتا ہے۔ جس دین اور جس کے پیغمبر کی تعلیمات نے سیرت و کردار کو بدل دیا، اس میں یقیناً صداقت پائی جانی چاہیے۔ شوق و ذوق کی دبی ہوئی چنگاریاں بہت سوں کے دلوں کو گرمانے لگیں۔ توحید و نیکوکاری کی باتیں سن سن کر سعید روحیں لطف لینے لگیں۔

ایک سال کے بعد یعنی 12 بعثت نبویؐ میں یثرب کے بارہ باشندے مکہ آئے، یہ لوگ گھروں سے یہ ارادہ کر کے چلے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیمات اور اصول دین اپنے کانوں سے سنیں گے۔ آپ کی نقل و حرکت رفتار گفتار اور آپ کے ساتھیوں کے حالات سے اندازہ کریں گے کہ آیا یہ ذات واقعی پیروی کیے جانے کے قابل ہے؟ اور اس کی غلامی اور اطاعت کا قلادہ ہمیں اپنی گردنوں میں ڈال لینا چاہیے؟...... حق کی تلاش، صداقت کی جستجو، ایمان وہدایت، کا سراغ انہیں مکہ کشاں کشاں لے آیا، مذہب اور عقیدے کے معاملہ تھا وہ خوب ٹھونک بجا کر اور دیکھ بھال کر فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ کی خدمت میں یثرب کے یہ بارہ نقیب حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے خدا کا پیام ان

تک پہنچایا، نیکی اور پرہیزگاری کی تعلیم دی، قرآن کی آیتیں ان کے حق میں بھی انقلاب کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ بن گئیں۔ صحابہ کرامؓ کی مقدس اور بے داغ زندگیوں کو دیکھ کر اور یقین ہوگیا کہ یہ دین ایک ہی تاؤ میں کھوٹے کو کھرا اور پیتل کو کندن بنا دیتا ہے۔ سب نے یک زبان ہوکر اللہ کی ربوبیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دی، اسلام لاتے ہی ان کی بھی کایا پلٹ ہوگئی۔ وہ اس تبدیلی کو خود محسوس کررہے تھے۔ دلوں پر کفر وضلالت کے پڑے ہوئے پردے یکبارگی اتر گئے ہر شخص ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا فرط مسرت نے ان کے چہروں کو ارغوانی بنا دیا تھا، وہ اپنی قسمتوں پر ناز کررہے تھے۔

چند دن مکہ میں قیام کرنے کے بعد یہ لوگ جب یثرب (مدینہ) جانے لگے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعبؓ ابن عمیر کو تعلیم و تربیت کی غرض سے ان کے ساتھ کردیا۔ عمیر کے خوش نصیب بیٹے مصعبؓ نے بڑے ناز ونعم میں پرورش پائی تھی، گھر میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ ماں باپ نے ان کو بڑے لاڈ پیار کے ساتھ پالا تھا، عیش ونعم کے تمام اسباب ان کو میسر تھے، مصعبؓ کی زندگی امیرانہ تھی۔ راحت و آرام، کروفر شان وشوکت! مصعبؓ ریشمی لباس زیب تن کرکے جب گھوڑے پر نکلتے تو مرکب کے آگے پیچھے غلام چلا کرتے اور "ہٹو بچو" کی آوازیں سن کر لوگ سمجھ جاتے کہ مصعبؓ کی سواری جارہی ہے۔

مگر اسلام نے مصعبؓ کی زندگی بدل دی اسلام اس تفاکر اور ٹھاٹھ باٹھ کی کہاں گنجائش تھی، یہاں تو سادگی، پاکبازی اور نیکوکاری کا ماحول تھا جس میں پہنچ کر دلوں کی حالت بدل دی جاتی تھی۔ اسلام کا نشہ اور توحید کا شوق وذوق کسی دوسری طرف دل ودماغ متوجہ نہ ہونے دیتا۔ وہاں در و دیوار، فرق و دوش اور فرس وجمل کی آرائش وزیبائی سے بڑھ کر باطن کے سنورنے کی فکر تھی۔ مصعبؓ بن عمیر جن کا بدن ریشمی حلوں میں ملبوس رہتا تھا اور جن کے قیمتی تکمے جگمگاتے رہتے

تھے۔اب مسلمان ہونے کے بعد پوندوں کا کمبل پہنتے اور تکموں کی جگہ ببول کے کانٹوں سے کمبل کو اٹکا لیتے مصعبؓ کو رسول اللہ کے فیض صحبت نے نکھار کر کندن بنا دیا تھا تبلیغ حق اور وعظ وارشاد کا ان میں خاص سلیقہ تھا، رسول اللہ کی نگاہ انتخاب اس اہم مقصد کے لئے انہیں پر پڑی۔وہ بالکل نئی جگہ اللہ کا پیام لے کر جا رہے تھے۔۔جہاں نومسلموں کی تربیت کے ساتھ غیر مسلموں پر بھی حق واضح کرنا تھا۔دوہری ذمہ داریاں مصعبؓ سے تعلق تھیں، اتنے عظیم الشان کام کے سرانجام دینے کے لئے وہ ہروقت اپنے خدا سے تائید وآعان اور نصرت وامداد کے طالب تھے۔

چھ وہ لوگ جن کو عقبہ اولیٰ میں اسلام کی سعادت نصیب ہوئی اور بارہ یہ نئے مسلمان اس طرح اب اٹھارہ آدمی یثرب میں چرچے ہونے لگے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ساتھی کو ہمارے شہر میں تبلیغ کیلئے بھیجا ہے۔چلو ان سے چل کر ملیں، ان کے ذریعے اسلام کے بارے میں ٹھیک معلومات ہوسکیں گی۔لوگ مصعبؓ سے آکر ملتے اور اسلام کے متعلق سوالات کرتے، حضرت مصعبؓ خود گلیوں اور بازاروں اور گھروں میں جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے، مکہ کی طرح مدینہ شور اور بنجر نہ تھا۔یہاں کی زمین میں ہدات قبول کرنے کی استعداد موجود تھی۔حضرت مصعبؓ کی تعلیم وتربیت نے بہت سے دلوں کو نور ایمان سے جگمگا دیا۔اور اس تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جو شخص مسلمان ہوتا وہ خود اپنی جگہ اسلام کا مناد اور مبلغ بن جاتا، ایک چراغ سے دوسرا روشن ہوتا اور ایک دل کا دوسرے دل پر اثر پڑتا جو لوگ ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت سے آشنا ہوتے وہ پچھتاتے کہ ہائیں! ہم اب تک بڑی بے خبری اور اندھیرے میں رہے، یہ زندگی لہو ولعب اور خرافات میں گزری، کام کی زندگی کا تو اب آغاز ہوا ہے۔کاش! اب سے بہت پہلے نعمت سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوجاتی۔

نالہ از بہر رہائی نکنہ مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود۔

مدینہ میں حضرت مصعبؓ پہنچے تو اسعد بن زرارہؓ نے رسول اللہ کے پیامی کی میزبانی کا شرف حاصل کیا، اسعدؓ خود بھی تبلیغ اسلام میں پیش پیش تھے، اسعدؓ کے گھر میں مسلمانوں کا جماؤ ہوتا اور حق کی اشاعت کے لئے مناسب تجویزوں پر سوچ بچار کیا جاتا، ان تمام لوگوں کو یہی دھن تھی کہ مدینہ کے کسی ایک گھر میں بھی کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ گمراہی اور ضلالت کے بادل چھٹ کر ہدایت کا سپیدہ نمودار ہو جائے۔ ان مقدس روحوں نے اس کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور جلوت و خلوت میں بس یہی دھیان رہتا کہ اسلام کی اشاعت ہو اور جہالت کا دور ختم ہو جائے، ایسی والہانہ سرگرمیوں اور خلوص آمیز کوششیں بھلا کس طرح ارائگاں جا سکتی تھیں۔ اسلام تیزی کے ساتھ یثرب میں پھیلنے لگا۔

بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر یثرب کے معزز قبیلے تھے جو ابھی ایمان کی دولت سے محروم تھے۔ ایک دن اسعد بن زرارہؓ اپنے ساتھ مصعب اور دوسرے چند مسلمانوں کو لے کر مرق کے کنویں پر پہنچے اور وہاں اس بات پر غور کرنے لگے کہ ان قبیلوں میں تبلیغ دین کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔ ہر شخص نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ کونسا طریقہ مناسب ہے اس انداز پر تبلیغ کا آغاز ہونا چاہیے۔ پیام ہدایت کی پہل اس طرح ہو! ان تجویزوں میں صداقت، خلوص، اعتماد علی اللہ اور یقین و اثبات کی آمیزش تھی یہ کوئی سیاسی کانفرس نہ تھی، یہاں خدا کے نیک بندے اور محمدؐ رسول اللہ کے جان نثار غلام جمع تھے۔ جن کے نزدیک ایمان اور اسلام دنیا کے ہر فائدے سے گرانقدر اور بلند تر تھا۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ ابھی تک اسلام کے دائرے میں نہ آئے تھے۔ ان دونوں تک یہ خبر کسی نے پہنچادی کہ مسلمان تمہارے قبیلوں میں اسلام پھیلانے کے لئے مشورت کر رہے ہیں۔ اور مشورے کے بعد جب کسی فیصلہ پر وہ پہنچ جائیں گے۔ تو کسی تاخیر اور تامل کے بغیر اس پر عمل شروع کردیں گے۔ یہ مسلمان اپنے ارادوں میں بڑے مضبوط ہیں۔ مزاحمت اور مخالفت ان کے جوش کو تھام نہیں سکتی۔ ان کی باتوں میں نہ جانے کیا اثر ہے کہ جس کو پیام پہنچاتے ہیں وہ پھر ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اپنے قبیلوں کو کسی طرح ان سے دور رکھو، ورنہ یہ لوگ ان میں پہنچ گئے تو پھر ان کی تعلیمات کے اثر کا توڑ دشوار ہو جائے گا۔ فتنہ (معاذ اللہ) کو سر اٹھانے سے پہلے دبا دینا عقلمندوں کا شیوہ ہے ،ایسے موقعوں پر ذرا سی بھی ڈھیل دینے سے کام بگڑ سکتا ہے۔

اس خبر کو پا کر سعد بن معاذ غصہ میں آگئے ،انہوں نے اسید سے کہا کہ اسید تم کس غفلت اور بے خبری میں پڑے ہوئے ہو، یہ اسعدؓ اور یہ مصعبؓ دونوں مل جل خود ہمارے گھرانوں کے نا سمجھ لوگوں کو بہکانے لگے ہیں فتنہ ہمارے دروازوں تک پہنچ گیا ہے تم جاؤ اور ان سے جا کر سختی کے ساتھ کہو کہ ہمارے محلوں میں اب دوبارہ قدم رکھا تو اچھا نہ ہوگا۔ اسید! میں خود یہ باتیں جا کر ان سے کرتا مگر اسعدؓ میری خالہ کا بیٹا ہے اس لئے تمہیں بھیج رہا ہوں۔

اسید بن حضیر بھی غصہ کے مارے بے تاب ہو گیا کہ یہ مسلمان اپنے دام کو خود ہمارے گھروں میں پھیلا رہے ہیں۔ سعد بن معاذ کی تقریر نے اسے اور گرما دیا اسید نے اپنے ہتھیار ساتھ لئے اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر روانہ ہوا خاندانی عصبیت اور جاہلانہ حمیت پورے جوش پر تھی۔ اسید اس عزم کے ساتھ روانہ ہوا تھا کہ مسلمانوں نے کوئی سخت سست بات کہی تو نیزے اور تلوار سے اس کا جواب دونگا۔ پہل میری طرف سے ہوگی پھر سارا قبیلہ

میری حمایت میں اٹھ کھڑا ہوگا۔اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف جنگ چھڑ جائے گی۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے ہمارے قبیلہ کی دیکھا دیکھی دوسرے قبیلے بھی اسلام کے خلاف میدان میں آجائیں گے۔اور پھر اس نئے دین کا یثرب میں قدم جمنا مشکل اور ناممکن ہوجائیگا۔

اسید کو مسلح آتے دیکھ کر اسعد بن زرارہؓ نے مصعب بن عمرؓ سے کہا کہ دیکھئے! اس قبیلہ کا سردار آرہا ہے۔اللہ کرے وہ آپ کی بات مان لے اور ہدایت کا پیام قبول کرے، مصعبؓ نے جواب دیا اگر یہ شخص بیٹھ گیا تو میں اس سے یقیناً بات چیت کرونگا۔ابھی یہ باتیں ہورہی تھیں کہ اسید لمبی لمبی ڈگیں بھرتا ہوا وہاں جا پہنچا اس نے کھڑے کھڑے مسلمانوں کو خوب گالیاں دیں کہ تم ہمارے قبیلہ کے احمقوں نادانوں اور ناسمجھ لوگوں کو بہلاتے ہو، دیکھو! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔مصعبؓ اطمینان کے ساتھ اسید کی دشنام طرازیوں کو سنتے رہے۔ان کو اس بات کا انتظار تھا کہ یہ اپنی باتیں ختم کرلے تو میں کچھ کہوں، ایسے غضب ناک آدمی کی باتوں کے بیچ میں بول پڑنا بھی ٹھیک نہیں، ٹوکنے سے اس کے عتاب کا پارہ اور چڑھ جائے گا۔غیظ وغضب کی حالت میں نیکی کی بات اور الٹا اثر کرتی ہے۔

اسید گالی گلوچ دے کر جب دل کی بھڑاس نکال چکا۔تو حضرت مصعبؓ نے انتہائی متانت اور نرمی کے ساتھ فرمایا، کہ کاش! آپ بیٹھ کر ہماری بات سن لیں۔اگر آپ کو ہماری باتیں پسند آئیں تو قبول فرمالیں اور اگر ناپسند ہوں تو ان پر توجہ نہ کریں اسید پر حضرت مصعبؓ کے اس شیریں لہجہ کا بہت اثر ہوا کہ جس شخص کو گالیاں دے رہا تھا اس نے ایک دشنام کا بھی مجھے جواب نہیں دیا اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی اس کے لہجہ میں کتنی نرمی اور شیرینی ہے

لاؤاس کی باتیں سن لوں، بات سننے میں کیا مضائقہ ہے، ہر آدمی دن رات میں بیسیوں آدمیوں کی زبانی گفتگو سنتا رہتا ہے۔ دیکھوں تو سہی کہ یہ مصعبؓ آخر کیا کہتا ہے۔

اسید اپنے ہتھیاروں سمیت زمین پر بیٹھ گیا اس کے کان مصعبؓ کی باتوں کے انتظار میں تھے، یہ اضطراب اور انتظار خود حصول وفلاح کی طرف نظر نہ آنے والی انگلی سے اشارہ کر رہا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے انتہائی دلنشین انداز میں اسید کو بتایا کہ اسلام کیا ہے؟ اسید بڑے غور و توجہ کے ساتھ ایک ایک لفظ سنتا رہا۔ اسلام کی ایک بات سن کر بھی اسے وحشت نہیں ہوئی۔ حالانکہ نئی باتوں سے ابتدا میں طبیعت مانوس نہیں ہوتی۔ مگر اسید کے لئے سعادت مقدر ہو چکی تھی!۔

اسلام کی حقیقت جب مصعبؓ بیان کر چکے تو اس اثر کو اور پائیدار بنانے کے لئے قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اسید نے خاموشی کے ساتھ قرآن سنا اور بدلے ہوئے انداز میں بولے :۔

یہ تو فرمایئے کہ جب کوئی آپ کے دین میں آنا چاہتا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟

حضرت مصعبؓ نے جواب دیا:۔

ہم ایسے آدمی کو نہلا کر پاک کپڑے پہناتے ہیں اور پھر کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں۔

اسید ہتھیاروں کو زمین پر پھینک کر تیزی کے ساتھ اٹھا کپڑے دھوئے اور نہانے لگا مصعبؓ اسعدؓ اور دوسرے مسلمانؓ اسید کی اس تیاری کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ جس زبان پر ابھی گالیاں جاری تھیں اب اس سے اللہ کی بڑائی اور محمد ﷺ کی نبوت کی شہادت ادا ہوگی۔

اسید نہا دھو کر صاف کپڑے بدل کر مصعبؓ کے سامنے آیا اور نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا۔ اسیدؓ جو تبلیغ اسلام کو روکنے کے لئے یہاں آیا تھا اب خود ایک مسلمان

بن کر روانہ ہوا۔ سعد بن معاذ بڑی بے چینی کے ساتھ اسیدؓ کا انتظار کر رہے تھے کہ نہ جانے مسلمانوں کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے اور واقعہ کیا صورت اختیار کرتا ہے۔ اسیدؓ کی واپسی میں تاخیر ہو جانے سے اور فکر بڑھ گئی۔ طرح طرح کے اندیشے دل میں پیدا ہوتے تھے۔ یہ بھی خیال آتا تھا کہ بات چیت بڑھتے بڑھتے کہیں ہاتھ پائی اور جنگ وجدال کی نوبت تک نہ آ گئی ہو، اسیدؓ تنہا گیا ہے وہ اتنے بہت سارے لوگ ہیں کیا عجب ہے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا ہو۔

سعد بن معاذ نے دور ہی سے حضرت اسیدؓ کو آتے دیکھ کر کہا کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو یہاں سے جاتے وقت تھا، اسیدؓ سر سے پاؤں تک بدل گئے تھے دل کی پاکیزگی اور ضمیر کی صفائی چہرے سے نمایاں تھی۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اسیدؓ نہیں رہے جواب سے چند ساعتیں پہلے تھے۔ ایمان کا نور آنکھوں سے چمک رہا تھا اور یقین کے کنول جبیں ورخسار میں کھل رہے تھے۔ حضرت اسیدؓ کے ہاتھوں پاؤں آنکھیں، ٹھوڑی، ماتھا غرض سارا جسم وہی تھا مگر دل بدل گیا تھا اور دل کے بدلتے ہی زندگی اور سے اور ہو گئی زندگی میں تمام کارفرمائی دل ہی کی ہے اسی کے سانچے میں زندگی ڈھلتی اور صورت پکڑتی ہے۔

حضرت مصعبؓ نے پھر سعد بن معاذ پر اسلام پیش کیا سعد نے کچھ سوالات کیے تھوڑی دیر بعد مباحثہ اور جواب سوال ہوتے رہے۔ مصعبؓ نے ہر سوال کا تشفی آمیز جواب دیا اسلام کی حقیقت خوب کھول کھول کر بیان کی۔ وہ چاہتے تھے کہ سائل کے ذہن میں اسلام کی حقیقت پوری طرح اتر جائے کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ صرف اجمال سے کام نہ چلے گا سعد تفصیل چاہتے ہیں۔...... حضرت مصعبؓ کے جوابات نے سعد بن معاذ کو مطمئن کر دیا حقیقت کھل گئی حق واضح ہو گیا، صداقت سامنے آ گئی۔ انہیں یقین ہو گیا فلاح ونجات کی صراط مستقیم

اسلام اور صرف اسلام ہے اب تک خود میں اور میرا قبیلہ گمراہی کی بھول بھلیوں میں ٹکریں مارتا رہا ہے۔ ضلالت و نادانی کی زندگی کو اب بدل دینا چاہیے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بغیر خدا تک پہنچنا ناممکن ہے کہ یہی ذات حق صداقت کا مرکز ہے۔ سعد بن معاذؓ خوشی خوشی اٹھے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے، اسلام لانے کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں پھر پہنچے اور نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ تبلیغ کی، قبیلہ کے لوگ سعدؓ کا بہت احترام کرتے تھے ان کی دانائی اور فراست بھی مسلم تھی، سعدؓ کے اثر سے بنی عبد الاشہل کے تمام لوگ ایک دن مسلمان ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ کے اسلام لانے سے یثرب میں مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی اور تبلیغ و تذکیر کا کام زیادہ قوت کے ساتھ ہونے لگا، مدینہ کے لوگ نہ جانے کب سے ہدایت کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ حق کی بات کان میں پہنچی اور خدا کی بندگی اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے اسلام کے جاں نثار فدائی بن گئے۔ ان کے مزاج، جدت اور افتاد طبع کو اسلامی تعلیمات سے خاص مناسبت تھی۔ ذرا سی رگڑ میں دلوں کی زنگ چھوٹ جاتی، مکہ والوں کی طرح ہٹ دھرم طبیعتیں انہوں نے نہ پائی تھیں، وہ حق شناس تھے، سچائی کھل کر سامنے آئی تو اس کے ماننے میں تامل نہ کرتے۔ سعادت مند روحوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ کہ قبول حق میں حیلہ سازیوں سے کام نہیں لیتیں۔

اس کے بعد پھر دوبارہ یثرب کے لوگ حج کے لئے مکہ آئے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، تبلیغ کی، قرآن سنایا، نیکی کی دعوت دی گناہوں کی مذمت فرمائی۔ اب یہ لوگ جو مکہ سے یثرب واپس لوٹے تو سارے شہر میں اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا، مرد تو مرد عورتیں تک اللہ کا پیام ایک دوسرے کو پہنچاتیں، بازاروں، بیٹھکوں، چراگاہوں، اور شبستانوں میں اسلام ہی کے تذکرے ہوتے

یہاں تک کہ یثرب میں نہایت زور وشور کے ساتھ اسلام پھیلتا چلا گیا، قبیلہ کے قبیلہ اور خاندان کے خاندان اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ اور تبلیغ حق کے لئے ایک ایک یثربی مسلمان معصب بن عمیرؓ بن گیا۔

☆حق پرستی کے جرم میں☆

کفار قریش دیکھ رہے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ اسلام ان کی مخالفتوں کے باوجود پھیلتا چلا جا رہا ہے لوگ باہر سے آتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر متاثر ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی حکمت آمیز سادگی اور بلاغت نے ان کی شاعرانہ سحر بیانی کو گنگ بنا دیا ہے۔ انہوں نے پھر ایک بار اکٹھے ہو کر جلسہ کیا کہ حج کے موسم میں جو قبائل آتے ہیں انہیں جس طرح بنے محمد بن عبداللہ ﷺ کے پاس جانے، ان کی باتیں سننے اور مسلمانوں سے ملنے جلنے سے روکنا چاہیے۔ اب تک ہماری باتیں باہر کے لوگوں کو زیادہ متاثر نہیں کر سکیں۔ یثرب کے کتنے ہی سربراہ آوردہ لوگ محمدؐ سے ملے اور پھر ان کے ہی ہو کر رہ گئے، ہمیں چاہیے کہ ابن عبداللہ کی ذات سے کوئی ایسا عیب منسوب کر دیں جسے سن کر لوگ ان سے بیزار ہو جائیں بلکہ نفرت کرنے لگیں۔

...... ہمیں مشہور کر دینا چاہیے کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ کاہن ہے...... مجلس شوریٰ کے بعض ارکان نے کہا

...... میں نے بہت سے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں، لیکن محمدؐ جو کچھ کہتا ہے وہ کاہنوں کی باتوں سے مختلف ہے، جب ہماری اس تہمت پر لوگ محمد کے کلام کو پرکھیں گے اور اس میں کاہنوں کے کلام کی صفت نہ پائیں گے تو ہم دروغ گو اور مفتری ثابت ہونگے...... بوڑھے ولید بن مغیرہ نے جواب دیا۔

......تو پھر ہم کہیں گے کہ یہ شخص مجنون ہے...... مجمع سے آواز آئی

...... یہ تہمت بھی بے اصل ثابت ہوگی محمدؐ میں مجنون کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا

......ولید بولا۔

......اچھا تو صاحب! ہم لوگوں سے کہے گے کہ محمدؐ شاعر ہے...... قریش نے کہا۔

......شعر اور اس کی اقسام کو ہم عربوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا، محمدؐ کا کلام شعر سے کسی طرں ملتا جلتا نہیں ہے...... ولید قبا کا تکمہ کھولتے ہوئے بولا۔

......آپ ہماری ایک ایک بات کاٹ رہے ہیں لیجئے آخری بات سنئیے۔

ہم کہیں گے کہ محمدؐ جادوگر ہے اس کے کلام میں جادو اس کی آواز میں سحر اور خود اس کے صورت ساحرانہ ہے کہ آدمی اس کا کلمہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے...... چند لوگوں نے کہا۔

یہ تہمت بھی جھوٹی اور بے سروپا ثابت ہوگی ہمیں کوئی ایسا عیب محمدؐ میں لگانا چاہیے جو ٹھیک ثابت ہو جائے اور لوگوں کی نگاہ میں ہماری ساکھ بنی رہے۔ ارے بھائیو! جادوگر تو تمام طور پر نجس اور پلید رہا کرتے ہیں اور محمدؐ تو انتہائی پاک وصاف رہتے ہیں۔ اور پھر ان کی صورت میں بزرگی اور تقدیس پائی جاتی ہے۔ اسے تم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے آخر کس طرح چھپاؤ گے

...... تجربہ کار اور جہاندیدہ ولید کے جواب پر اعیان قریش اور عمائد مکہ بغلیں جھانکنے لگے، ان سے کوئی معقول جواب بہ بن پڑا۔

باطل کا خاصہ ہے کہ حق کو کامیاب دیکھ کر وہ ظلم وزیادتی پر اتر آتا ہے محکم دلیلیں سن کر اور واضح نشانیاں دیکھ کر جہالت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ کفار قریش بھی پوری قوت کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مقابلہ میں آگئے، ظلم ستم کے ہر ممکن حربہ کو ان بد بختوں نے پرستاران حق کے خلاف استعمال کیا، جتنی برائی سچائی کے مٹانے کے لئے کر سکتے

تھے ان میں انہوں نے کوتاہی نہیں کی۔ام القریٰ کا ایک ایک محلّہ پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف محاذ جنگ بنا ہوا تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان عقل کے اندھوں اور دل کے کھوٹوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں ڈالنا چاہتے تھے۔اور یہ اصرار کرتے تھے کہ نہیں ہم اجالے میں نہیں آئیں گے ،اپنے باپ دادا کے آثار کو ہم نہ مٹنے دیں گے ،حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ خدائے واحد کی پرستش کرو ،بتوں کی پوجا چھوڑ دو قریش کہتے کہ واہ !ہم اس شخص کی باتوں میں آ کر کیا اپنے ان معبودوں سے کنارہ کشی کرلیں جو صدیوں سے ہماری قوم کے خدا رہے ہیں اور جن سے ہمیں ہر طرح کا فائدہ پہنچتا ہے۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لات کو ہم ذلیل کردیں ہبل سے رشتہ توڑیں۔عزیٰ کی بارگاہ میں ایک پیشانی بھی نہ جھکا کرے اور نظرا کیلا رہ جائے جب تک ہمار ی جان میں جان ہے محمدؐ کی امیدوں کو ہم پورا نہ ہونے دیں گے۔

رحمتہ اللعلمین فخر موجودات ،خلاصہ کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھوں سے زہر کے پیالے چھین کر آب حیات کے جام دے رہے تھے مگر وہ کوتاہ اندیش لڑتے تھے مرنے مارنے کے لئے تیار رہتے کہ ہمیں تمہارا آب حیات نہیں چاہیے ،ہمارے آباؤ اجداد جس زہر کو پیتے آئے ہیں ہم بھی اسی کو پیئیں گے۔یہ ہمارا قومی فریضہ ہے ،ظالم اور حق ناشناس قریش ،پھولوں کا جواب پتھروں سے دے رہے تھے ،احسان ناشناسی کے ایسے دردناک منظر بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اصحاب رسولؐ پر کفار قریش نے جس بے دردی ،شقاوت اور بے رحمی کے ساتھ مظالم کئے اس کے تصور سے آج بھی انسانیت کانپ جاتی ہے۔گھر والوں نے بہت سے مسلمانوں کا بائیکاٹ کردیا ،کھانا ،پینا ،ملنا جلنا اور بیٹھنا اٹھنا بند !بعض بعض صحابی کے جسم سے اسلام قبول

کرنے کی پاداش میں کپڑے تک اتروالئے۔لوہے کی زرہیں پہنا کران کو دھوپ میں بٹھاتے ،لوہا گرم ہو کر تپنے لگتا، آگ کی طرح گرم لوہا، گرم دھوپ اور بھٹی کی بھوبل کی مانند گرم ریت ،صحابہ کے جسم ان آتش افشانیوں کی تاب نہ لاکر جھلنے لگتے ،بدن کی چربی تک پگھل جاتی مگر حق کا نشہ اتنا تیز تھا کہ ان ترشیوں سے اترتا تو کیا اور تند تر ہو جاتا۔

بلال حبشیؓ رسول اللہ ﷺ کے جان نثار غلام تھے ،سیاہ رنگ مگر دل چاندنی سے زیادہ اجلا ،تبلیغ حق وصداقت میں پیش پیش! مسلمان ہونے کے بعد بلالؓ آستانہ نبوت ہی کو اپنا ملجاو ماویٰ سمجھتے تھے ،مسلمانوں میں غریب امیر اور آزاد غلام کا امتیاز نہ تھا، جو اسلام کے دائرے میں آگیا وہ مسلمان کا بھائی ہو گیا ،نسل ورنگ کی مفاخرت اور امارت وسیادت کا غرور صحابہ کرام میں نہ تھا۔ان کی نگاہ میں عزت کا معیار پرہیز گاری اور نکوکاری تھا یہ سب ایک ہی جیسے تھے۔

قریش نے جب دیکھا کہ حبشی غلام بلالؓ ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ وعثمانؓ کے برابر بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔تو ان کو اور زیادہ غصہ آیا کہ یہ اسلام تو ہمارا آبائی عقائد کے ساتھ خاندانی عظمت اور نسلی وقار کو بھی خاک میں ملائے دیتا ہے۔حبش کا غلام اور ابوطالب ،ابوقحافہ اور خطاب جیسے اعیان قریش کے بیٹوں کی برابری کرے!یہ کس طرح گوارا کیا جاسکتا ہے۔اس طرح تو حبش، عراق، شام، ایران اور حضرت موت کا ہر غلام مسلمان ہو کر ہم قریشیوں کا ہم پلہ ہو جائے گا یہ تو عظمت قریش کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ہم نے اپنی خاندانی عزت کی ہزاروں سال حفاظت کی ہے جنگ کے میدان ہماری تیغ زنی زور آزمائی اور بے جگری کے شاہد ہیں ہم نے سینوں پر تلواروں ،نیزوں برچھیوں اور تیروں کے زخم کھائے مگر قریش کی عظمت کو نیچا نہیں ہونے دیا۔ہمارے نسب نامے دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ ہیں۔

......مگر اب تو محمد ابن عبداللہ ﷺ کا لایا ہوا دین ہماری اس قبائلی عزت کو یقیناً باقی نہ رہنے

دے گا۔ ہمارآنکھوں میں خون اتر آتا ہے جب بلال حبشیؓ کہ ہم ابوبکرؓ وعلیؓ کے دوش بدوش نماز پڑھتا اور زانو سے زانو ملائے ہوئے پاس بیٹھا دیکھتے ہیں۔

دلوں کی جھنجلاہٹ نے جبروستم کا روپ دھار لیا کفار قریش حضرت بلالؓ کی گردن میں رسی ڈال کر شوخ چھوکروں کو سونپ دیتے اور قریش کے یہ ہنجار لونڈے حضرت بلالؓ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے گھسیٹتے پھرتے، کفار تالیاں بجا کر ہنستے کہ بلالؓ اسی سلوک کا مستحق ہے۔ حبش کا غلام مکہ میں سر اٹھا کر نہیں چل سکتا، اس کھینچا تانی میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن لہولہان ہو جاتی ہے یہ ان بدبختوں کا روز کا مشغلہ تھا بلکہ تفریح! وہ نادان یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ہم بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذلیل کر رہے ہیں اس حقیقت سے وہ بے خبر تھے کہ اسی اوچھی باتوں سے سچائی اور بلند ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی ذلت، سیرت اور کردار کی ذلت ہے۔ آدمی کی زندگی اپنے کردار کے سبب باعزت ہو تو پھر اس عزت کو دنیا والے نیچا نہیں کر سکتے، سچائی ظالموں کے ہاتھوں سے جوتوں کا ہار پہن کر بھی پست نہیں ہوتی، یہ لوگوں کی بھول اور کم نظری ہے جو وہ ایسا سمجھتے ہیں۔

امیہ بن خلف کے حضرت بلالؓ مملوک تھے، وہ ظالم آپ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا، پھر آپ کی چھاتی اور پیٹھ پر گرم پتھر رکھتا، بلالؓ کے بدن کی کھال جھلس جھلس جاتی مگر اسلام کا یہ فدائی اس عالم میں احد احد کا نعرہ لگاتا اور ان آتش سامانیوں کے درمیان خدا کی توحید کا اقرار کرتا ،حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والدین کو کفار طرح طرح کے عذاب دیتے ،یہ تکلیفیں انتہائی بے رحمانہ اور شقاوت آمیز تھیں۔ ایک بار عمار کے گھر والوں کو کفار ستا رہے تھے ،حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا آل یاسر نے رسول اللہ کو ملتجی نگاہوں سے دیکھا ان مظلوموں کی نگاہیں زبان حال سے کہہ رہی تھیں

یہ جرم عشق تو ام می کشذ غوغا نیست
تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشائیست ۔

حضور نے ارشاد فرمایا۔

آل یاسر! صبر کرو، جنت کا وعدہ بالتحقیق تمہارے لئے ہے اپنے آقا و مولہ کی زبان سے اس بشارت کو سن کر عمار بن یاسر کے گھر والوں کے چہروں پر خوشی کی سرخی دوڑ گئی ،زبان نہیں دل کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ آپ کی غلامی کا قلاوہ اب ہماری گردنوں سے نکل نہیں سکتا چاہے ہمارے جسموں کا ایک ایک جوڑ کیوں نہ جدا ہو جائے ہم اب آپؐ ہی کے ہو کر جینا اور مرنا چاہتے ہیں دنیا کی کوئی مصیبت اب اسلام سے نہیں پھیر سکتی اور ہم نے :۔

کچھ سمجھ کر ہی تہ تیغ گلا رکھا ہے۔

مکہ کی فراغ و وسیع زمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی تھی ،ایک ایک صحابی کافروں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہا تھا۔اذیت کوشیوں کے انداز بھی عجیب وغریب تھے کسی مسلمان کو درخت سے باندھ کر الٹا لٹکا دیا جاتا اور چٹائی میں آگ دے کر دھواں اس کی ناک میں پہنچایا جاتا کسی کے دونوں ہاتھ پلنگ کے پایوں کے نیچے دبا کر کئی کئی آدمی اس پر بیٹھ جاتے اور غریب کے ہاتھوں کی کھل چھل جاتی ۔ذلت اذیت اور ایذا رسانی کے جو سامان وہ کر سکتے تھے وہ سب کے سب ان ظالموں نے کر ڈالے۔

خود ذات رسالتؐ کے ساتھ وہ وہ گستاخیاں کیں کہ انسانیت کی شہ رگ بلبلا اٹھی۔حضورؐ جس راہ سے گزرتے ہیں کانٹے بچھائے جاتے اور پائے مبارک کانٹوں کی نوکوں سے زخمی ہو جاتے ...... حضورؐ راستہ سے جا رہے ہیں اور کسی مکان کی چھت سے کسی کافرہ نے خاک کا ٹوکرا سر اقدس پر پھینک دیا اور تمام جسم مٹی میں اٹ گیا۔ایک بار حضور ﷺ کعبہ میں نماز پڑ

ھ رہے تھے، عقبہ ابن معیط بہت دیر سے تاک لگائے بیٹھا تھا اس نے تیزی کے ساتھ بڑھ کر آپ ؐ کی گردن میں چادر ڈال دی اور اس زور سے چادر کو بل دے کر اینٹھا کی کہ رحمت دو عالم کی آنکھوں کے ڈھیلے باہر آ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے شدید مزاحمت اور زخموں کی پروانہ کرتے ہوئے اس شقی کے ہاتھ سے چادر جیسے تیسے چھڑائی حضرت ابوبکرؓ بو نے کہا کہ تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو تم لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں لے کر آیا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

ایک بار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گھر میں اس حالت میں تشریف لائے کہ سر اقدس گرد میں اٹا ہوا تھا، ایک کافر کی گستاخی نے فرق رسالت اور جبیں سعادت کو خاک آلود کر دیا تھا۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے دیکھا تو پانی کا برتن لے کر دوڑیں، سر اقدس پر پانی ڈال کر گرد دھونے لگیں، آنکھوں میں آنسو آ گئے ضبط کے باوجود گریہ نہ رک سکا حضور نے معصوم و کمسن بیٹی کو روتا دیکھ کر فرمایا۔

"جان پدر! رونہیں خدا تیرے باپ کو بچا لے گا۔

مکہ میں بکریوں اور اونٹوں کے لئے پناہ تھی مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھیوں پر امن و سلامتی کی تمام راہیں بند کر دی گئی تھیں اس بستی کا ایک ایک ذرہ آپ ؐ کا دشمن تھا، در و دیوار آپ ؐ کے خون کے پیاسے تھے، ہر طلوع ہونے والی صبح کافروں کی ایذا رسانیوں میں ایک، نئے باب کا اضافہ کر دیتی کفار قریش ذات رسالت ؐ اور صحابہ کرامؓ کو مٹانے پر پوری طرح تل گئے تھے۔ قبائلی نزاعوں اور مخاصموں نے اسلام دشمنی کی صورت اختیار کر لی تھی ہر کافر مسلمانوں کو ستانے میں دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا۔ خدا کے نیک بندوں کو ستا کر وہ لوگ اپنی محفلوں میں فخر کرتے اور ایک دوسرے کے ظالمانہ کارناموں

کو سراہتے۔ سچائی آتشیں امتحان سے گزر رہی تھے، حق آزمائش کی بھٹی میں تپایا جا رہا تھا، اسلام کا سفینہ مخالفت کفر کے ہولناک طوفانوں کے مقابل تھا...... خوفناک تصادم، پرخطر ٹکراؤ، حوصلہ شکن دشمنی! مصلحین اور پرستاران حق و صداقت کو بہر حال مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر کفار قریش بڑے بے درد مخالف تھے حرم و کرم اور عفو و درگزر تو وہ جانتے ہی نہ تھے ۔ سچی بات کا جواب ان کے پاس تلوار، نیزے، برچھی اور پتھر کے سوا کچھ نہ تھا ان کی دشمنی کا کوہ آتش فشاں پوری قوت کے ساتھ آگ اگل رہا تھا۔ عداوت شباب پر تھی کسی کسی کافر نے تو اپنا کام دھندا تک چھوڑ دیا تھا۔ اسلام کو مٹانے کے لئے اس نے یہ ایثار کیا تھا وہ اس جہالت کو بہت بڑی قومی خدمت سمجھتا تھا۔ نسلی عصبیت بربادی اور ہلاکت ہر ممکن ذرائع کے ساتھ میدان میں آ گئی تھی ۔ باطل کا حق سے ٹکراؤ ہو رہا تھا۔ کفر مطمئن تھا کہ مٹھی بھر انسان ان سفاکانہ مخالفتوں کا آخر کب تک مقابلہ کرتے رہے گے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ مسلمان مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے ۔ انہیں جھکنا پڑے گا اور اگر انہوں نے شکست قبول نہ کی تو وہ مٹ جائیں گے ۔ موت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اور ہلاکت ان کی راہ دیکھ رہی ہے۔ گنتی کے چند آدمی ہزاروں بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ گھاس کے تنکے کتنے ہی پرجوش اور حوصلہ مند کیوں نہ ہوں طوفان کی ٹکر سہہ نہیں سکتے ۔

☆ ہجرت مکہ سے غار ثور تک ☆

ان تمام مخالفتوں کے باوجود اسلام کا دھارا نہ تھما تو کفار قریش کے سرداروں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مجلس شوریٰ منعقد کی ۔ دار الندوہ قریش کا پارلیمنٹ تھا، کلاب کا نامور بیٹا قصیٰ اس کا بانی تھا۔ جب کوئی ضروری مشورہ کرنا ہوتا تو سرداران مکہ قریش یہاں جمع ہو کر گفتگو کرتے ، دار الندوہ میں قریش کا اجتماع اس کی دلیل تھا کہ کوئی بڑا معرکہ درپیش ہے اور کسی اہم مسئلہ پر

گفت وشنید ہو رہی ہے۔

شاید قصیٰ کے زمانہ سے لے کر اب تک شیوخ قبائل کا اتنا بڑا اجتماع دارالندوہ میں نہ ہوا تھا لوگ ذمہ داری کے شدید احساس کے ساتھ یہاں آئے تھے، ان نادانوں کے خیال میں ان کے سب سے بڑے دشمن کے خلاف یہ مشورت تھی، قریش کی قومی عظمت اور آبائی دین کی زندگی اور موت کا آج فیصلہ ہونے والا تھا، اسلام کو مٹانے کے لئے یہ کونسل منعقد ہوئی تھی،......شیوخ قریش...... جہاندیدہ، تجربہ کار، جری اور بے باک ہتلوار کے دھنی، رزم آرائیوں کے ہیرو، جو اپنی بات پہ آئیں تو شراب نوشی کی محفلوں کو ذراسی دیر میں قتل گاہ بناڈالیں، سروں پر عمامے اور عقال بر میں عبائیں، قبائیں، کرتے، یمنی چادریں، کسی کسی کے پاس ریشمی حلہ بھی تھا

۔

بہت دیر کی ردوقدح کے بعد یہ بات طے پائی کہ جس طرح ہو سکے ابن عبداللہ کا کام تمام کر دینا چاہیے وہ ختم ہو گئے تو پھر ان کا دین آپ ہی آپ فنا ہو جائے گا۔ اور ان کے ساتھی بے سردار فوج کی مانند رہ جائیں گے۔ ان کی ہمتیں اپنے پیشوا کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد خود بخود ٹوٹ جائیں گی۔ ان کی ہمت بندھانے والا ہی کوئی نہ رہے گا۔ یہ محمدؐ کا فیض صحبت اور ان کی تعلیم وتربیت کا اثر ہے جو یہ مسلمان موت سے کھیلنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ محمدؐ ہی نہ رہے تو یہ بے چارے خود شکست مان لیں گے۔

اب یہ بات طے ہونا باقی تھی کہ اس تجویز کو عملی جامہ آخر کس طرح پہنایا جائے۔

......محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر ایک مکان میں قید کر کے دروازوں اور روشندانوں کو مٹی سے بند کر دو، یہاں تک کہ زہیر و نابغہ کی طرح وہ اپنی موت آپ مر جائے...... چند لوگوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔

...... یہ تدبیر کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی، یہ خبر چھپ نہیں سکتی۔ کسی نہ کسی طرح پھیل کر رہے گی۔ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے جتنی عقیدت ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے جب ان کو اس واقعہ کی خبر ہوگی تو محمد ابن عبداللہ ﷺ کو چھڑا لیں گے اور طاقت پا کر ہم کو بھی مٹا دیں گے...... ایک بوڑھے نجدی نے جو اس مشورت میں شریک تھا کہا۔

...... تو پھر ایہا الاخوان! یہ تدبیریں مناسب ہے کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ کو ایک تیز مزاج اور کڑوے دل سرکش اونٹ پر بٹھا کر شہر سے باہر نکال دیں وہ کہیں بھی جائے چاہے مرے چاہے جئے...... ایک دوسرا شخص بہت سوچ کو بولا۔

...... بھائیو! یہ تدبیر بھی چلتی نظر نہیں آتی بلکہ شاید الٹی پڑے گی کیا تم لوگوں نے محمد کی دلکش باتوں کو فراموش کر دیا ہے وہ جس سے بھی باتیں کرتا ہے اسے اپنا بنا لیتا ہے۔ اس لئے یہ شخص جہاں بھی جائے گا وہاں کے لوگ اس کے ہو جائیں گے...... شیخ نجد کے جواب پر سب خاموش ہو گئے۔ سوچ بچار ہونے لگا، کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر اعیان قریش محفل سے اٹھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ بہت دیر تک غور و فکر ہوتا رہا۔ ہر شخص اپنے خیال و فکر کے مطابق عقل دوڑانے لگا۔ شیخ نجد کے اعتراضات نے سب کو محتاط بنا دیا تھا کہ سوچ سمجھ کر بات منہ سے نکالنی چاہیے۔

آخر کار ابو جہل کے سر کو جنبش ہوئی، ہونٹ ہلے اور زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ سب لوگ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سننے لگے۔ ابو جہل بولا:۔

ایہا الاصنادید! محمد ابن عبداللہ جب تک قتل نہ ہو جائیں یہ فتنہ (نعوذ باللہ) ہمارا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ مگر ان کے قتل پر اک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہے بنی ہاشم انتقام لینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے کہ سب لوگ رات کو اندھیرے میں محمدؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیں۔ اور جب وہ صبح کے وقت نماز پڑھنے کے لئے گھر سے باہر نکلے

توسب بہادر ایک ساتھ تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح محمدؐ کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور پھر اتنے بہت سارے قبیلوں سے انتقام لینے کی بنی ہاشم کو ہمت نہ ہوگی۔

تمام مشیروں کی پیشانیاں فرط مسرت سے چمک اٹھیں۔ سب نے ابوجہل کی تجویز کو سراہا کہ یہ تدبیر نہایت مناسب اور ہر طرح سے قابل عمل ہے، ابوجہل کی فراست اور ہوشمندی کی داد دی گئی، کہ اس نے کس قدر کامیاب تجویز اور کارگر اسکیم پیش کی ہے۔ شیخ نجد جواب تک بہت سی تجویزوں پر تنقید کر چکا تھا، خاموش ہوگیا اس سکوت میں رضا پنہاں تھی یعنی یہ کہ ابوجہل نے چلنے والی بات کی ہے۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں...... معقول ترین تجویز، بہترین مشورہ!

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان منصوبوں کی اطلاع وحی کے ذریعہ اپنے سچے رسولؐ، برگزیدہ نبیؐ اور انسانیت کے محسن اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کو دے دی کافر سمجھتے تھے کہ ہم نے انتہائی رازداری کے ساتھ مشورہ کیا ہے۔ کسی مسلمان کو اس کی خبر ہو ہی نہیں سکتی۔ دارالندوہ کے آس پاس پہرے بٹھائے دیئے گئے تھے کہ کوئی اپنا پرایا ادھر آن نہ پائے، چند معتبر لوگ اس اسکیم کے رازدار تھے بعض کافروں نے اپنے خاص گھر کے لوگوں کو بھی یہ بھید نہیں بتایا، اس لئے کہ منہ سے نکلتے ہی بات پرائی ہو جاتی ہے۔ رازداری کی تعریف ہی یہ ہے کہ راز کسی شخص پر بھی ظاہر نہ کیا جائے۔ ایسی حالت میں اپنے جان و جگر پر بھی اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا......

کفار قریش مسرور مطمئن تھے، ابوجہل کے مشورے پر انہیں ناز تھا، ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی اور اس حقیقت کا خطرہ بھی ان سیاہ باطنوں کے دلوں میں نہ گزرا تھا کہ نبوت کا خدا کی ذات سے کیا تعلق ہے اور جس خدا نے محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے وہ اس کی حفاظت سے بے خبر نہیں ہے۔ الہام و وحی کی حقیقت ہی سے وہ لوگ ناواقف تھے، لات و ہبل کے پوجنے والوں کو اس بات کا پتہ ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے خطروں سے آگاہ ہے اور

جس کی مشیت اور قدرت تمام عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اپنے برگزیدہ بندوں پر چھپی ہوئی باتیں اور پیش آنے والے واقعات قبل از وقت ظاہر کر سکتا ہے ان ظاہر بینوں کو تو بس یہ نظر آتا ہے کہ محمد ﷺ عبداللہ کا بیٹا ہے۔ اور عبدالمطلب کا پوتا ہے۔ ہماری ہی طرح وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اور سوتا جاگتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہم قریشیوں کی مانند بازاروں میں بھی اسے جانا پڑتا ہے۔ انسان کے فطری حالات میں وہ ہم جیسا ہے، انہیں خبر نہ تھی کہ محمد ﷺ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم یقیناً انسان ہے اللہ کا بندہ ہے مگر کیسا بندہ؟ رحمتہ اللعالمین ''سراج منیر'' رؤف'' رحیم، مہبط وحی'' اس کی یہ شان ہے کہ جس انسان کے لئے وہ جنت کی خوشخبری اپنی زبان حق ترجمان سے بیان فرما دے اس پر جنت واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حقائق و معانی کے اسرار کے لئے اس کا سینہ کھول دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اسکا براہ راست تعلق ہے ہاں! ہاں وہ سوتا ہے مگر اس دل جاگتا رہتا ہے۔ مکہ بام و در اور صحرا کی ببولوں اور کھجوروں کو جو آنکھ دیکھتی ہے اس کے سامنے اسرار فطرت اور رموز قدرت کے صحیفے بھی کھلے ہوئے ہیں۔

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر

گرچہ آید در نوشتن شیر ،شیر ۔

اس کے ذکر کو خود اللہ نے بلند فرمایا ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں بھی اسے نیچا نہیں کر سکتی۔ محمد ابن عبداللہ ﷺ سے جنگ در حقیقت خدا سے جنگ ہے اور خدا پر کوئی طاقت فتح نہیں پا سکتی محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے نصرت و ظفر مقدر ہو چکی ہے۔ تم کافروں کی تمام تدبیریں خاک میں مل جائے گی۔ مت غرور کرو اپنی کثرت تعداد پر محمد ﷺ کی ذات ''روشن چراغ'' ہے جسے انقلاب کا کوئی جھونکا بھی بجھا نہیں سکتا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیارے چچا زاد بھائی اور جانثار صحابی حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا۔

تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ کسی قسم کا فکر اور اندیشہ نہ کرو تمہارا بال بیکا بھی کوئی نہ کر سکے گا۔

بڑا شدید امتحان تھا، محمد ﷺ کے بستر پر آج سونا گویا تلواروں کے سایہ میں سونا تھا، یہ موت اور ہلاکت سے دست بدست جنگ تھی۔ مکہ کے مشہور قبیلوں کے نامور بہادروں کی تلواروں کا مقابلہ تھا، خطرناک سے خطرناک صورت پیش آسکتی تھی۔ ہر لمحہ جان جانے کا ڈر تھا، کافر پورے ساز و سامان اور اٹل ارادے کے ساتھ آئے تھے۔ مگر حضرت علیؓ ایمان و یقین کا کوہ گراں تھے۔ انہوں نے ذرہ برابر بھی پس و پیش نہ کیا، محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم بعد غور و فکر کرنا عقل لڑانا اور عواقب کو سوچنا ایمان کی توہین تھی خدا اور رسول کے ارشاد کے سامنے سر جھکانا ہی اسلام ہے اور ایمان ہے۔ جس نے انقیاد و اطاعت میں تامل کیا سمجھ لو کہ اس کے ایمان میں کھوٹ ہے اور وہ مصلحتوں کی ابھی تک بوجا کر رہا ہے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت سرور کائناتؐ کے بستر پر سوتے رہے۔ حضور مکان سے جب برآمد ہوئے ہیں تو کفار قریش ننگی تلواریں لئے گھات میں بیٹھے تھے ان کی پلک بھی آج نہ جھپکتی تھی وہ اس انتظار میں تھے کہ محمد ﷺ نے دروازے سے باہر بس قدم رکھا اور ہماری تلواریں ان پر برس پڑیں، محمد ﷺ آج بچ نہیں سکتے۔ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہے۔ ہم اب تک انہیں ہر طرح سے ڈھیل دیتے رہے۔ مگر ابن عبداللہ اپنی بات سے نہ ہٹے، آخر ہم کب تک اپنے معبودوں کی توہین گوارا کرتے برداشت کی آخر ایک حد ہوتی ہے۔ بنی ہاشم کے گھرانے میں آج صبح سویرے صف ماتم بچھی ہوگی عبداللہ ابن عبدالمطلب کی

جواں مرگی پر بھی اتنا دردانگیز ماتم نہ ہوا ہوگا ۔ جیسا اب ہوگا ہاشمی گھرانے کی عورتیں بین کریں گی کہ محمد ﷺ تم بہت نیک آدمی تھے راست باز صادق الوعد، خوبصورت، خوش خلق، حیا تمہاری فطرت تھی اور غیرت تمہاری سرشت ! عرب میں شاید تم جیسا نیک آدمی پیدا نہیں ہوا قصٰی کے کارنامے بھی تمہارے آگے گرد ہوگئے لیکن تم نے اپنی قوم سے لڑائی مول لے کر کچھ اچھا نہیں کیا۔ اگر تم اپنی قوم کی مخالفت نہ کرتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ کفار قریش ان خام خیالوں کے مدوجزر میں انتظار کی ساعتیں گزار رہے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ رات میں گھر سے نکلے، اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاگتی ہوئی آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دئے تھے ، کافروں کو حضرت سرور کائنات کا جانا محسوس ہی نہیں ہوا۔ خدا جس کو بچانا چاہے دنیا کی تمام طاقتیں بھی مل جل کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں اللہ کی تدبیر کا توڑ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم جس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر ''طبعی خاصیت اور عادت وجبلت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا پابند نہیں ہے وہ چاہے تو ہر عادت کا ''فرق'' ممکن ہے اس کی قدرت پانی سے جلانے کا اور آگ سے بجھانے کا کام بھی لے سکتی ہے۔ انسان کیا اور اس کے ارادے کیا ہے؟ پانی کے بلبلے، سمندر کی جھاگ ،اوس کی بوندیں، چھوئی موئی کا طلسم ! عزائم کا بڑے سے بڑا قلعہ کسی خارجی یا داخلی جنبش سے آن کی آن میں سرنگوں ہو جاتا ہے۔ آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ محاصرہ کرنے والوں کی موجودگی میں مکان سے نکل کر باہر تشریف لے گئے اور کسی کافر کو آپ کی پرچھائیں بھی دکھائی نہ دی۔

حضور ﷺ دولت کدے سے چل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے اور اپنے ارادے اور حالات کی نوعیت سے مطلع فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی پس وپیش، کسی تامل اور ذرا سی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر رفاقت کی حامی بھرلی ۔ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس سفر

میں رفاقت درحقیقت مصیبتوں اور خطروں میں کودنا اور موت کی آواز پر ''لبیک'' کہنا تھا یہ کوئی تفریحی اور تجارتی سفر نہ تھا، میں ہر قدم پر شدید سے شدید تر خطروں کے امکانات تھے یہ جان کی بازی اور زندگی اور موت کا سودا تھا۔ صدیق اکبرؓ کے ایمان کی قوت نے نفس کے وسوسوں اور اندیشوں کو ابھرنے ہی نہ دیا۔ صدیق اکبرؓ ایمان خدا اور رسول کے حکم کے آگے ''چوں وچرا'' کرنا جانتا ہی نہ تھا...... صرف تسلیم ورضا، اطاعت اتباع اور فرمانبرداری! یہ ایمان کا معاملہ تھا تجارت نہ تھی، جہاں چیز سود وزیاں کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے۔ یقین عواقب اور انجام سے بے پرواہو کر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سر کو جھکنے کے بعد اٹھنے کی مہلت ہی نہ ملے اور کسی دشمن کی تلوار کا ایک وار سر کو تن سے جدا کردے۔ جو یقین مصلحت شناس اور انجام بین ہو سمجھ لو کہ اس میں ابھی کمزوری اور نارسیدگی موجود ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم سن کر یہ سوچا ہی نہیں کہ اس خطرناک رفاقت اور پر ہول ہمسفری کا نتیجہ کیا ہوگا۔؟ صدیق اکبرؓ نے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی جان مال فکر، ہوش وحواس اور دل دماغ سب کے سب اللہ اور اللہ کے رسول کو سونپ دیئے تھے۔ دین کے معاملہ میں ذاتی رائے شخصی مصلحت اور انفرادی سوچ بچار کے لئے اب گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ نے جلدی جلدی سفر کے لئے ضروری سامان جو اس نازک گھڑی میں میسر آسکتا تھا درست کیا، ستوؤں کی تھیلی کا منہ باندھنے کے لئے عجلت اور اضطراب میں کوئی چیز نہ ملی تو ابوبکرؓ کی سعادت مند بیٹی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس کے ٹکڑے سے یہ کام لیا اور اس نیکی کی بدولت تاریخ اسلام میں ''ذات النطاقین'' کے لقب کے ساتھ ابدی شہرت کی مالک ٹھہریں۔ ستو، کھجور، پانی کی چھاگل اور ضرورت کی دو چار چیزیں لے کر رات کی تنہائی میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ روانہ ہوئے، مکہ کی

گلیوں میں خامشی طاری تھی، لوگ اپنے گھروں میں چین کی نیند سو رہے تھے۔ بستی سے باہر آ کر حضرت محمد ﷺ نے مکہ کو محبت کی نگاہوں سے کئی بار مڑ مڑ کر دیکھا مکہ چھوٹ رہا تھا...... پیارا وطن مولد و منشا؟ جہاں کے در و بام نے محمدؐ کے بچپن اور جوانی کی بہاریں دیکھی تھیں؟ ایک ایک ذرہ زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تما شا می روی

حب وطن محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں سے لپٹ گئی کہ ام القریٰ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو اپنی برکتوں سے مکہ محروم نہ کرو، گلیاں کوچے اور بازار کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ تمہارے نقش قدم ہمارے سینوں میں محفوظ ہیں، جا رہے ہو تم ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو۔ اتنے مبارک قدم اب ہمیں کہاں میسر آئیں گے۔ اے امن و سلامتی کے پیغمبر! دیس چھوڑ کر پردیس نہ جا، غربت میں نہ جانے کوئی غم خواری کرے یا نہ کرے یہاں پھر اپنے لوگ ہیں۔ خون کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ غیروں کو اتنا لگاؤ نہیں ہو سکتا جتنا اپنوں کو ہوتا ہے۔ کعبہ کے بام و در پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی غم خوار اور محسن دوست بچھڑ رہا ہے میزاب رحمت سے لے کر حطیم تک سب سوگوار تھے۔

بھیانک اور اندھیری رات، سنگلاخ راستہ، کہیں کہیں خطرناک موڑ اور نشیب و فراز بھی! پتھروں کی دھاریں اور سنگریزوں کی نوکیں پائے مبارک میں چبھنے لگیں، خون نکل آیا کسی موڑ اور اونچے نیچے مقام پر ٹھوکر لگتی ہے تو زخمی پیروں کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر صدیق اکبرؓ سے نہ رہا گیا، محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے کاندھے پر چڑھا لیا۔ پتھروں کی تیز نوکیں صدیق اکبرؓ کے پیروں کو لہولہان کر رہی تھیں مگر ابو بکرؓ اس خیال سے کہ سرور عالمؐ

کو تکلیف نہ ہو، چوٹ کھا کر بھی ہلتے جلتے نہ تھے، وہ پتھروں کی نوکوں پر اس انداز سے چل رہے تھے جیسے کوئی پھولوں کی سیج پر چل رہا ہو۔ پانچ میل کی مسافت کے بعد غار ثور آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور تھوڑی دیر باہر قیام فرمائیں میں غار میں جا کر ابھی واپس آتا ہوں۔

غار ثور خاردار جھاڑیوں میں مٹی کنکروں اور پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔ انتہائی بھیانک اور ڈراؤنا منظر تھا، ناتراشیدہ پتھروں کی کالی کالی چٹانیں سنگریزوں کے بے ترتیب ڈھیر، کہیں اونچا کہیں نیچا، دیواروں میں سوراخ، روزن اور درزیں! صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلدی جلدی غار کو جھاڑ کر صاف کیا تاکہ زمین بیٹھنے کے قابل ہو جائے پھر بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزنوں کو بند کیا کہ کوئی موذی جانور رسول اللہ ﷺ کو ستانے نہ پائے۔ غار میں ہر قدم پر سانپ، بچھو اور اسی قسم کے دوسرے زہریلے جانوروں کا خطرہ تھا۔ مگر صدیق اکبرؓ اپنے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار تھے اور اس سرشاری میں انہیں اپنی جان کی فکر اور تن بدن کا ہوش نہ تھا، جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار سے باہر آئے اور حضور کی خدمت میں اندر چلنے کے لئے عرض کیا، حضور غار کے اندر تشریف لے گئے۔ صدیقؓ ساتھ ساتھ اور ادھر ادھر دیکھتے جاتے تھے کہ اذیت کا ظہور اور خطرہ کا وقوع نہ ہونے پائے، صدیق اکبرؓ کا دل کہہ رہا تھا کہ خدانخواستہ کوئی اژدھا بھی نکل آیا تو اس کا پھن مٹھی میں لے کر مسل دونگا۔ چاہے ایسا کرنے میں خود میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ مگر حضور کو ادنیٰ سی گزند بھی نہ پہنچے۔

ابوبکرؓ کی جگہ کوئی اور دنیا پرست اور اغراض کا بندہ ہوتا تو مصلحتوں کی آڑ لے کر اپنے ساتھی کے لئے خطرہ مول ہی نہ لیتا وہ کہتا بھئی! میں اور تم دونوں ایک ہی حالت میں ہیں تم میری

غمخواری کرو۔ میں تمہاری خبر گیری کرتا ہوں۔ مل جل کر کام چلے گا۔ تمام بار ایک ہی آدمی پر نہ ڈالا جائے...... اور راہ گیر تن تنہا سب کچھ بندوبست کر بھی لیتا تو ہزاروں احسان جتاتا کہ میں نے تمہارے لئے یہ کیا وہ کیا اپنے آرام کو تج کر تمہارے واسطے آسانیاں اور سہولتیں مہیا کیں۔ تمہاری حفاظت کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا ان سوراخوں میں بچھو اور سانپ بھی ہو سکتے تھے مگر میں نے تمہاری محبت میں کسی اذیت کی پرواہ نہیں کی۔ لیکن یہ ابوبکرؓ تھے۔ صحیح معنوں میں یار غار بے لوث دوست، جان نثار ساتھی، عقیدت مند رفیق سفر اور سرفروش غلام انہوں نے داد وستائش حاصل کرنے کے لئے یہ خدمت نہیں کی، وہ تو اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی پشیمان اور نادم تھے کہ مجھ غریب سے ہائے کچھ نہ ہو سکا، محمدﷺ کی راہ میں تو دیدہ دل بچھانے کے بعد بھی عقیدت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جس کی بدولت ایمان کی دولت اور اسلام کی نعمت ملی، اس کے احسان سے تو جان دینے کے بعد بھی عہدہ برآ ہونا محال ہے۔

جیسے جیسے رات گزرتی جا رہی تھی کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار کی خوشی میں اضافہ ہو رہا تھا کہ منزل مقصود اب زیادہ دور نہیں رہی، یہاں تک سپیدہ سحر نمودار ہو گیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلتے نظر نہیں آئے۔ کافروں کو فکر ہوئی کہ آخر کیا بات ہے دھوپ نکل آئی ہے اور محمد ﷺ نماز پڑھنے کے لئے بیدار نہیں ہوئے۔ وہ تو بہت اندھیرے سے کعبہ جانے کے عادی ہیں۔ ان کی سحر خیزی تو سارے مکہ میں مشہور ہے۔ لوگ سوتے ہوتے ہیں اور محمد ﷺ کی پیشانی کعبہ کے صحن میں اپنے خدا کے آگے جھکی ہوتی ہے۔

شاید آنکھ نہ کھلی ہو ان کی! کسی کافر کے دل میں یہ خیال گزرا اور کوئی یہ سوچنے لگا کہ ہمارے محاصرے کی اطلاع پا کر محمد ﷺ گھر میں چھپ رہے ہوں گے۔ چلو اندر جا کر دیکھیں۔ کہ کیا ماجرا ہے۔ ہم جس کام کے لئے یہاں آئے ہیں اور جس غرض کی خاطر تمام رات آنکھوں ہی

آنکھوں میں کاٹی ہے اسے پورا کر کے رہیں گے ہم ناکام نہیں لوٹ سکتے۔

گھر میں پہنچے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بستر پر حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو پایا۔انہیں بہت غصہ آیا اور ظالموں نے علی کو خوب مارا۔

......محمد ابن عبداللہ ﷺ ہم سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر صاف نکل گئے......ایک قریشی نے کہا اور تمام کافروں نے سر ہلایا کہ تم ہمارے دل کی بات کہہ رہے ہو۔کافر جھنجلا کر اپنی تلواروں کو دیکھتے کہ یہ جوہردار تیغیں یونہی رہ گئیں۔کیا سوچ کر آئے تھے اور کیا ارمان جی کے جی ہی میں رہ گئے ایک آدھ معرکہ آرائی کے بعد ایسا ہو جاتا تو ہم صبر کر لیتے کہ ہمیں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کا موقعہ تو مل گیا ،مگر یہاں تو کسی کے جسم پر ذراسی خراش بھی نہیں آئی محمد ﷺ کے جسم کو کسی کی تلوار نے چھوا تک نہیں۔اور وہ صحیح سلامت چلے گئے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تلاش شروع ہوئی آپ کی تلاش میں گھوڑے دوڑائے گئے ناقہ سوار بھی روانہ ہوئے کچھ لوگ پیدل ہی چل پڑے،خیال یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ مکہ سے دور نہ پہنچے ہوں گے اگر تیزی کے ساتھ تلاش کی جائے تو سراغ لگنا مشکل نہیں ہے۔مکہ کے قریب کی تمام جھاڑیاں آس پاس کے نخلستان اور راستے چھان مارے مگر پتہ نہ چلا یہاں تک کہ کفار غار ثور کے ٹھیک سامنے پہنچ گئے۔سب سے پہلے ان کی ہلچل سنائی دی پھر ان کے باتیں کرنی کی آواز آنے لگی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بہت فکر لاحق ہوا کہ کہیں جا بھی نہ سکیں گے ،دشمن بالکل سر پر تھے۔فطری طور پر تشویش ہونی چاہیے تھی حضرت ابوبکرؓ اپنے سے زیادہ ذات رسالت مآب ﷺ کی فکر تھی کہ دشمنوں کے منہ میں خاک کہیں حضور کو گزند نہ پہنچے اللہ تعالیٰ نے اسی آن وحی نازل فرمائی اور وحی کے یہ الفاظ:۔

لاتحزن ان اللہ معنا

خود زبان نبوت سے سن کر ابو بکرؓ کے دل کو ڈھارس بندھی تشویش اطمینان میں بدلی اور اضطراب کی جگہ سکون حاصل ہو گیا۔ غم جاتا رہا، فکر دور ہو گئی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے کہ غم نہ کرو اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے" صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلتے ہوئے دل پر تسکین کا ٹھنڈا مرہم رکھ دیا اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بشارت نے امید میں جان ڈال دی اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین ہو گیا کہ کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خدا کی تائید و معاونت ہمارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ چنانچہ کفار قریش الٹے پاؤں واپس چلے گئے ان کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہ گزرا کہ اس غار میں جس کا دہانہ خود گھاس سے ڈھکا ہے کوئی اندر گیا بھی ہے۔

تین دن تک سرور کائنات علیہ الصلوٰت والتحیات اور جناب ابو بکر صدیقؓ غار ثور میں چھپے رہے، جب رات کی تاریکی اچھی طرح پھیل جاتی تو اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر سے روٹیاں لے کر روانہ ہوتیں اور نہایت احتیاط اور کمال رازداری کے ساتھ غار ثور میں توشہ پہنچا کہ مکہ کو لوٹ جاتیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہتھیلی پر سر رکھ کر یہ فرض انجام دیا کافروں کو شبہ بھی ہو جاتا تو ان کی جان کی خیر نہ تھی۔ جان جوکھوں کا معاملہ تھا مگر یہ صدیق اکبرؓ اور رسول اللہ ﷺ کے یار غار کی بیٹی تھیں۔ سعادت گویا انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خاطر انہوں نے کسی خطرے کی پرواہ نہ کی ایمان نے ان کے دل کو قوی اور بے خوف بنا دیا تھا۔

غار ثور سے روانہ ہونے کا مسئلہ بہت نازک تھا، اگر اضطراب اور عجلت میں کوئی بات ظہور میں آ جاتی تو نہ جانے کیا حالات پیش آ جاتے۔ موقعہ کی نزاکت کچھ احتیاط اور سوچ بچار کی محتاج تھی اس لئے قریش کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں سے ...... باخبری ضروری تھی ...... یہ دنیا

عالم اسباب ہے یہاں کے ہر رہنے والے کو ظاہری اسباب و مسائل بہر صورت استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ یہی اللہ کی مشیت اور قانون قدرت ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کرم پر بھروسا کرتے ہوئے اسباب کا استعمال اور وسائل کی تلاش اہل ایمان کا کام ہے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ شہر والوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر غار ثور میں آتے اور اہل مکہ کے حالات سنا کر چلے جاتے ۔عامر بن فہرہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کا غلام تھا بکریوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا، عامر وہاں بکریاں لے آتا اور ابوبکرؓ ضرورت کے مطابق دودھ لے لیتے ۔پھر وہ بکریوں کے نقش ،قدم راستہ سے مٹا دیتا کہ کہیں اس کھوج پر قریش غار ثور تک نہ آ جائیں ۔انتہائی رازداری اور شدید ترین احتیاط کی ضرورت تھی۔

پورے دو دن اور کامل تین راتیں اسی عالم میں گزریں کفار قریش جستجو سے غافل نہ تھے ان کے آدمی سراغ لگا رہے تھے۔آخر چوتھی رات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے دو فربہ اور تیز رفتار اونٹنیاں آ گئیں ۔ایک اونٹنی پر نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ سوار ہوئے دوسری پر عامر بن فہرہ اور عبداللہ بن اریقط کے حصے میں آئی عبداللہ کو راستہ بتانے کے لئے ملازم رکھ لیا گیا تھا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھرانے نے جو خدمات ہجرت نبویؐ کے سلسلہ میں انجام دی ہیں ان پر تاریخ فخر کرتی ہے۔باپ ،بیٹا ،بیٹی اور غلام سبھی نے اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق بارگاہ رسالت میں اپنی نیاز مندی اور عقیدت کا ہدیہ پیش کیا خانوادۂ صدیقؓ کے اس احسان کو مسلمان فراموش نہیں کر سکتے۔

☆مدینہ میں !☆

غار ثور سے یہ مختصر مگر مقدس ترین قافلہ یثرب کی سمت روانہ ہوا۔ابوبکرؓ کی اونٹنیوں نے

خوب تیزی دکھائی، جیسے وہ اسی دن کے لئے پرورش کی گئی تھیں۔ شبانہ روز سفر کرے ٹھہرنا بہت کم ہوتا۔ دشمن کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا جو کافر مسلمانوں کا پیچھا کر کے حبش پہنچے تھے ان کا اپنے ملک میں تعاقب کرنا حیرت انگیز نہ تھا، کفار قریش تمام راستوں کے پیچ وخم سے واقف تھے، پڑاؤ، منزلیں، نخلستان، گھاٹیاں، ٹیلے، کمین گاہیں، آبادیاں، سبزہ زار، چٹیل میدان غرض سرزمین حجاز کا طول وعرض ان کی نگاہ میں تھا وہ بڑے اچھے شتربان اور شہسوار تھے، ان راستوں میں ان کی حدی خوانیاں اب تک گونج رہی تھیں۔ خطرے کی بات ہی تھی کہ نہ جانے کب اور کس منزل میں کافروں سے تصادم ہو جائے ہر لمحہ چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔

کفار قریش کے ملال کی کوئی انتہا نہ تھی وہ پچھتاتے، ہاتھ ملتے اور افسوس کرتے کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ یہاں سے بچ کر نکل گئے انہوں نے اشتہار دے دیا کہ جو کوئی محمد ﷺ یا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیے جائیں گے...... یہ بڑے سے بڑا انعام تھا جو اہل مکہ دے رہے تھے ایک اونٹ ہی ان کے لئے بہت کچھ تھا اور یہاں تو سو اونٹوں کے انعام کا وعدہ تھا، قریش کی طرف سے یہ شاہانہ پیشکش تھی اور صحرا نشینوں، شتربانوں اور خانماں بردوشوں کیلئے سب سے بڑا لالچ!

جعشم کے بہادر بیٹے سراقہ کے منہ میں پانی بھر آیا...... ایک دو نہیں پورے سو اونٹ ملیں گے انعام میں! اور کام صرف اتنا کہ محمد ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے مکہ لے آنا...... تو یہ کوئی خطرناک مہم نہیں ہے۔ لاؤ کوشش کر کے دیکھوں، تقدیر آزمائی کروں محمد ﷺ کے ساتھ کوئی فوج نہیں ہوگی بہت سے بہت دو چار آدمی ہونگے۔ مجھے یہ لوگ مل گئے تو ان پر قابو پالوں گا۔ میں نے بہت سے بہت پر خطر معرکے دیکھے ہیں۔...... سراقہ ان امیدوں کے ساتھ صبا رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر مکہ سے روانہ ہو گیا۔

نوجوانی آغاز شباب اور پھر گرانقدر انعام کی طمع! یہ نشہ دو آتشہ تھا جس کی ترنگ میں وہ سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا گیا، یہاں جا، وہاں جا، اس طرف گیا، اس طرف پہنچا کہیں راہ گیر شتربان اور چرواہے مل جاتے تو ان سے پوچھتا کہ تم نے یثرب کی طرف دو چار آدمیوں کو جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا لوگ جواب دیتے کہ یثرب کی سمت تو مکہ سے قافلے آتے اور جاتے رہتے ہیں ہمیں کیا معلوم کہ جن آدمیوں کا تم پوچھ رہے ہو وہ بھی ان قافلوں میں تھے یا نہیں۔ سراقہ حلیہ اور نشان بتاتا کہ بھائیو! میں جس آدمی کا پوچھ رہا ہوں وہ لاکھوں آدمیوں میں بھی نہیں چھپ سکتا، شرافت اور زیبائی اس کے تیوروں سے برستی ہے وہ شخص ہمارا دشمن سہی مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کا چہرہ سورج سے زیادہ روشن اور تابناک ہے ہنس مکھ، خوش منظر، وجیہ، دلکش انداز، بہت سے لوگ باہر سے مکہ آئے اور بس اس کا چہرہ دیکھ کر ہی مسلمان ہو گئے...... محمد ﷺ ہے! سارے عرب میں اس نام کا آدمی ایک بھی نہ نکلے گا۔

سراقہ پکے ارادے کے ساتھ گھر سے نکلا تھا، اس نے ناکامی کے بعد بھی جستجو سے ہاتھ نہ اٹھایا، یہاں تک کہ ایک دن دور سے حضرت محمد ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹنی پر بیٹھے ہوئے نظر آگئے۔ خوشی کے مارے اس کا دل بلیاں اچھلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے جذبات جھومنے لگے، حرص خوب کھلکھلا کر ہنسنے لگی کہ گوہر مقصود ہاتھ آنے میں اب بس ذرا سی دیر ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں کل تین آدمی تھے، آدمیوں کی کثرت کا بھی خوف نہ رہا۔ سراقہ نے گھوڑے کے ایڑ لگائی اشہب تیز گام چھلاوے کی طرح اچھل کر محمد رسول اللہ ﷺ کے ناقہ کے قریب پہنچ گیا۔ حضورؐ نے سراقہ پر نظر ڈالی اور نگاہ کا پڑنا تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ پیٹ سے زمین پر گر پڑا۔

سراقہ نہایت تیزی اور پھرتی کے ساتھ فرش خاک سے اٹھا، ترکش سے تیر نکالے، فال کے

تیر شگون کے سوفار، سعد و نحس کے ناوک، یہ دیکھنے کے لئے کہ مجھے اب اقدام کرنا چاہیے یا نہیں !اتفاق کی بات فال کا جواب "نہیں" میں ملا، عقل نے کہا کہ اب حملہ کرنا مناسب نہیں، زیادہ تیزی اور جرات دکھائی تو منہ کی کھانی پڑے گی اور شکست اور ناکامی سے بچنا چاہتے ہو تو سیدھے سیدھے گھر لوٹ چلو، ابھی تمہارا کچھ بنا بگڑا نہیں ہے۔ قریش سے کہہ دینا کہ میں نے ایک ایک راستہ چھان مارا مگر محمد ﷺ کا پتہ نہ ملا...... مگر ہوس نے ابھارا کہ شکار چنگل میں ہے۔ بس ذرا ہمت کرو تو بیڑا پار ہے۔ فال اور شگون کی آڑ لے کر اقدام نہ کرنا ایک طرح کی بزدلی اور کم ہمتی ہے...... سراقہ تو بھول گیا تجھے یاد نہیں رہا! سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا گیا ہے۔! تیری زندگی بن جائے گی ذرا سی دیر میں فاقہ کش سراقہ! تو! امیر اور دولتمند ہو جائے گا۔ سو اونٹ تو قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کے پاس بھی نہیں ہیں۔ اور جن کے یہاں ہیں ان کا ہر محفل میں احترام کیا جاتا ہے۔

ہوس کے بڑھاوے پر سراقہ نے گھوڑے کو پھر بڑھایا، مگر اب کی بار گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا، وہ گھوڑے سے اتر پڑا پھر فال دیکھی اور دوسری دفعہ بھی وہی فال "نفی" میں جواب نکلا۔ مگر لالچ نے پھر اکسایا کہ ہمت سے کام لے تلوار اٹھا، نیزہ گھما، تیر چلا بازوؤں کا زور دکھا، یہ لوگ خوف زدہ اور تھکے ہوئے سے ہیں۔ تو تازہ دم ہے خوب کس کر مقابلہ ہوا تو جی چھوڑ جائیں گے، سراقہ نے اس مرتبہ انتہائی جرات کا مظاہرہ کیا لیکن اب بھی پہلے کی طرح معاملہ پیش آیا وہ پست ہمت ہو گیا، مقابلہ اور اقدام کا خیال دل سے نکال دیا معافی کا طلبگار ہوا حضو ﷺ نے سراقہ کے ہاتھوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تیرے ہاتھوں میں شہنشاہ کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سراقہ کیلئے بہت ہی حیرت انگیز تھا، وہ بیچارہ کسریٰ کے

کنگن تو کجا اس کے گورنروں اور درباریوں کی بارگاہ میں بھی حاضری نہیں دے سکتا تھا، مگر یہ محمد رسول ﷺ کی پیش گوئی تھی، اس کا ارشاد تھا جس کی زبان سے حق کے سوا کوئی اور بات نکلتی ہی نہیں، حضور ﷺ نے اس وثوق اور یقین کے ساتھ سراقہ کو خوشخبری دی گویا کہ آپ سراقہ کا نوشتہ تقدیر پڑھ کر فرماتے جاتے ہیں...... حضور ﷺ کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب ایران فتح ہوا اور وہ سرزمین جہاں جمشید وکیکاؤس کی عظمتوں کے پھریرے اڑتے تھے غلامان محمد ﷺ کے زیر نگیں آئیں تو کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں پہنائے گئے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کسریٰ میں کے بیش بہا کنگن تھے، ہجرت نبوی کا واقعہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا اور نبیؐ برحق کے الفاظ کان میں گونج رہے تھے۔

سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کے بعد پھر راستہ بھر اور کسی مزاحمت، تصادم اور ناگوار واقعہ کا سامنا کرنا نہ پڑا خطرات کا امکان ہر آن تھا ہوسکتا ہے سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کچھ اور لوگ بھی تعاقب میں آرہے ہوں۔ کفار قریش چین سے بیٹھنے والے لوگ نہیں تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات سے ان کی دشمنی انتہائی شدید تھی ان کی مخالفت ہر رنگ میں ظاہر ہوسکتی تھی۔ ایسے شدید دشمن جو کچھ بھی کر گزرتے تھوڑا تھا مگر اللہ کا فضل شامل حال رہا۔ خدا کی حمایت نے ہر منزل میں دستگیری کی یہاں تک کہ چند دن کے مسلسل سفر کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ اپنے رفقائے منزل کے ساتھ بعافیت قبا پہنچ گئے، قبا کی آبادی یثرب سے بہت قریب تھی اور مکہ سے منزلوں دور تھی، کافروں کے تعاقب، دراندازی اور حملہ کا یہاں خطرہ نہ تھا۔

یہ سفر مظلومیت کا سفر تھا، مکہ کی سرزمین کفار قریش نے حضرت محمد ﷺ پر تنگ کر دی تھی۔

اسی لئے اس جگہ کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ "ہجرت" خدا کی راہ میں ہجرت! اس ترک وطن سے اللہ کی خوشنودی اور یثرب کے رہنے والوں کے شوق و دلچسپی کا یہ عالم کہ دیدۂ دل فرش راہ کیئے ہوئے بیٹھے ہیں، ان سعادت مند انسانوں کا جوش عقیدت تمنا کر رہے ہیں۔ کہ کس طرح زمین کی طنابیں کھنچ کر جائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کل کے پہنچتے آج ہی بلکہ ابھی تشریف لے آئیں ۔مکہ نے جس پیام کو رد کیا مدینہ میں اسکی پذیرائی ہوئی۔

مکہ بیزار تھا اور مدینہ مشتاق! ایک طرف عداوت تھی اور دوسری طرف محبت اور عقیدت ،یثرب والوں کے دل قدرت نے ہدایت کے آب قدس سے دھو کر آئینہ بنادیئے تھے۔ جن کی لطافت سچائی کا عکس قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھی اور بہت سے آئینے تو نور صداقت سے جگمگا بھی چکے تھے۔

یثرب میں کچھ ایسے خوش قسمت اہل ایمان بھی تھے جو حضور سرور کائنات کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہو چکے تھے، مگر زیادہ تعداد ابھی اس سعادت کے انتظار میں تھی جو لوگ مکہ حضور کی خدمت باریابی کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جب ہم نیاز مندوں اور غلاموں کو دیکھیں گے تو ہمیں پہنچان کر مسکرائیں گے۔...... کتنی حسین دلکش اور تسکین آمیز ہوتی ہے محمد عربی ﷺ کی مسکراہٹ! دل غموں سے چاہے کتنا ہی نڈھال کیوں نہ ہو مگر رسول محترم ﷺ کے تبسم کو دیکھ کر گلاب کی مانند شاداب ہو جاتا ہے اب یہ سعادت ہمیں گھر بیٹھے میسر آ گئی۔ پہلے پیاسے دریا کے پاس جایا کرتے تھے اور اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ خود دریا پیاسوں کے یہاں آ گیا۔...... جو لوگ سعادت دیدار سے ابھی تک محروم تھے۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ شوق نظارہ چٹکیاں لیتا کہ وہ آ رہے ہیں، قبا سے چل دیئے، روانہ ہو چکے قبا والوں نے رکاب کو چوم کر "الوداع" کہی، وہ یثرب میں تنہا تشریف

نہیں لارہے ہیں ان کے جلو میں برکتیں ہیں۔ سعادتیں ہیں۔ ہدایتوں کے پرچم، بھلائیوں کے نشان اور نیکیوں کے خزانے ہیں۔ ان کے قدم رنجہ فرمائی سے یثرب کی تاریخ کا نیا باب شروع ہو جائے گا۔ اور ہاں دیکھنا اظہار عقیدت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ ان کی راہ میں سچ مچ دل اور آنکھیں بچھا دینا

یثرب کے باشندوں کو خوشخبری ملی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ بس کوئی دم میں سواری باد بہار آیا چاہتی ہے۔ نخلستانوں کا سلسلہ یثرب کے آس پاس نہ ہوتا تو کوکب نبوت کبھی کا نظر آ جاتا۔ انتظار کی ساعتیں ختم ہوئیں۔ دیدار کی تمناؤں کو مبارکباد دو کہ وہ جان نظارہ آنے ہی والا ہے۔ جی بھر کر اس کے جمال جہاں آرا سے کسب سعادت کرنا تمام یثرب سرکار دو عالم کی پیشوائی کے لئے امنڈ آیا ان میں زیادہ اہل نظر اور بہت تھوڑے تماشائی تھے! جوان اور بڑے لوگ ہتھیاروں سے سج کر گھروں سے نکلے، تلواروں کے جوہر خوبصورت نیاموں کے گھونگھٹوں سے جھانکتے تھے۔ دیدۂ زیب ترکش قیمتی نیزے اور خوش منظر پھریرے بہار دے رہے تھے۔ کسی غریب کے پاس پھٹی ہوئی زرہ تھی تو اسے جلدی سے کاندھے پر ڈال کر چل دیا ماؤں نے بچوں کے منہ دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنائے کہ یہ معصوم بھی سرور کائنات کے خیر مقدم کی سعادت سے کیوں محروم رہیں۔ یثرب کے ہر گھر میں خوشی رقص کر رہی تھی۔ آج اہل یثرب کی عید تھی بلکہ عید الاعیاد!

چشم فلک اور دیدہ مہ انجم نے بہت سے شہنشاہوں، حاکموں اور فاتحوں کے شاندار استقبال اور خیر مقدم کے جشن دیکھے تھے مگر یہ استقبال اپنی اہمیت اور تقدیس کے اعتبار سے سب سے نرالہ اور ممتاز تھا۔ یثرب میں آج کون آ رہا تھا؟ دنیا کا سب سے بڑا انسان، خدا کا برگزیدہ ترین بندہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا پیغمبر...... حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں

یشعیا کی مقدس کتاب اور حبقوق نبیؑ کی پیش گوئی میں اسی ذات قدسی اور وجود گرامی کی آمد کا ذکر تھا حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں یوحنا بڑی شخصیت کا مالک گزرا ہے۔ اسی یوحنا سے جناب مسیحؑ نے فرمایا:۔

میں اپنے آسمانی باپ (اللہ تعالیٰ) سے فارقلیط (محمد) کو طلب کرتا ہوں تا کہ وہ تمہارے ساتھ ابدالآباد تک رہے وہ خدا کی روح ہے اور تمہیں ہر نیک بات کی تعلیم دے گا۔ زبور میں بھی اسی انداز کی پیشین گوئی کی گئی تھی:۔

اس (محمد) ﷺ کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب کی روشنی رہے گی۔ اس نام کا رواج بھی دنیا میں رہے گا۔ دنیا والے اس کے سبب اپنے لئے مبارک سمجھیں گے۔ اور ساری قومیں اس کی بارگاہ میں ہدیہ تبریک پیش کریں گی۔

یثرب والے جس کے خیر مقدم شرف حاصل کر رہے تھے۔ اس کی ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کا تمام کر دیا تھا۔ اس سے بڑھ کر نہ کسی کو نوازا گیا اور نہ کسی کو نوازا جائے گا دنیا کے تمام بڑے اور معزز آدمیوں میں وہ سب سے زیادہ محترم اور مکرم تھا، اس کے مناقب ومحامد کی کوئی حد نہیں شرف مجاہد کے بلند سے بلند مقامات بھی اس کے منصب سے فروتر ہیں۔

یثرب اس مقدس ترین خلائق اور برگزیدہ روزگار کا ''دار الھجرت'' بن رہا تھا، یہ بظاہر ایک نئی سی بات تھی مگر کسی کسی کے آئینہ ادراک پر اس واقع کا بہت پہلے عکس پڑ چکا تھا۔ قرآن پاک میں یمن کے بادشاہ تبع کا ذکر آیا ہے اسی تبع نے اپنے ساتھ فوج لے کر یثرب پر حملہ کر دیا، اوس وخزرج اور یہودیوں نے پوری قوت اور انتہائی دلیری کے ساتھ مدافعت کی ،یثرب کے لوگ ہمیشہ سے نرم دل متواضع اور خوش اخلاق واقع ہوئے تھے۔ رات میں تو یہ لوگ تبع اور اس کے ہمراہیوں کی مہمانداری کرتے اور دن نکل آتا تو میدان جنگ میں آ کر نبرد آزما

ہو جاتے ، تبع اپنے جی میں بہت پشیمان ہوا کہ میں اتنے متواضع اور مہمان نواز لوگوں سے لڑ کر اپنے ضمیر کا خون کر رہا ہوں۔ اس نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی ، دونوں طرف سے کچھ لوگ صلح صفائی اور بیچ بچاؤ کرانے کے لئے مقرر ہو گئے۔ انہیں پنچوں اور ثالثوں میں ایک شخص اجیحہ نامی تھا، اجیحہ نے تبع سے کہا کہ ہم آپ ہی کی قوم ہیں۔ آپ کو ہم سے جنگ کرنی نہ چاہیے تھی اور یہ بھی کہا کہ ہمارے اس شہر کو آپ فتح بھی نہیں کر سکتے ، تبع نے پوچھا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے میں اخلاق و مروت کے سبب صلح کر لی ہے ورنہ میری فوجیں تو تمہارے شہر کے دھوئیں اڑا دیتیں ، اجیحہ بولا کہ ہمارا شہر ایک نبی کی فرودگاہ ہے جو قریش میں سے ہوگا۔ اس جواب کو سن کر تبع نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

الفی اتی نصیحۃ لی از وجد

عن قریۃ مجبورۃ محمدٌ

اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس آبادی سے ہٹ جاؤں جو محمد ﷺ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہے۔...... ماضی کی تاریخ مستقبل پر روشنی ڈال رہی تھی۔

وہ جو کتاب یسعیاہ کے بیالیسویں باب کے گیارہویں درس میں لکھا تھا:۔

”جب وہ آئے گا تو سلیع (یثرب کا نام) کے باشندے گیت گائیں گے۔“

تو اس کے ظہور کی ساعت آ گئی تھی ، سرور موجودات اور خلاصہ کائنات کی سواری کو دیکھ کر ، یثرب کے لوگوں کی خوشی کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے ، ”اہلاً وسہلاً“ جاندار مرحبا کے شور سے پہاڑوں کی گھاٹیاں گونج رہی تھیں ، سب کے چہروں پر مسرت کی سرخی نمودار ہو گئی تھی جیسے کسی نے سرخ غازے اور عبیر و گلال کا ہاتھ ان کے رخساروں پر پھیر دیا ہے۔ خوشی نے اہل یثرب پر والہانہ کیفیت طاری کر دی تھی۔ دل سچ مچ

پہلو سے نکلے جا رہے تھے،

مدینہ کی کھجوروں کی شاخیں زبان حال سے پکاریں:۔

''یتیموں کا والی آ گیا''

اس کے جواب میں پہاڑی کی چوٹی سے صدا آئی:۔

''غلاموں کا مولا تشریف لے آیا۔

اور پھر درو دیوار سے تہنیت کے نغمے اور تبریک کے زمرے بلند ہوئے یثرب کے ذروں کے منہ میں آج زبان آ گئی تھی۔ پتھر بول رہے تھے اور سنگ ریزوں سے گویائی پھوٹ رہی تھی۔

سرور کائنات ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اہی ناقہ پر سوار تھے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے اشتیاق اور جوش عقیدت کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور چادر کا سایہ سر اقدس پر کر دیا تا کہ آقا اور غلام میں تمیز ہو سکے۔ اور لوگ محمد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن قحافہ کو پہنچان لیں۔ انصار کی کمسن اور معصوم بچیاں لے میں لے ملا کر خیر مقدم کے ترانے گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا

من ثنیات الوداع

ان کے شیریں نغموں نے اس کیف کو اور دوبالا کر دیا، بنات انصار کے لہجہ میں مسرت ،عقیدت اور جوش دل ملا جلا تھا۔ وہ زمین پر گا رہی تھیں اور آسمان کے فرشتے جھوم رہے تھے ،انہیں اس بات کا ہوش ہی نہ تھا کہ آواز کے زیر و بم میں توازن رہا یا دل سے نکلے ہوئے زمرے تھے ان کی نغمگی میں اثر انگیزی ہونی ہی چاہیے تھی۔

یثرب کا ہر شخص حضورؐ کی خدمت میں درخواست کر رہا تھا کہ سرکار، میرے غیرب خانہ

کو میزبانی کا شرف بخشیں، یہ سعادت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، آپؐ کا ناقہ خدا کے حکم سے ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان کے سامنے بیٹھ گیا اور چند دن تک حضور نے وہاں قیام فرمایا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قسمت پر ناز کر رہے تھے کہ خوشی کے مارے ان کے پاؤں بہکے بہکے سے پڑ رہے تھے، عمامے کے پیچ کھل کھل کر پڑتے تھے ان کا سیاہ خانہ بقعہ نور بن گیا خورشید رسالت ﷺ کے جلوؤں نے اس ظلمت کدے کی قسمت جگمگا دی۔

کلاہ گشہ دہقان بہ آفتاب۔

لوگوں نے ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارکباد دی کہ اللہ کی طرف سے نعمت جلیل مل گئی! اتنے برگزیدہ مقدس اور عظیم الرحمت مہمان کی دنیا میں آج تک کسی نے میزبانی نہیں کی۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشکر آمیز نگاہیں جواب دیتیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ غریب پر یہ فضل فرمایا ہے۔ میں اس کرم بے پایاں اور رحمت بے نہایت کا مستحق نہ تھا، یہ خدا کی دین ہے وہ جس ذرہ کو چاہے آفتاب بنا دے، میں اور سرور عالم ﷺ کی میزبانی! ایک خواب سا دیکھ رہا ہوں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

☆ مسجد نبویؐ ☆

کتاب یسعیا میں جسے سلع کیا گیا تھا وہ بعد میں جا کر یثرب ہو گیا اور اب اسی شہر کو حضرت

محمد رسول اللہ ﷺ کے نزول جلال نے مدینۃ النبیؐ City of the prophet بنادیا، آج سے اس کا نام بدل گیا، تاریخ اسلام میں اس کا ذکر مدینہ کے نام سے آئے گا یہ اب ''یثرب'' اور ''بطحا'' نہیں رہا، مدینہ ہوگیا۔ طیبہ بھی اور منورہ بھی، اس سرزمین کے گرد وغبار، سنگریزوں اور کانٹوں کو اہل عقیدت انکھوں میں جگہ دیں گے۔ ہر اہل ایمان کو اس مقدس شہر سے دلی لگاؤ اور تعلق خاطر ہوگا۔ شاعران نازک خیال ''مدینہ'' کی مدح میں قصیدے کہیں گے اور حال وقال کی محفلوں میں مدینہ کا نام آتے ہی وجد طاری ہو جائے گا۔

مدینہ میں قیام کے بعد حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوت والتحیات ﷺ نے اللہ کا گھر بنانے کا ارادہ فرمایا، خاندان نجارؓ کی زمین کا ایک قطعہ جس میں چند قبریں اور کھجوروں کے درخت تھے آپؐ نے مسجد کے لئے منتخب فرمایا۔ نجار کے گھرانے والے بلائے گئے۔

......میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

۔

......ہم قیمت تو ضرور لیں گے مگر آپؐ سے نہیں خدا سے...... قبیلہ نجار کے لوگوں نے عرض کیا۔

یہ زمین یتیم بچوں کی تھی، حضورؐ نے ان کو طلب فرمایا، قیمت دینی چاہی تو نیک بخت بچوں نے عرض کیا کہ زمین آپ کی نذر ہے مگر رحمت عالم نے یتیموں کی اس پیشکش اور نذر کو قبول کرنا گوارا نہ فرمایا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی قیمت ادا کردی۔

پہلے اس زمین پر بنی ہوئی قبریں اکھڑوا کر فرش کو ہموار بنوایا گیا یہ کام ہوگیا تو تعمیر کا آغاز ہوا! انصار اور مہاجرین نے مل جل کر مسجد بنانی شروع کردی۔ کوئی زمین کھودتا، کوئی پتھر لاتا کوئی

گارا بنا تا انتہائی شوق واحترام کے ساتھ مسجد تعمیر ہونے لگی۔ ہر شخص اپنا فرض سمجھ کر اس کام کو کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ انہیں کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ بھی عام مزدوروں کے لباس میں صحابہؓ کا ہاتھ بٹا رہے تھے، خود پتھر اٹھا کر لاتے اور گرد وغبار سے جسم اقدس اٹ جاتا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے کہ سرکار! آپ زحمت نہ فرمائیں آپ کا کام ہم غلامان بارگاہ کر لینگے۔ مگر حضور ﷺ مسکرا مسکرا کر پتھر اٹھاتے جاتے۔

گردش ماہ وسال یہ منظر دیکھنے کے لئے رک رک جاتی کہ جس کے سر اقدس پر اللہ تعالیٰ نے عزت وبزرگی کا سب سے زیادہ قیمتی تاج رکھا تھا وہ مزدوروں کے لباس میں پتھر ڈھو رہا تھا۔ جبیں سعادت عرق آلود ہو جاتی، آقا اپنے غلاموں کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ نبوت قوت بازو کی زبان سے بول رہی تھی۔ دیکھنے میں یہ ایک مسجد کی تعمیر تھی مگر حقیقت میں یہ ایک درس تھا جہاں بانوں، فرمانرواؤں، کشور کشاؤں اور حاکموں کے لئے۔۔۔۔۔۔ کہ حکومت اور دولت کے نشہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا انسان کی بلندی سونے چاندی کے ڈھیروں، قاقم وسنجاب کے پردوں، حیر ودیبار کی قباؤں سر بفلک ایوانوں اور خوشنما باغیچوں میں نہیں ہے نکوکاری، تواضع، ہمدردی اور ایک دوسرے کی غمگساری میں انسانیت کی رفعت کا راز پنہاں ہے، بندہ اونچے سے اونچا ہو کر بھی بندہ ہی رہتا ہے۔ خدا نہیں ہو جاتا۔ تکبر غرور عبدیت کی نہیں معبودیت کی شان ہے، جو بندہ اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ ذلیل ہو جائیگا۔ نیکی اور انسانی ہمدردی کے اوصاف نہ ہوں تو جڑاؤ تاج پہن کر بھی آدمی ذلیل رہتا ہے۔ لعل وگوہر چمک سے صاحب تاج کی عزت میں ذرہ برابر آضافہ ہو جاتا اور آدمی خدا شناس، پاکباز اور ہمدرد خلائق ہو تو ذات باری پر بھروسہ رکھ کر بھی اس کا سر عزت نیچا نہیں اونچا ہی رہتا ہے

یہ مسجد نبوی تھی، سادگی کا بہترین نمونہ، ظاہری آرائش اور اوپری ٹیپ ٹاپ سے دور

،دکھاوے اور بناوٹ کی یہاں گنجائش ہی نہ تھی ،ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں کجھور کے ستون اور اسی کے پتوں کی چھت ،فرش پر سنگریزے بچھے ہوئے تھے۔مگر یہ مسجد جن سجدوں سے معمور تھی ان کی رفعت کا اندازہ قدسیوں کا خلوص عبادت اور صدق تہلیل بھی کر نہیں سکتا۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جہاں قدم رکھ دیں تو:۔

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود۔

پھر اس جگہ تو حضور کی پیشانی مبارک کے نشان آئے جاتے تھے۔ یہاں کی بلندی کا کیا پوچھنا! عرش جھک جھک جاتا ہوگا۔جب محمد رسول اللہ ﷺ کی جبیں پرانوار فرش زمین پر سجدے میں ہوتی ہوگی۔

مسجد نبویؐ بن چکی تو اس کے آس پاس ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رہنے کے لئے حجرے تعمیر ہوئے ،کچے اور انتہائی سادہ حجرے! کسی کسی کی چھت تو اتنی نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے لگ جاتا ،یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے مکانات تھے ۔قیصر و کسریٰ کے ایوان ہرقل کی شبستان عیش اور ملوک ہند و ایران کے عشرت کدے اور حریم ناز نہ تھے۔انسانیت کی تاریخ تمدن کا یہ سب سے زیادہ روشن نقش تھا مگر انہیں آثار کو دنیا والوں کے لئے چراغ راہ بننا تھا ،یہی سادگی مختصر گیری بے نفسی اور دینوی طمطراق سے بے نیازی انسانیت کے لئے شمع ہدایت اور آثار سعادت تھی۔

☆فیطون کا قتل☆

مدینہ کے مسلمان جنہوں نے مہاجرین مکہ کے ساتھ اپنے بھائیوں جیسا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نیکی ،ہمدردی مروت اور غمگساری کا برتاؤ کیا۔اسلام میں ''انصار'' کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے دین کے سچے اور مخلص مددگار تھے،انصار کا قدیم وطن یمن تھا یمن

میں جب تباہ کن سیلاب آیا اوسیل عرم نے سارے یمن کوتباہ کردیا تواس قحطانی قبیلہ کے لوگ یمن چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور یہیں آباد ہو گئے ، مدینہ انصار کے اسلاف کا وطن ثانی تھا۔ سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آئندہ نسلیں مدینہ کی ہی ہوکر رہ گئیں ،اس خاندان میں دو شخص اوس اور خزرج بہت نامور اور بااثر گزرے ہیں۔تمام انصار انہیں دو بھائیوں کی اولاد ہیں ۔آگے چل کر اوس اور خزرج دو مستقل خاندان بن گئے۔

یثرب (مدینہ)قدیم میں یہودیوں کو بہت کچھ قوت اور اقتدار حاصل تھا۔ یہودی مال ودولت میں سدا سے قارون ہوتے آئے ہیں۔بخل ان کی صفت اور حرص وہوس ان کا مزاج ہے روپیہ پیدا کرنے کے ڈھنگ ان کو خوب آتے ہیں۔اوراس میں وہ حلال ،حرام کی تمیز نہیں کرتے!روپیہ کی بہتات نے یہودیوں کو یثرب میں صاحب اقتدار بنا دیا۔سیم وزر کے سہارے ان کی حاکمیت قائم ہوگئی۔

یہود میں فیطون نامی ایک رئیس تھا۔انتہائی عیش پرست بدکار اور فاسق وفاجر!اسی فیطون نے فرمان جاری کیا کہ یثرب میں جو کنواری لڑکی بھی بیاہی جائے ،پہلی رات اسی کے ساتھ بسر کرے۔یہ حکم اہل یثرب کی غیرت کو چیلنج اور ان کی عزت وناموس کو دعوت مبازرت تھی ،عوام یہود میں غیرت ہی نہ تھی ،انہوں نے اس بے عزتی کو گوارا کرلیا،فیطون کے عشرت کدے میں دوشیزگی کا خون ہونے لگا۔مالک بن عجلان انصار کا سردار تھا اس کی بہن کا بیاہ ہوا تو شادی کے دن گھر سے نکل کر باہر آئی اور ملک بن عجلان کے پاس گزری ،مالک غصے کے مارے لال پیلا ہوگیا ،شادی کے دن نئی نویلی دلہن کا گھر سے باہر قدم رکھنا غیرت کے خلاف تھا۔وہ اسی غیض وغضب کے عالم میں گھر کے اندر آیا

......یہ تم نے کیا کیا؟ خاندان کے ناموس کو خاک میں ملادیا...... مالک نے بہن سے کہا

......جی! یہ تو کچھ نہیں ہوا اور......اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ابن عجلان بول پڑا۔
......اس سے زیادہ اور کیا ہوگا شریف دلہنیں گھر سے باہر نہیں جایا کرتیں۔ مالک کی بہن نے جواب دیا

لیکن کل فیطون کی شبستان عیش کی طرف اشارہ تھا۔ جو ہوگا وہ اس سے لڑ کر ہوگا بس میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتی۔ شرم وغیرت نے میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے۔

بہن کا جواب سن کر مالک فرط غیرت اور جوش حمیت سے پسینہ پسینہ ہوگیا، دوسرے دن جب اس کی نوعروس بہن بن سنور کر فیطون کے یہاں پہنچی تو مالک ابن عجلان بھی سہیلیوں کے جھرمٹ میں زنانہ لباس پہن کر پہنچ گیا۔، مالک خنجر چھپائے ہوئے موقعہ کا منتظر تھا دن گزرا شام آئی اور رات ہوگئی، فیطون خوشی خوشی خلوت عیش کی طرف روانہ ہوا مالک کی بہن سہمی ہوئی بیٹھی تھی یہ اس کی عزت آبرو کے لوٹے جانے کی رات تھی۔ فیطون نے خلوت کدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ مالک ابن عجلان نے جھپٹ کر فیطون پر خنجر کا وار کیا اور بدکار فیطون کو ٹھنڈا کر دیا۔

مالک بن عجلان اچھی طرح جانتا تھا کہ یہود سارے یثرب پر چھائے ہوئے ہیں یہاں رہونگا تو پکڑا جاؤنگا، میری حمایت میں ایک آواز بھی شاید بلند نہ ہوگی اوس وخزرج نے احتجاج کیا بھی تو یہود ان کا گلہ دبا دیں گے کہ تم ہمارے رئیس کے قاتل کی حمایت کرتے ہو، فیطون کو قتل کر کے وہ یثرب سے بھاگ کر شام پہنچا، ابوجبلہ غسانی وہاں کا حاکم تھا اس میں شرافت اور انسانیت کی خو بو تھی۔ مالک بن عجلان نے تمام واقعات ابوجبلہ کے گوش گزار کیئے۔ ابوجبلہ کی شرافت بہت متاثر ہوئی اس نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ فیطون کی بدکاریاں اب زیادہ دن تک جاری نہیں رہ سکتیں اور نہ یہودی تمہارے خاندان پر جبر وستم کر سکتے ہیں۔

ابوجبلہ بڑی بھاری فوج لے کر یثرب پر آیا، پہلے دن اس نے اوس اور خزرج کے شیوخ کو دعوت پر بلایا اور اس کو بیش بہا تحفے اور تحفے اور خلعت دے کر رخصت کیا دوسرے دن یہود کے رؤسا کو دعوت دی یہود خوش تھے کہ ہم اوس اور خزرج کے رئیسوں سے ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر ہیں ابوجبلہ ہمیں ان سے زیادہ قیمتی خلعت دے گا مگر ابوجبلہ کی یہ چال تھی اس نے رؤساء یہود کو قتل کرایا اور اس طرح یثرب میں یہود کی قوت ختم ہوگئی اور اوس وخزرج نے طاقت حاصل کر لی ،انصار مدینہ انہیں کی اولاد تھے۔

☆مہمان نوازی!☆

انصار اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے بامروت،خوش خلق،وسیع الظرف،نیک اور مہمان نواز تھے اسلام نے ان خوبیوں کو اور جلا دے دی قبول حق کے لئے وہ پہلے ہی سے تیار تھے،حق کی صدا کان میں پہنچتے ہی دل میں گھر کر گئی اسلام کی دعوت کو مکہ والوں کی طرح انہوں نے ٹھکرایا نہیں،بہت جلد قبول کر لیا جیسے کہ روح حق کے وہ بہت پہلے سے منتظر تھے،عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے بعد ہی اوس اور خزرج میں اسلام کی اشاعت کا آغاز ہو چکا تھا اور اب پیغمبر اسلام کی ہجرت کے بعد تو یہود کے سوا تمام مدینہ ایمان کی سعادت سے مشرف ہوگیا۔انصار صحیح معنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے مددگار ثابت ہوئے۔خدمت اسلام کے لئے انہوں نے جان اور مال پیش کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا،مکہ کا مظلوم اسلام مدینہ میں آکر فاتح ومنصور ہوگیا،بیکسی اور کمپرسی کا دور گزر چکا تھا اب فتح اور نصرت اور چھا جانے اور غلبہ پالینے کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔

مہاجرین جب مدینہ میں آئے تو وہ ہر طرح سے نادار اور بے سروسامان تھے،پریشان روزگاری ان کے چہروں سے نمایاں تھی،اسلام لانے کے بعد انہیں کسی قسم کی راحت ہی نہیں ملی

تھی اہل مکہ کی دل آزاریوں نے ان سے زندگی کی ساری خوشیاں چھین لی تھیں۔اپنے پرائے سب ان کے دشمن اورلہو کے پیاسے تھے، مکہ والوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک طرح سے بائیکاٹ سا کر رکھا تھا، دنیوی منفعت کی راہیں ان پر قریب بند تھیں، مکہ سے وہ خالی ہاتھ آئے تھے کسی کسی کے جسم پر تو کپڑے بھی ثابت نہ تھے، پردیس میں تہی دستی اور زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مگر انصار کے حسن سلوک نے مہاجرین کو غربت میں پریشان نہ ہونے دیا جہاں تک ان سے ہوسکتا تھا، اپنے پردیسی بھائیوں کی دلدہی اور غمگساری میں انہوں نے کوتاہی نہیں کی۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے اللہ تعالیٰ نے زندگیوں کے باقی رکھنے کے لئے ذرائع پیدا فرمادیئے ہیں، اور اسلام ان ذریعوں ،وسیلوں اور واسطوں کواستعمال کئے بغیر متمدن انسانوں کا کام نہیں چل سکتا انسانوں کوایک دوسرے کی مدداور غمخواری کی قدم قدم پرضرورت پڑتی ہے۔کوئی آدمی اس دنیا میں اکیلا نہیں رہ سکتا کسی نہ کسی حدتک دوسرے لوگوں سے تعلقات باقی رکھنا پڑتے ہیں یہاں تک کہ رہبانیت بھی دنیوی روابط سے بالکل الگ نہیں رہ سکتی۔

رسول اللہ ﷺ فرض شناس اور حقیقت سے آگاہ تھے ،مہاجرین کی بے سروسامانی اور پریشان حالی حضور ﷺ کے پیش نظر تھی ،اس کا بھی حضور ﷺ کو اندازہ تھا کہ انصار نے مہاجر بھائیوں کی غم خواری سے گرانی محسوس نہ کریں گے۔اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خدمت کے لئے ان کے دل کھول دیئے ہیں۔مکہ والوں کی طرح ان کے سینوں میں تنگی اور دلوں میں کھچاوٹ نہیں حضور نے مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کرادی ،انصار خدمت اقدس میں حاضر تھے، آپ نے نہایت محبت بھرے لہجہ میں ان سے فرمایا

مہاجرین کی طرف اشارا کر کے ،یہ تمہارے بھائی ہیں'' پھر حضورؐ مہاجرین میں سے

دو انصار میں دو آدمیوں کو بلا کر فرماتے ''یہ اور تم بھائی بھائی ہیں۔ اسطرح انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم ہو گیا۔

انصار نے مہاجرین سے سچ مچ سگے بھائیوں جیسا سلوک کیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر! اپنے آقا و مولا کے ارشاد کی انہوں نے زبان عمل سے تائید کی انصاری اپنے ساتھ مہاجرین کو لے جاتے اور اپنے گھروں کی اک ایک چیز بتا کر کہتے کہ اس مال میں آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہے بکریاں، اونٹ، کھجوروں کے باغ کھیت غرض ہر چیز انہوں نے آدھی آدھی بانٹ کر رکھ دی، یہاں تک کہ بعض انصار تو اس پر تیار ہو گئے کہ دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے حوالے کر دیں انسانیت کی تاریخ اس...... ہمدردی غمگساری، وسعت ظرف اور مہمان نوازی کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اس دنیا میں لوگ سدا سے غرض کے بندے اور مصلحت کے پجاری ہوتے آئے ہیں۔ بھائی بھائی کے ساتھ چال اور بناوٹ سے کام لیتا ہے ہر شخص اپنی ذات کو دوسرے کے سود و زیاں پر مقدم رکھتا بلکہ ترجیح دیتا ہے ایثار میں بھی اہل دنیا کی کوئی غرض شریک ہوتی ہے نام و نمود، شہرت، تحسین و ستائش! دوسروں کی زبان سے یہ سننے کی تمنا کہ بھئی! فلاں شخص بڑا فیاض، کشادہ دست اور ایثار پسند ہے ایک غیر آدمی کے ساتھ یہ کیا وہ کیا...... لیکن انصار کا ایثار خلوص و صداقت کے سوا اور کسی جذبہ اور تمنا سے آشنا ہی نہ تھا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت میں وہ سب کچھ کر رہے تھے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل انہیں منظور تھی۔

جب مواخات قائم ہوئی تو عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انتہائی بے سروسامان مہاجر تھے، سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی بنے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے جو بیوی پسند آئے اسے میں طلاق دے دیتا ہوں تم اس سے

نکاح کرلینا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تشکر آمیز لہجہ میں انکار کردیا ،پھر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اپنے گھر ساتھ لے گئے اور تمام چیزیں دکھا کر کہا کہ ان میں سے آدھی تم لے لو عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

بھائی! تمہارا مال تمہیں مبارک ہو مجھے بازار کا راستہ بتادو۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قینقاع کے بازار کا راستہ بتادیا، عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف نے پہلے پنیر مول لے کر بیچنا شروع کی نفع ہونے لگا تو پس انداز سے دوسرا سامان خرید لیا تجارت میں ترقی ہوتی گئی ۔وہ ایمان دار تھے محنتی تھے اور زبان کے سچے جس سے جو بات کہہ دی اور سودا کرلیا اس سے نہ پھرتے چاہے اس میں کتنا ٹوٹا کیوں نہ آجائے۔

اللہ تعالی نے عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت میں برکت دی ،کام پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ باہر کے شہروں سے سات سات سو اونٹوں پر ان کا سامان تجارت لد کر مدینہ منورہ آتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے انصار کو یہ بھی دکھادیا کہ تم جو مہاجرن کی مدد کررہے ہو اس پر مغرور نہ ہو جانا یہ بھی ہمارا ہی کرم اور احسان ہے کہ اس سعادت اور نیکی کے لئے تمہیں آمادہ کردیا ہے۔ہم یہ بھی کرسکتے ہیں کہ تمہاری مدد کسی کو حاصل نہ ہو اور وہ اپنی قوت بازو کی بدولت تم سے زیادہ دولت مند ہوجائے۔

انصار فطرتاً شریف اور نیک اور سادہ واقع ہوئے تھے ،انہوں نے مہاجرین پر نہ تو احسان جتایا اور نہ ان سے اپنی غمگساریوں کا بدلہ چاہا ان کی ہمدردی اغراض سے بلند تھی ،ان کی خدمات بے لوث اور بے میل تھیں اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں وہ اتنا سب کچھ کررہے تھے خدا نے ان کی نیکیوں کو قبول کرلیا ،تاریخ میں وہ انصار رسولؐ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اور زمین ہی نہیں آسمانوں میں بھی ان کے مناقب کے زمرے آج تک گونج رہے ہیں۔

☆قریش کی تیاریاں☆

وہ کفار قریش جنہوں نے حبش تک صحابہ کرام کا پیچھا کیا تھا اور اسلام دشمنی جن کی گھٹی میں پڑی تھی مدینہ میں پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کو بھلا چین سے کسطرح بیٹھنے دیتے انہوں نے سازشیں اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی۔ اپنے جاسوس قریش نے مدینہ میں بھیج دیے تھے جو مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاعیں مکہ بھیجتے رہتے۔

کفار قریش ہجر نبویؐ کے بعد یہ سمجھتے تھے کہ جانے کے بعد ان کی ہمتیں ٹوٹ گئی ہیں محمد ابن عبداللہ ﷺ ہی نے ان لوگوں میں سرفروشی اور ایثار کی روح پھونکی تھی، جب وہ ہی یہاں سے چلے گئے تو یہ بیچارے اب کس کے بل بوتے پر ہماری سختیوں کا مقابلہ کریں گے، سردار ہی نہ رہا تو اس کی فوج کب تک پاؤں جمائے رہے گی۔ مگر ان کی توقعات غلط ثابت ہوئیں بہت سے مسلمان تو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ چلے آئے اور ہجرت کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں انہوں نے گھر بار، مال دولت، یہاں تک بیوی بچوں اور عزیزوں تک کی پرواہ نہ کہ اور اللہ کی راہ میں ہر قربانی اور ہر ایثار کو خوشی سے گوارا کر لیا۔ کوئی تعلق اس نیک کام سے انہیں باز نہ رکھ سکا۔ ہر تعلق کو توڑ کر اور ہر چیز کو چھوڑ کر وہ گھر سے چل پڑے، جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے انہوں نے انتہائی استقامت پامردی اور ثبات عزم کا ثبوت دیا۔ کفار ان کو مارتے پیٹتے، قید کی تکلیف دیتے۔ گرم پتھروں اور آتشین لوہوں سے جسموں کو داغتے مگر صحابہ کرام کا جوش ایمان کسی طرح کم نہ ہوتا بلکہ ایذا رسانیوں ستم رانیوں اور جفا کوشیوں سے یہ جذبہ تیز تر ہو جاتا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی اور خالق کائنات کے پرستار تھے۔ خود ذات رسالت مآبؐ نے ن میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ محمدؐ چاہے تمہارے ساتھ رہیں یا نہ رہیں یہاں تک کہ وہ دنیا ہی سے اٹھ جائیں پھر بھی تمہارے جوش ایمانی میں کمی

نہ آنی چاہیے۔ اسلئے کہ تم تو خدا کے پوجنے والے ہو اور خدا حی و قیوم ہے۔ مسلمانوں کے اس اثبات واستقامت کو دیکھ کر کافروں کو بڑی جھنجھلاہٹ آئی کہ اسلام کی لگن تو ہجرت کے بعد بھی کم نہیں ہوئی جو مسلمان مکہ میں رہ گئے ہیں ان کے جوش ایمانی اور ذوق یقین کا وہی عالم ہے۔

مدینہ سے کفار قریش کے پاس اطلاعیں آتیں کہ مدینہ میں بہت تیزی کیساتھ ایمان پھیل رہا ہے۔ ہجرت سے پہلے ہی بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور ہجرت کے بعد تو یہ رفتار اور زیادہ تیز ہوگی۔ قبیلہ کے قبیلہ مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہود اور ان کے زیر اثر کچھ لوگ اس سعادت سے اب تک محروم ہیں ورنہ اوس و خزرج کے گھر گھر میں اسلام کا اجالا پہنچ چکا ہے۔ اور اہل مدینہ اور انصار اللہ و رسول کی اطاعت کا قلاوہ اپنی گردنوں میں ڈال چکے ہیں۔

ان خبروں نے کفار قریش کو غضب ناک بنا دیا وہ سراسیمہ سے ہو گئے۔ توقع کے خلاف جب کوئی بات ظہور میں آتی ہے تو آدمی گھبراتا ہے۔ مشورہ بلکہ فیصلہ ہوا کہ مدینہ میں اپنے ان دشمنوں کو ہم چین سے نہ بیٹھنے دیں گے، اگر ان کو مہلت مل گئی اور ہماری طرف سے مزاحمت نہ ہوئی تو سارے عرب پر اسلام چھا جائے گا۔ ہمارے معبودوں کی خدائی ختم ہو جائے گی اور ہماری خاندانی عظمت خاک میں مل جائے گی۔ یہ ذلت کسی طرح گوارا نہیں کی جاسکتی۔ قریش کی نسلی عزت کو ہر قیمت پر بچایا جائے گا۔ اور وہ بت جو صدیوں سے ہماری مشکلیں دور کرتے رہے ہیں ان کی بڑائی کو ہم کسی طرح نیچا نہ ہونے دیں گے۔ ابھی ہمارے پاس طاقت ہے زور ہے، غلبہ ہے، آدمیوں کی کثرت، روپیہ پیسہ کی بہتات اور ہتھیاروں کی فراوانی ہے۔ قبائل عرب ہماری عزت کرتے ہیں۔ بادیہ نشین ہمیں سردار مانتے ہیں کعبہ کی تولیت ہمارے ہاتھ میں ہے، صنعا سے لیکر طائف تک ہماری سیادت تسلیم کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی زیادہ نہیں ہوئی ان کا زور اس وقت پر توڑا جا سکتا ہے۔

قریش نے مدینہ کے سب سے بڑے رئیس عبداللہ بن ابی کے پاس سفارت بھیجی کہ یا تو تم خود ہمت کر کے محمد ﷺ کو قتل کر دو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو ہم قریش پوری قوت کے ساتھ تم پر حملہ کر کے تمہاری قوت کا صفایا کر دیں گے۔ ایک طرف تو قریش نے رسول اللہ کے قتل کے لئے عبداللہ ابی کو ابھارا بلکہ دھمکی دی اور دوسری طرف ان کے نوجوانوں کی ٹولیاں مدینہ کی آس پاس گشت لگانے لگیں، انصار کی چراگاہوں کو یہ لوگ تباہ کر ڈالتے نخلستانوں کو کاٹ دیتے اور مدنی چرواہوں سے بکریاں چھین لے جاتے، قریش اس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی قوت کا اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ ان میں طاقت ہوگی تو ہماری چھیڑ چھاڑ کا ضرور جواب دیں گے اور ہوتے ہوتے لڑائی کی نوبت آجائے گی، مدینہ سے باہر مسلمانوں کو ایک ہی جھڑپ میں پیس کر رکھ دیں گے۔

قریش کے یہ اوچھے ہتھیار بھی بیکار ثابت ہوئے تو انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاری کا ارادہ کر لیا، وہ مدینہ پر پوری قوت کے ساتھ فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتے تھے مگر اس کام کے لئے ساز و سامان اور مصارف کی ضرورت تھی۔ دوسروں کے شہر پر چڑھائی کرنا کھیل نہیں تھا یہ جنگ ان کی خاندانی لڑائیوں اور قبائلی خانہ جنگوں سے بالکل مختلف تھی، جنگ کے مصارف کے لئے انہوں نے یہ تدبیر سوچیں کہ اب کی بار جو تجارتی قافلہ مال و اسباب لے کر شام جائے اس کی قیمت جنگی مصارف میں لگنی چاہیے۔ اس طرح ساری قوم جنگ میں شریک ہو جائے گی۔ اور کسی ایک قبیلہ پر بار نہ پڑے گا۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صنادید قریش نے پر جوش تقریریں کیں لوگوں کو امداد کے لئے ابھارا کہ بھائیو! یہ قوم اور وطن کی عزت کا معاملہ ہے ہمارے لئے اس سے زیادہ نازک گھڑی پھر نہ آئے گی۔ مسلمانوں کے زور کو نہ توڑا گیا تو یہ لوگ قوت پا کر خود ہمارا صفایا کر دیں گے۔ کیا ہم اس دن کے دیکھنے کیلئے زندہ رہیں گے۔ جب

ان مسلمانوں کے ہاتھوں لات وہبل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہونگے۔ ہماری تلواروں نے ہمیشہ عظمت قریش کی حفاظت کی ہے۔ہم نے سینوں پر زخم کھا کر بھی قوم کے وقار کو نیچا نہیں ہونے دیا۔

قریش فصاحت کے بادشاہ تھے، آتش فشاں تقریریں کرنی انہیں خوب آتی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جنگ کے لئے اپنی قوم کو کن الفاظ میں ابھارا جاسکتا ہے۔ اور کس انداز کا جملہ ان کی رگ حمیت پر نشتر لگا سکتا ہے۔مکہ کی تمام آبادی نے اپنا سب کچھ اس تجارتی قافلہ کی نذر کر دیا بیوہ اور نادار عورتوں تک نے اپنا پس انداز تجارت میں لگا دیا۔ یہ قافلہ اس عزم کے ساتھ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا کہ بس ہم ذرا شام سے لوٹ کر آجائیں پھر ہم نہیں یا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی نہیں! اتنی زور کی لڑائی ہوگی اور ایسے گھمسان کیا رن پڑے گا کہ عرب کی زمین دہل جائے گی۔ اب تک ہم مسلمانوں کو انفرادی طور پر ستاتے رہے ہیں۔مگر اب ان سے ساری قوم یک دل ہو کر جنگ کرے گی۔ ہماری تلواریں مسلمانوں کو بتادیں گی کہ قریش کی خاندانی عظمت سے کھیلنا مذاق نہیں ہے۔وہ وقت دور نہیں ہے کہ ابوقحافہ کے بیٹے خطاب کے فرزند اور ابوطالب کے بیٹوں کی لاشیں زمین پر تڑپتی ہونگی اور ان نادان انصار کو بھی اسلام کی دوستی کا صلہ مل جائیگا۔ بڑے آئے ہمارے دشمنوں کو پناہ دینے والے۔

قریش کا تجارتی قافلہ روانہ ہو چکا تو انہی دنوں مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان کاروان تجارت لوٹنے کے لئے مدینہ سے چل دیئے ہیں۔ اور کسی منزل پر ہمارے قافلہ سے ان کا تصادم ہوگا۔اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ کفار قریش کے غیض غضب کا طوفان جوش میں آگیا انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ مسلمانوں کو قافلہ پر حملہ کرنے ہم موقعہ نہیں دیں گے۔ہم خود مسلمانوں سے جا کر گتھ جائیں گے۔اور ان کی تلواریں نیام سے نکلنے بھی نہ پائیں گی کہ ہماری

آب دار شمشیریں ان پر ٹوٹ پڑیں گی۔ ہمارے قافلہ پر حملہ ہماری غیرت کے خلاف کھلا ہوا چیلنج ہے ہم اس کا پوری قوت کے ساتھ جواب دیں گے۔ حملہ کی پہل ہماری طرف سے ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی کو جمع کیا سب لوگ ایک آواز پر اکٹھا ہو گئے۔ ان میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی! ہجرت نبویؐ کے بعد اتنا بڑا اجتماع آج تک نہ ہوا تھا صحابہؓ کے مجمع کے سامنے صورت حال بیان فرمائی۔ اس کے جواب میں ابوبکرؓ اور دوسرے اصحاب نے انتہائی پر جوش تقریریں کیں ان تقریروں میں اپنے عزم واثبات، یقین وایمان اور اسلام کے لئے ہر قربانی اور ایثار کا اظہار کیا گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مہاجرین اللہ کے دین کی حفاظت کی خاطر موت سے ہاتھ ملانے کے لئے تیار ہیں۔ ان کے دل میں نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کی جھجک! معرکہ آرائی ہوگی تو یہ جاں نثار برچھیوں اور تلواروں کے زخم کھا کر داد شجاعت دیں گے۔ بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹیں گے نہیں، خون کے قطرے سے یہ حق پرست اللہ کی ربوبیت کی شہادت دیں گے۔

مہاجرین تقریریں کر رہے تھے مگر حضور ﷺ بار بار انصار کی طرف دیکھتے تھے انصار اس لئے خاموش تھے کہ مہاجرین جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہی ہمارا خیال ہے یہ ہمارے دلوں کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ مہاجرین سے ہم انصار کسی طرح پیچھے نہیں رہیں گے مگر جب انصار نے محسوس کیا کہ سرور کائنات ﷺ ان کی زبان سے ان کے ارادوں کا حال سننا چاہتے ہیں تو قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور انتہائی پر جوش مگر پورے ادب احترام کے ساتھ عرض کیا!

کیا حضور ﷺ کا اشارہ ہم انصار کی طرف ہے اس خدا کی قسم جس نے حضورؐ کو نبی بنایا آپ حکم دیں تو ہم دریا میں کود پڑیں، دشمنوں کے مقابلہ میں آنا ہمیں گراں نہیں گزرتا ہم

انصار میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔

حضور ﷺ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں ......

سعد بن معاذؓ تقریر کر چکے تو مقداد کھڑے ہوئے:

"حضور ﷺ! ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح ہرگز یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ خدا جنگ کریں ہم یہاں بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھا کریں گے۔ ہم انصار تو حضور کے سامنے آ کر عقب میں جا کر اور دائیں بائیں کھڑے ہو کر لڑیں گے ......

انصار کی پرجوش تقریریں سن کر حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا، حضور ﷺ کی مسرت کو انصار اور مہاجرین اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ وہ لوگ بھی خوش اور مطمئن تھے کہ غلاموں کی عرضداشت آقا نے قبول کر لی ہے۔ جب انصار جنگ کیلئے حضور ﷺ اسی پر بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے اٹھ کر کہا۔

ایہا الواخوان! یہ بھی معلوم ہے؟ کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔؟ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے جنگ ہے ......

حضرت اسعد بن زرارہ نے بظاہرہ بہت ڈرانے دینے والی بات کہی تھی، انصار کی جگہ کم ہمت لوگ ہوتے تو سوچ میں پڑ جاتے جان کا خوف مصلحتوں کی آڑ ڈھونڈنے لگتا، دبی ہوئی زبان سے ڈپلومیٹک قسم کا جواب دیا جاتا، مگر یہ انصار رسول تھے یہ اپنی جانیں اللہ کے ہاتھ بیچ چکے تھے، رسول ﷺ کے حکم کے بعد تامل کرنا اور اس کی تعمیل کے لئے حیلے ڈھونڈھنا ان کے مذہب میں منافقت تھی وہ سب یک زبان ہو کر بولے:۔

ہاں ہاں! ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔

رمضان المبارک کی بارہ تاریخ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تقریباً تین سو جاں نثاروں

کو ساتھ لیکر مدینہ سے ہوئے، آبادی سے کوئی ایک کوس کی مسافت طے کرنے کے بعد حضور ﷺ نے سپاہیوں پر نگاہ انتخاب ڈالی ، ان میں جن کی چھوٹی عمر تھی ان کو مدینہ لوٹا دیا گیا ،عمیر بن ابی وقاص کم سن تھے ،شوق شہادت اور جذبہ جہاد ان کو یہاں لے آیا تھا یہ منظر دیکھ کر بچوں کو مدینہ واپس کیا جا رہا ہے وہ پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے ۔تا کہ بڑی عمر کے لوگوں سے ان قد پست نظر نہ آئے اور انہیں لٹا دیا جائے ۔حضور ﷺ نے ان سے واپس ہونے کے لئے ارشاد فرمایا تو وہ بیساختہ رو پڑے اور رحمۃ اللعالمین نے انہیں جنگ کے لئے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی ،سعد ان کے بڑے بھائی تھے انہوں نے جوش کمسن بھائی کے گلے میں تلوار ڈال دی۔

عمیر کی آنکھوں میں یا آنسو جھلملا رہے تھے اور اب حضور ﷺ نے عسکر اسلام میں شامل ہونے کی اجازت جو مرحمت فرمائی تو ان کے چہرے پر مسرت رقص کرنے لگی۔عارض خوشی کے اثر سے گلاب ہو گئے ،پیشانی پر کہکشاں چمکنے لگی۔فرط شوق سے دل اچھلنے لگا ،جوش ایمانی عمیر کو ابھارتا تھا کہ اسلامی فوج کے اور سب سے کمسن سپاہی اپنی تقدیر پر ناز کر کہ تو اس جنگ میں اللہ اور رسول اکی طرف سے لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔جو اسلام کا دیباچہ ہے،حق و باطل کی اس پہلی معرکہ آرائی میں شرکت تجھے مبارک ہو! زندہ رہا تو بھی کامیاب ہوگا اور شہید ہو گیا پھر بھی کامیابی تیرے ساتھ رہے گی۔.......

☆جنگ بدر☆

کمسنوں کو چھانٹ دینے اور فوج کا جائزہ لینے کے بعد سپاہیوں کی تعداد تین سو تیرہ رہ گئی ،جن میں ساٹھ مہاجر تھے اور باقی تعداد انصار کی تھی ،مدینہ سے شام کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس پر سرفروش مجاہدوں کا یہ لشکر روانہ ہوا،دنیا کی نگاہ نے بڑے بڑے جرار لشکر دیکھے تھے

، صبا رفتار گھوڑے، زرہیں، خود، بکتر، چار آئینہ، جوشن، تلواریں، ڈھالیں، نیزے برچھے اور وہ سب کچھ جس سے دشمن کی فوج کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے، لشکر کے ساتھ رسد کا سامان، خیمے، ڈیرے، شامیانے، چتر، نوبت، نقارے۔

مگر یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کو فوج تھی ان کے پاس ٹوٹی ہوئی تلواریں اور پھٹی ہوئی زرہیں تھیں ایک ایک سواری پر دو دو تین تین مجاہد سوار تھے، رسد کی جگہ اللہ کا نام تھا۔ بہت سے بہت چند تھیلے ستوؤں اور کھجور کے ہونگے۔ ظاہری ساز و سامان ان کے پاس نہ تھا مگر ہاں! ان کے پاس ان کے ایمان کی قوت اور اسلام کا جوش تھا، گھروں سے یہ لوگ اس بات کا عزم کر کے چلے تھے کہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ان مجاہدوں کو صرف اپنے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا اور یہی اعتماد یقین اور ایمان انہیں موت کی آواز پر "لبیک" کہنے کے لئے لے جا رہا تھا، ان کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خوف نہ تھا جب سے اللہ کا ڈر ان کے دل میں آیا تھا اور سب ڈر تمام دہشتیں اور سارے وسوسے دل سے نکل گئے تکبیریں پڑھتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے جا رہے تھے، نماز کا وقت ہو جاتا تو اللہ کے سامنے انتہائی خشیت وخضوع کے ساتھ جھک جاتے، محمد رسول اللہ ﷺ ان کے امام پیشوا اور امیر لشکر تھے، حضور ﷺ کی معیت پر ان کی قسمت ناز کر رہی تھی کہ اے چرواہو! تم کو زمین و آسمان مبارکباد دے رہے ہیں۔ آسمانوں سے تمہارے نام سلام آ رہے ہیں۔ فخر موجودات کے ساتھ ہم سفر ہونا ہی بہت بڑی سعادت اور نیکی ہے۔ اور یہ تو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے بادیہ پیمائی ہو رہی ہے۔ فوج کی کمان خود سید الانبیاؑ کے ہاتھ میں ہے

خوش قسمتی اور فیروزمندی کی یہ معراج ہے۔

کفار قریش پوری تیاری اور بڑے ساز وسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ ایک ہزار سے کچھ اوپر ان کی تعداد تھی۔ ہتھیاروں، سواریوں اور رسد کے سامان کی بہتات تھی، قریش کے تمام رئیس بھی نفس نفیس شریک تھے، ابولہب بیماری کے سبب نہ آسکا تو اس نے اپنی جگہ اک بہادر آدمی کو لڑنے کے لئے بھیج دیا، عتبہ بن ربعیہ فوج قریش کی سپہ سالاری کر رہا تھا۔

مدینہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر بدر واقع ہے، یہ، مقام شام کے راستہ پڑتا ہے۔ قریش جب یہاں بدر پر پہنچے تو انہیں پتا لگا کہ تجارتی قافلہ جس کا امیر ابوسفیان تھا سلامتی کے ساتھ نواح مدینہ سے نکل گیا اور اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، مسلمان مدینہ سے منزلوں دور جا کر ان کے قافلہ کے پیچھا کرنے سے رہے اسلئے زہرہ اور عدی قبیلوں کے رئیسوں نے کہا کہ ہم اپنے قافلہ کے بچانے کے لئے مکہ سے چلتے تھے، قافلہ صحیح سلامت شام کی طرف کوچ کر گیا تو ہمیں بھی مکہ کو لوٹ جانا چاہیے، مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا کسی طرح مناسب نہیں مگر ابو جہل نے کسی کا بھی کہا نہ مانا وہ اپنی ضد پر قائم رہا، عتبہ اور امیہ تو کچھ نرم پڑھ گئے لیکن ابو جہل کی شقاوت یہاں پہنچ کر سخت تر ہوتی چلی گئی وہ دشمن اسلام بولا کہ یوں ہی لڑے بھڑے بغیر خالی ہاتھ لوٹ جانا بڑی بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ قافلہ چلا گیا تو کیا ہوا ہمارے دشمن مسلمان تو موجود ہیں ان لوگوں کی موجودگی عرب کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے جب ادھر آئے ہیں تو اس خطرے اور فتنہ کو بھی مٹاتے چلیں۔

قریش پہلے سے بدر پہنچ چکے تھے اور مضبوط اور محفوظ مورچوں پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا، رات کا وقت تھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل سفر کرتے ہوئے آئے تھے رات کو سب نے آرام کیا، مسلمانوں کے اس پورے لشکر میں بس ایک ذات بیدار تھی اور ذات محمد رسول اللہ

علیہ وسلم کی تھی، حضور رات بھر اپنے اللہ کے آگے سربسجود اور اپنا دکھ درد رحمتہ اللعلمین نے رب العلمین کی بارگاہ میں عرض کیا۔

رات کا دھندلکا، دشمنوں کے حملہ کا خطرہ...... اور اس عالم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے اور آپ کی دعائیں! قبولیت نثار ہوگئی، باب اجابت جھوم جھوم اور کانپ کانپ گیا۔ عرش کے کنگر ہلنے لگے، زمین کی طنابیں اور آسمان کا شامیانہ لرز لرز گیا کون کہہ سکتا ہے کہ بندے نے اپنے معبود سے خلوت میں کیا کہا اور ادھر سے کیا جواب ملا جب دل ذرا سی گرانی محسوس کرے اور جبریل امین تسلی کے لئے فوراً حاضر ہو کر عرض کریں کہ آپ کے خدا نے پیام بھیجا ہے اور آج جب وہ خود گڑگڑا رہا ہو اس کی پیشانی اللہ کی جناب میں خاک آلود ہو رہی ہو تو ایسے عالم میں نہ جانے ادھر سے کیا پیام آتے ہونگے، یہی وہ بزم سر خلوت ہے۔:۔

کہ جبریل امین راہم خبر نیست

مدینہ سے بدر تک کا راستہ بہت ہی دشوار گزار گھاٹیوں سے ہو کر گزرتا تھا مگر بدر کے آس پاس زمین ہموار تھی، کہیں کہیں ٹیلہ بھی تھا اسی میدان کے ایک کنارے پر صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپر کا ایک سائبان بنا دیا تھا، سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عریش کے نیچے ننگی تلوار سونت کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عزم کے ساتھ ایستادہ تھے کہ جان دے دونگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دونگا۔

صبح نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے وعظ ارشاد فرما کر نثاروں کے قلوب کو اور گرما دیا، ایک ایک لفظ پر سرفروش مجاہد اچھل اچھل پڑتے اس کے بعد جنگ کے لئے صف آرائی ہوئی حضور نے خود صفیں درست کرائیں دست مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور اس کے اشارے سے صفوں کو سیدھی کرنے کا حکم دے رہے تھے، سواد بن عزمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جوایک خوش طبع صحابی تھے اتفاقاً ان کے قدم صف کی حد سے آگے نکل گئے اور ان کے مقام کی صف ٹیڑھی ہوگئی، حضورﷺ نے چھڑی سے ان کے سینہ کو ٹھوکا دیا کہ دوسروں کی طرح صف باندھ کر سیدھے کھڑے رہو۔سودرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عرض کیا کہ یارسول اللہﷺ خدائے تعالیٰ نے آپ کو حق وصداقت پر مبعوث فرمایا ہے اور انصاف کرنے کے لئے آپؐ دنیا میں آئے ہیں۔میرے سینہ پر آپؐ نے چھڑی کی جو ضرب لگائی ہے اس کا انتقام لونگا،حضور نے سینہ سے چادر ہٹادی اور فرمایا:۔

اے سودرضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا قصاص لے!

سودارضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس درخواست پر تمام صحابہؓ حیران اور پریشان تھے کہ اس شخص کو آج کیا ہوگیا ہے۔مکہ سے تو محمد رسول اللہﷺ کے حکم پر جان دینے کے ارادے سے چلا تھا اور یہاں آکر چھڑی سے ذراسی ٹھوکر کا ذات رسالب مآبﷺ سے انتقام اور قصاص چاہتا ہے۔کسی کسی صحابیؓ نے غضب ناک ہو کر تلوار کی موٹھ پر ہاتھ رکھ لیا کہ حضورﷺ نے خشم آلود تیوروں سے ذرا بھی اشارہ فرمایا تو سودا کا سر اڑادونگا۔

حضورﷺ کا بند قبا وا کھلا ہی تھا کہ سوادرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر سینہ، مبارک کو عقیدت سے چوم لیا،حضورﷺ نے قصاص نہ لینے کا سبب پوچھا تو سوادرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہﷺ یہ میرا آخری وقت ہے،گھڑی دو گھڑی کی بات اور ہے میں اللہ کے راستہ میں مارا جاؤنگا،میں نے چاہا کہ کہ زندگی کے آخری دور میں حضورﷺ کے جسم مبارک سے اپنا بدن مس کرلوں...... حضورﷺ نے اس کیلئے دعائے خیر فرمائی اور تمام صحابہ حضرت سوادرضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے خوش ہوگئے۔ان کے غصے ٹھنڈے پڑگئے جیسے کسی نے آگ پر یکبارگی برف کی سل رکھ دی ہو،بعض نے تو دل ہی دل میں سوادرضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شوخی

عقیدت کی داد بھی دی۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے کفار قریش کے بہادر میدان میں آ کر زر مبارز طلب ہوئے ادھر سے انصار پر جوش انداز میں پہنچے ،کافروں کے نے کہا کہ انصار کا اور ہمارا کیا جوڑ ہمارے مقابلہ کے لئے تو حمزہؓ عمرؓ اور علیؓ کو بھیجو اس جواب سے مہاجرین میں سے چند بہادر میدان کارزار میں آئے ،لڑائی شروع ہوئی اور حضورﷺ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا فرمانے لگے۔

بار الہا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر۔

محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ دعا مانگتے میں روائے مبارک دوش مقدس سے نیچے گر گر پڑتی ، پھر حضور نے سجدہ کیا اور سجدے میں سر رکھ کر بولے:۔

خدایا! یہ چند نفوس اگر آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی۔

یہ دعا حقیقت میں ناز عبدیت تھا، اس کے اسرار محمدﷺ کا خدا ہی جانتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں یہ جنگ ہو رہی تھی ، اللہ کا رسول دعا مانگ رہا تھا اور اللہ ہی نے اپنے رسول کی زبان سے اس دعا کے الفاظ کہلوائے ......ہم تو بس اتنا ہی کہہ اور سمجھ سکتے ہیں۔ اس نازک حقیقت کی شرح خاکی تو کیا کروبیان قدس بھی نہیں کر سکتے۔

دونوں طرف سے معرکہ آرائی ہو رہی تھی کفار قریش نے جاہلی عصبیت کا خوب مظاہرہ کیا ،ایک ایک کا فرکٹ کٹ کر لڑا، کفر نے تہور اور بے با کی کی صورت اختیار کر لی لات و ہبل کی جے پکاپکار کر تلوار چلاتے ان میں بہت سے تجربہ کار تیغ زن اور بہادر نوجوان تھے، آج وہ یہ طے کر کے میدان جنگ میں اترے تھے کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا کر رہیں گے چاہے اس میں ہماری جانیں کیوں نہ چلی جائیں ۔وہ زخم کھا کھا کر بھی بڑھنے کی کوشش کرتے ایک

مرتا تو دوسرا اس کی جگہ آجاتا، آدمیوں کی ان کے پاس کمی نہ تھی ہتھیار بھی کثرت سے تھے کسی کے ہاتھ میں تلوار ٹوٹ جاتی تو اس سے زیادہ جوہردار شمشیر اسے مل جاتی، حق و باطل اور کفر اسلام کا یہ پہلا معرکہ تھا کفار اچھی طرح جانتے تھے کہ اس نبرد آزمائی میں زیر ہو گئے تو ہماری بہادری اور ناموری کی ساکھ باقی نہ رہے گی۔ ہماری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور نوجوانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ آج خوب جم کر لڑنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے سپاہی تعداد میں بہت کم ہیں اسلحہ ان کے پاس تھوڑا ہے۔ ہم مضبوطی کے ساتھ جمے رہے تو ہو مٹھی بھر فاقہ کش لوگ کہاں تک لڑیں گے۔

مگر صحابہ کرامؓ کے جوش ایمانی نے کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیئے ایک ایک بہادر مسلمان تن تنہا قریش کی صفوں کو چیر کر کافروں کو واصل جہنم کر دیتا۔ میمنہ اور میسرہ میں ابتری پھیل گئی، یہاں تک کہ جاں باز صحابہؓ نے باطل پرستوں کے قلب فوج کو الٹ دیا، پریشان حال تہی دست اور فاقہ کش خدا پرست ٹوٹی ہوئی تلواریں پھٹی ہوئی زرہیں مگر جوش حق نے ان میں قیامت کا زور پیدا کر دیا تھا۔ لبوں پر خدا کے نام کی تکبیریں تھیں اور ہاتھوں میں تلواریں اس قدر اطمینان اعتماد اور عزم و یقین کے ساتھ لڑ رہے تھے جیسے فتح ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ اپنی قلت تعداد کا ان کو غم ہی نہ تھا۔ اور نہ دشمنوں کی کثرت سے ہراساں تھے ان کے حوصلے کہہ رہے تھے کہ سارا عرب بھی اگر ہمارے مقابلہ میں آجائے تو ہم ان سے بھی گتھ جائیں گے۔ اور دنیا دیکھ لے گی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام موت کو کھیل سمجھتے ہیں اور حق کی حمایت میں وہ کسی بڑے سے بڑے خطرے کو بھی دھیان میں نہیں لاتے۔

حضور نے عریش سے سرفروش صحابہؓ کی جان بازی کے مناظر دیکھ رہے تھے، مجاہد زخم کھا کر اور زیادہ جوش کے ساتھ تلوار چلاتے، پیشانی کے زخم سے لہو ٹپکتا تو کوئی کوئی مجاہد

''فزت برب الکعبہ''

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا'' کہہ کرگلگونہ سے چہرے کوارغوانی بنالیتا،خاک وخون میں تڑپ کرمجاہداپنی قسمت پرناز کرتے کہ شہ رگ کالہوزبان حال سے صاحب ''اقرب من حبل الورید '' کی شہادت دے رہاہے۔......اور یہ بھی کہ خودسرورعالم ہماری سرفروشی اور جان نثاری کامشاہدہ کررہے ہیں۔مبارک ہے ہمارا یہ خاک وخون غلطان'' ہونا۔کفراسلام کا مقابلہ نہ کرسکا حق کے آگے باطل کوکامیابی حاصل نہ ہوسکی ،لات وہبل کے پوجنے والے خدائے واحدو یکتاکے پرستاروں کے سامنے نہ جم سکے۔نیکوکاروں کی فتح اور بدکاراورفاسقوں کوشکست ہوئی ۔قریش کاغرورٹوٹ گیا،نسلی فخراورآبائی عظمت کے پرچموں کوسرنگوں ہوناپڑا ۔ابوجہل نے ذلت کے ساتھ خاک پردم توڑ دیاعتبہ زخموں کی تب نہ لاکرجہنم واصل ہوا۔اور شیبہ نے کراہتے ہوئے جان دے دی۔سرداروں کے قتل نے رہے سہے کافروں کی ہمتیں پست کردیں۔وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہماری صفیں الٹے دیتے ہیں اور ہمارے بہادران شیروں کے آگے لومڑیوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔اگرہم نے شکست قبول نہ کی توہم میں شاید ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے گا۔ان مسلمانوں کامقابلہ کرناہمارے بس کاکام نہیں جوانوں کاتوپوچھاہی کیاکمسن سپاہی جن کی پوری طرح مسیں بھی نہیں بھیگیں،نہایت بے باکی اورجوش کے ساتھ تلوارچلارہے ہیں۔

اپنی شکست اورفوج کی ابتری کا یہ رنگ دیکھ کرکفارنے ہتھیارڈال دیے ہار مان لی۔ تلواروں کوزمین پرپھینک دیا،نیزوں کی انی نیچی کرلی ۔ترکشوں کوالٹالٹکادیا،پرغرورگردنیں جھک گئیں ہونٹوں پرذلت کی مہرلگ گئی۔مگرخاموش زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ ہم شکست قبول کرتے ہیں۔اب ہم تمہارے رحم وکرم پرہیں۔جیساچاہے سلوک کروہم تمہیں مٹانے کے

ارادے سے آئے تھے۔ مگر کیا کریں قسمت نے یاوری نہ کی ،فوج کی اکثریت اور اسلحہ کی بہتات کے باوجود ہمیں ناکامی ہوئی ہمارے بہادروں نے بزدلی نہیں دکھائی وہ خوب جوش کے ساتھ لڑے ،سرداران قریش تک نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیغ زنی لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ہم تمہیں کمزور، ذلیل، فاقہ کش اور بے سہارا سمجھے تھے مگر ہمارے تمام اندیشے غلط ثابت ہوئے۔تم تو ثبات عزم کا کوہ گراں نکلے،کاش! یہ ذلت ہمیں دیکھنی نصیب نہ ہوتی اور ابوجہل وشیبہ کے برابر لاشیں بھی پڑیں ہوتیں۔......

☆اسیران بدر☆

کافروں کی لاشوں کو دیکھا گیا تو پتا چلا کہ تمام بڑے بڑے قریشی سردار قتل ہو چکے ہیں۔ خود فوج کا سپہ سالار مارا گیا اور اس کی لاش بے گور وکفن پڑی ہے۔ دارالندوہ میں جن چودہ سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی تجویز پر اتفاق کیا تھا ان سے گیارہ غزوہ بدر میں ہلاک ہوئے بدر کی جنگ میں اعیان قریش کی زندگی کے کتابچے پارہ پارہ ہو گئے ،عرب کی کسی لڑائی میں شاید اتنے بہت سے نامور سردار اب تک قتل نہ ہوئے تھے۔ بدر میں کفار قرش کی شکست دراصل ان کے اقتدار اور حاکمیت کی شکست تھی ،آثار اشارہ کر رہے تھے کہ اس ہزمیت کے بہت دور رس نتائج نکلیں گے کفر کی رسوائی اسی نقطہ پر ختم نہ ہوگی ابھی اسے بہت کچھ ذلیل ہونا ہے اسلام باطل کے کسی نقش کو باقی نہ چھوڑے گا۔اجالا اور دھندلا ایک جگہ نہیں رہ سکتے جھوٹ اور سچ میں میل نہیں ہوسکتا۔

قریش کے ستر آدمی قید ہو کر مدینہ لائے گئے یہ سب کے سب بہادر اور نامور اشخاص تھے اپنے قبیلوں میں ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی احساس شکست نے ان کے سرخ وسپید چہروں کو سانولا بنا دیا تھا۔آنکھیں خشک تھیں مگر دل رو رہے تھے رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس اب تک

ایمان نہ لائے تھے وہ بھی اپنے بھائی بنداور ہم عقیدہ قریش کے ساتھ فوج میں شامل ہو کر بدر آئے اور قریش کی حمایت میں خوب لڑے ان قیدیوں میں عباس بھی شامل تھے۔

اسیران بدر کو مسجد نبوگی کے ستونوں سے باندھ دیا گیا۔حضرت عباس عم رسول اللہ ﷺ نے بند اسیری کی تکلیف محسوس کی حضور ﷺ نہایت بے چینی کے ساتھ مسجد میں ٹہلنے لگے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ سرکار نے آرام نہیں فرمایا، حضور ﷺ نے جواب دیا کہ قیدیوں کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی صحابہؓ نے عباس کی طرح دوسرے قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیئے۔ اور جب اسیران بدر کو چین آ گیا تو تو کہیں جا کر رسالت مآب ﷺ استراحت فرمائی۔

غزوہ بدر کے یہ قیدی ذات رسالت مابؐ اور صحابہ کرام کے خون کے پیاسے تھے ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو بڑی دردناک تکلیفیں پہنچی تھی ۔مگر رحمتہ اللعلمین نے ان سب کو کپڑے پہننے کے لئے عطا فرمائے۔ گرد آلود قباؤں کی جگہ صاف ستھرے کرتے دیئے گئے ،حضرت عباسؓ بہت قد آور تھے سب سے زیادہ بلند قامت کسی کا کرتہ ان کے جسم پر ٹھیک نہ آتا تھا مدینہ کے منافقوں میں اک شخص عبداللہ بن ابی تھا اس کرتہ منگوا کر عباس کو پہننے کے لئے دیا،

عبداللہ بن ابی نے جو حضور ﷺ کے چچا کے ساتھ احسان کیا تھا اسے سرور کائنات نے فراموش نہیں فرمایا، منافقوں کا یہ سردار جب مرا تو حضور نے اپنا کرتہ مبارک اس کے کفن کے لئے عطا فرما کر اس احسان کا معاوضہ دے دیا۔ اشیاء میں نسبتوں کے اعتبار سے فرق ہوا کرتا ہے وہ راس المنافقن عبداللہ بن ابی کا کرتہ تھا اور یہ سید المرسلین محمد ابن عبداللہ ﷺ کی قباتھیں ،عبداللہ ابن ابی کفن سے زیادہ مقدس کفن کسی مردے کو نصیب نہیں ہوا۔ رحمتہ اللعلمین نے ابن ابی کو اپنے احسان سے ڈھانپ دیا۔

اسیران بدر یقیناً اس کے مستحق تھے کہ ان کی گردنیں اڑا دی جاتی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے

یہی رائے دی تھی اور عرض کیا تھا کہ کہ میں اپنے عزیزوں کو اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب اپنے رشتہ دار قیدیوں کو قتل کریں۔ مگر رحمت عالم نے معمولی سا تاوان لیکر ان کو آزاد کر دیا جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے زر فدیہ بھی نہ لیا گیا ان کا تاوان یہی تھا کہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔...... اللہ تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کو فتح کا ان لفظوں ذکر فرمایا۔

تم کمزور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اب تم اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو تا کہ اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

☆ قاتل غلام بن گیا ☆

بدر میں قریش کی شکست کی جو خبر پہنچی تو تمام مکہ شور ماتم سے ہل گیا ہر شخص متاثر اور ملول تھا، ہر طرف اس جنگ کی باتیں اور تذکرے ہوتے اس ہزیمت کا سب کو انتہائی ملال تھا وہب کا بیٹا عمیر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش تھا وہ اور اس کا دوست صفوان بن امیہ دونوں ایک جگہ بیٹھ کر مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے ان کی گفتگو کیا تھی ایک دردناک نوحہ تھا۔

......عمیر! اس ذلت آمیز شکست کے بعد اب جینے کا مزہ نہیں...... صفوان نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

......سچ کہا تم نے صفوان! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بال بچوں کے بکھیڑے میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں سواری پر چڑھ کر مدینہ پہنچتا اور محمد ﷺ کو قتل کر دیتا۔ مدینہ میں میرا بیٹا بھی گرفتار ہے۔...... عمیر نے جواب دیا

......تم نہ تو قرض کا خیال کرو اور نہ بال بچوں کی فکر میں پڑو، میں ذمہ داری اور کفالت کا پورا وعدہ کرتا ہوں مجھ پر اعتبار کرو عمیر!...... صفوان کے اطمینان دلانے پر عمیر...... تیزی کے ساتھ گھر آیا بیوی سے کہا کہ میں مدینہ جا رہا ہوں۔ تمہارے بیٹے کو چھڑا کر لاؤنگا۔ میری اس زہری

بجھی ہوئی تلوار سے محمد ابن عبداللہ ﷺ بچ نہیں سکتے مقتولین بدر کے انتقام کی یہ پہلی قسط ہے۔

عمیر نے تیز سی اونٹنی لی اور مدینہ کی جانب چل دیا راستہ میں کہیں کہیں تھوڑی سی دیر کے لئے ٹھہرتا اور ستا کر اور تازہ دم ہو کر پھر چل پڑتا وہ جلد مدینہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔زہر آلود تلوار کو بار بار دیکھتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ اس کے ایک ہی وار میں (نعوذ باللہ) محمدؐ کا کام تمام ہو جائے گا۔تلوار کی باڑہ پہلے ہی سے تیز تھی میں نے زہر میں بجھا کر اسے موت کا قاصد بنا دیا ہے۔اس کا ذرا سا گھاؤ دشمن کو موت کا رستہ دکھا دے گا۔

عمیر مدینہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راہ میں ملاقات ہوئی اس کے تیوروں ہی سے تاڑ گئے کہ یہ مکہ سے کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے عمرؓ نے اس کی گردن دبوچ لی اور اسی عالم میں اسے لے کر دربار رسالتؐ میں پہنچے ،حضور نے فرمایا عمرؓ اس شخص کو چھوڑ دو ،رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہو گئی پھر حضور ﷺ نے اسے اپنے قریب بلایا۔

......کس ارادے سے آئے ہو تم یہاں !رسول اللہ ﷺ نے عمیر سے دریافت کیا۔

......اپنے بیٹے کو قید سے رہائی دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں ......عمیر نے جواب دیا۔

......تو پھر یہ تلوار تمہاری گردن میں کیوں لٹکی ہوئی ہے۔

......رسول اللہ نے پوچھا۔

......ہماری تلواریں بدر میں کس کام آئیں۔......جو عمیر کی آواز دھمی پڑ گئی جیسے بدر کا نام آتے ہی اس کے دل کی چوٹیں ابھر آئیں۔اور غم تازہ ہو گیا۔آخری لفظ اس نے دبی زبان سے ادا کیا جیسے اس کی بات ختم ہو گئی۔......اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم اور صفوان دونوں نے حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کرنے کی سازش جو کی تھی؟

حضورؐ کا جواب سن کر عمیر کو پسینہ آ گیا اسے بڑی حیرت ہوئی کہ اس مشورے میں صفوان اور میرے سوا کوئی شریک نہ تھا خود میرے عزیزوں دوستوں اور گھر والوں تک کو اس سازش کی خبر نہ تھی۔ یہ مشورہ ہم دونوں نے انتہائی رازداری کے ساتھ کیا تھا مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مکہ کی بات کو مدینہ میں رہ کر ظاہر کر دینا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر چھپی ہوئی باتیں ظاہر فرما دیتا ہے۔ جس شخص کا خدا کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہو اس کو نبیؐ ہونا ہی چاہیے۔

حق واضح ہو چکا تھا۔ عمیر کی طبیعت میں ضد اور ہٹ دھرمی نہ تھی فطرت کا غبار سحاب نبوت کے دو چار چھینٹوں میں دھل گیا فوراً اٹھے اسر پر جوش انداز میں اللہ کی ربوبیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے کر مسلمان ہو گئے قسمت کی خوبی اور بخت بیدار کی سازگاری دیکھئے کہ تلوار زہر میں بجھا کر اس نیت کے ساتھ کہ مکہ سے چلے تھے کہ (نعوذ باللہ) ابن عبداللہ کا خاتمہ کر دونگا۔ مگر یہاں آ کر دل کی دنیا ہی کچھ سے کچھ ہو گئی۔ زاویہ نگاہ ہی بدل گیا۔ ارادے کی بساط ہی الٹ گئی اللہ تعالیٰ کی ہدایت نے دستگیری فرمائی تو قاتل جان نثار غلام بن گیا۔

عمیر جب مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے تو کفار قریش کو شدہ شدہ ان کے ارادے کا علم ہوا۔ ایک نے دوسرے سے کہا دوسرے نے تیسرے سے کہا! مکہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی...... وہ لوگ اس امید میں تھے کہ عمیر مدینہ سے اپنے مقصد میں کامیاب واپس ہوگا مدینہ سے لوٹ کر فخریہ لہجہ میں وہ کہے گا میں اس طرح سے مدینہ پہنچا اور پھر کئی دن کی کوشش کے بعد محمد ابن عبداللہ ﷺ کی بزم میں باریابی ہوئی اس کے بعد میں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ محمد ﷺ کو قتل کر دیا ،میری تلوار کو سونگھ کر دیکھو بنو ہاشم کے خون کی بو آ رہی ہے۔ جب میں چلا ہوں تو مدینہ میں ماتم بپا تھا۔ خطاب کا بیٹا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر انسان بھی زنان یہود کی طرح پھوٹ پھوٹ

کر رو رہا تھا۔

مدینہ منورہ سے مکہ میں قافلے آتے جاتے رہتے تھے لوگ منتظر تھے کہ عمیر اپنے ارادے کو پورا کر کے نہ جانے کسی قافلہ کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یا تنہا لوٹتا ہے۔ مدینہ کی طرف سے کوئی شخص آتا تو کفار قریش اس سے پوچھتے کہ مدینہ کی کوئی نئی خبر تو سناؤ۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ کے قتل کی خبر چھپ نہیں سکتی مدینہ کے آس پاس کی آبادیوں میں بجلی کی طرح یہ خبر پہنچے گی۔

آنے والے کہتے کہ بھائیو! ہم نے تو کوئی بات نہیں سنی۔ بس سب سے زیادہ نئی اور تازہ بات یہی ہے مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اور وہ بیج جسے مکہ کی زمین میں جمنے نہ دیا گیا مدینہ میں برگ و بار لا رہا ہے۔

آخر اک دن مدینہ سے خبر آئی کہ مکہ والوں کے لئے انتہائی غمناک اور دل توڑ دینے والی خبر! کہنے والے نے کہا کہ ایہا القریش! عمیر تو یہاں سے جا کر مسلمان ہو گیا ہے۔ تم لوگ اخواہ مخواہ ہوائی قلعے اور خیالی قصر تیار کر رہے ہو۔ قریش اس خبر کو سن کر ہکا بکا رہ گئے جیسے ان کے جسموں میں لہو ایکا ایکی پانی بن گیا توقع کے خلاف جب کوئی بات ظہور میں آتی ہے تو آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کوئی بوڑھا شیخ قبیلہ تو اپنی داڑھی کو بار بار مٹھی میں پکڑتا اور چھوڑ دیتا جھنجلاہٹ نے تیوروں کو انتہائی روکھا بنا دیا تھا آج سے پہلے وہ عمیر کی شان میں قصیدے پڑھتے تھے کہ عمیر کا خاندان سدا سے بہادر اور غیرت مند رہا ہے۔ اس کے پڑدادا نے شام کی سرحد پر تن تنہا ڈاکوؤں کی ٹولی کا مقابلہ کیا اور ان کو نیچا دکھایا مگر اس خبر کو سنتے ہی عمیر کی تمام خوبیاں ان کی نگاہوں میں عیبوں اور برائیوں سے بدل گئیں۔ کل تک جس کی اچھائی اور بڑائی کے مناقب

بیان کئے جاتے تھے۔آج اس کے بارے میں کہا جانے لگا کہ……ابن عمیر کا خاندان قریش کے باعث ننگ ہے اس کے آباؤ اجداد لڑائیوں میں عورتوں کے کجاووں کے آڑ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ایسے بزدل خاندان کے آدمی سے بہادری اور جرات کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ یہ اوچھا آدمی کچھ کرے درے گا نہیں ہمارا خیال صحیح نکلا۔

☆ایک خونریز سازش☆

قریش کو ناکامیوں پر ناکامیاں ہو رہی تھیں مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آتے تھے، مدینہ سے جو خبریں ان کے پاس آئیں انہیں سن سن کر وہ آگ بگولا ہو ہو جاتے، جھنجلاتے، دانت پیستے، ہونٹ چباتے اور مسلمانوں کا گالیاں دیتے……کمینہ فطرت لوگوں سے جب کچھ بن نہیں آتا تو وہ اسی قسم کے اوچھے قسم کے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں۔

کفار قریش کو کسی طرح چین نہ اتا تھا وہ اسی دھیڑ پن میں لگے رہتے کہ حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو کس عنوان سے ستایا جائے، کبھی صحابہؓ میں پھوٹ ڈالنے کی تدبیر کرتے کبھی یہ اسکیم بناتے کہ کسی طرح حجاز کے قبیلوں میں بدظنی پھیلا کر اور بدویوں کو بھڑکا کر، مدینہ پر چڑھائی کروائیں۔مدینہ کے یہود اور منافقوں سے قریش مکہ ساز باز رکھتے تھے۔رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی نقل وحرکت کی اطلاعیں مکہ پہنچتی رہتیں۔

قریش عضل اور نارہ کے قبیلوں میں پہنچے اور ان کو دھمکی دی لالچ سے بھی پرچایا اور یہ بھی کہا کہ عبداللہ کے بیٹے نے نیا دین نکال کر ہمارے آبائی دین کو شدید خطرے میں ڈال دیا ہے۔عرب کی خاندانی عظمت خاک میں ملا دی ہے۔وہ مقدس بت جو صدیوں سے ہماری مدد کرتے آئے ہیں۔ان کی یہ مسلمان توہین کرتے ہیں۔اگر اس فتنہ کو نہ روکا گیا تو سارا عرب ایک دن محمد ﷺ کے قدموں پر ہوگا۔……اور جانتے ہو!اس وقت عرب کی کیا حالت ہوگی

؟ایک زبان سے بھی لات اور ہبل کی جے نہ نکلے گی۔ غریب اور فاقہ کش مسلمان شیوخ قریش کی برابری کریں گے۔ وہ شراب جس کے جام ہمارے اسلاف نے تلواروں کی چھاؤں میں پیئے ہیں اس کا پینا بند کر دیا جائے گا۔ تمام لذتیں، مسرتیں، تفرتحیں ختم، ہر لطف اور خوش فعلی غائب !بس صبح سے شام بلکہ رات تک نمازیں پڑھو، کھڑے رہو، جھکو اور خاک پر گر پڑو......اور وہ بھی ایک خیال اور ان دیکھی ہوئی طاقت کے سامنے۔

قریش کی باتوں کا ان لوگوں پر جادو چل گیا۔ ان دونوں قبیلوں کے سات آدمی مدینہ جانے کے لئے تیار ہو گئے سازش یہ تھی کہ بہانے سے حضرت محمد رسول اللہﷺ کے صحابہ کو یہ اپنے ساتھ لے کر آئیں اور پھر انہیں دھوکے سے قتل کر دیں۔ یہ اسکیم کامیاب ہو گئی۔ تو پھر اسی انداز پر سازشوں کی نوعیت بدل بدل کر صحابہ کو موت کے گھاٹ اتارتے رہیں گے۔ اس طرح ایک تو ان لوگوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دوسرے قبیلوں کے آدمی جب یہ خبر سنیں گے تو کہ عرب میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو مسلمانوں کو قتل کر دیا کرتی ہے تو پھر اسلام کی طرف اس کا میلان اور طبیعت کا جھکاؤ عملی صورت اختیار نہ کر سکے گا۔

قوم عضل اور نارہ کے یہ سات آدمی جن کو قریش کی سازش نے ابھار کر مدینہ بھیجا تھا، مدینہ پہنچے اور حضرت محمد رسول اللہﷺ کی خدمت حاضر ہوئے ان لوگوں نے مسکینوں جیسی صورت بنائی تھی جیسے یہ بڑے ہی سیدھے سادھے بھولے بھالے اور نیک صفت ہیں۔ اور اسلام کی کشش ان کو یہاں لے آئی ہے......ان لوگوں نے رسول اللہﷺ کی خدمت عرض کیا کہ ہمارے قبیلے اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں ہمارے ساتھ اپنے صحابہؓ سے کچھ ایسے اشخاص بھیج دیجئے جو اہل قبیلہ کو اسلام کی تعلیم دے سکیں۔ حضورﷺ نے دس صحابی ان کے ساتھ کر دیئے۔ عاصم بن ثابت، مبلغین اسلام کے اس مقدس گروہ کے سردار اور معلمین

کی اس جماعت کے امیر تھے۔ مدینہ سے یہ قافلہ مسرتوں کے جھرمٹ میں روانہ ہوا۔ صحابہ کرام کو خوشی اس بات کی تھی کہ ہم تبلیغ حق کی خدمت انجام دینے کے لئے جارہے ہیں۔ ناواقفوں کو اسلام کی حقیقت بتائیں گے، جواب تک اسلام نہیں لائے ہیں ان پر اسلام پیش کریں ہماری کوشش سے اگر چند آدمی بھی ہدایت پائے گئے تو ہمارے اعمالنامے اس نیکی کی بدولت بہت وزنی ہوجائینگے۔ قبول حق بہت بڑی سعادت اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے اس دنیا میں ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ جوسب بڑی بھلائی اور نیکی کرسکتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ اس کی سعی سے گمراہی ہدایت سے بدل جائے ......کوئی شک نہیں کہ بھوکے کا کھانا کھلانا، ننگے کا بدن ڈھانکنا اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچنا بھی انسانیت کی خدمت ہے مگر یہ بھلائی ان تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہے کہ کسی کی سعی واثر سے کوئی گمراہ ہدایت پاجائے۔

مدینہ سے چند منزل تک یہ لوگ بہت خاموش رہے جیسے یہ سچ مچ ہدایت کے لئے بیقرار ہیں۔ اوران کے دل پہلے کی طرح سیاہ اور سخت نہیں ہیں۔ مگر جب ان کی بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ توان کے دلوں کے چور ظاہر ہوگئے۔ منافقت بے نقاب ہوگئی اور خباثتیں اپنے اصلی رنگ میں سامنے آگئیں وہی تلواریں جوابھی تک نیام میں تھیں نیام سے باہر نکل آئیں۔ ان قبیلوں کے دوسو جوان صحابہ سے مقابل ہوئے انہیں گرفتار کرنا چاہا، صحابہ کرام دشمنوں کے اس خونخوار ہجوم کو دیکھ کر ذرا بھی نہ گھبرائے ان کے حوصلے بلند رہے ان کی ایمانی جرات نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ ان کے تیور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ ہم مسلمان ہیں ذلت کے ساتھ گرفتار نہیں ہوسکتے تم بہت سے بہت یہی کرسکتے ہو کہ ہمیں قتل کردو مگر ہماری جراتوں اور ایمانی قوتوں کو مغلوب نہیں کرسکتے جان بلا سے چلی جائے یہ تو ایک دن جانے کے لئے ہی آئی ہے۔ مگر ایمان پر آنچ نہ آئے؟

لڑائی شروع ہوگئی ادھر بہت سے تھے اور یہ کل دس آدمی دشمن اپنے وطن میں تھے اور یہ پر دیس میں تھے۔ وہ پہلے سے تیار تھے اور ان کو ایکا ایکی حملہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ صحابہ لڑتے اور خوب جم کر لڑتے، آٹھ شہید ہوئے اور باقی صحابی حضرت خبیبؓ اور حضرت زید کو کافروں نے گرفتار کرلیا۔

سفیان ہزلی اسی قبیلہ کا ایک فرد تھا وہ ان دونوں جان نثاروں کو مکہ لے گیا اور قریش کو مژدہ سنایا کہ سازش پوری کامیاب ہوئی، مسلمان اور خود ان رسول ﷺ ہمارے دام تزویر میں آگئے! مگر صاحبو! یہ مسلمان ہوتے بڑے بہادر ہیں۔ اور میں تو کہوں گا تھوڑے بیوقوف بھی! ہمارے نوجوانوں سے لڑنے کیلئے تیار ہوگئے بھلا مٹھی بھر آدمی سینکڑوں نوجوانوں کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے...... آٹھ کو ہم نے موت کے گھاٹ اتار دیا وہ "اللہ اللہ" پکارتے ہی رہے مگر ہم نے اپن تلواروں سے اور برچھیوں سے انہیں ہلاک کر دیا اور ایہا القریش ان کے ایثار ہمدردی اور جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے سامنے آ آ کر نیزے اور برچھی کے وار کو روکتا...... خیر قصہ مختصر یہ ہے کہ ان آٹھ کی تو لاشیں بھی مٹی میں مل گئی ہونگی۔ ان دو کو ہم گرفتار کر کے لے آئے ہیں۔

قریش کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں بہت دن کے بعد یہ ایک خوشخبری ان کے کانوں نے سنی تھی، قریش نے عضل اور نارہ قبیلوں کی بہادری کو سراہا کہ تم نے اہل عرب کی لاج رکھ لی، بس ایسے دو چار معرکے اور سر ہوگئے تو مسلمانوں کو ختم ہی سمجھو، کم سے کم یہ تو ضرور ہو جائے گا کہ اسلام کی ترقی رک جائے گی۔

سفیان ہزلی نے ان دو صحابہؓ کو قریش کے ہاتھ بیچ دیا، قریش نے خبیب اور زید کو ڈرایا اگر تم نے اسلام نہ چھوڑا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے بھائیوں اور دوستوں کا

ہوا ہے۔ دیکھو! ہم تمہارے فائدے کی بات کرتے ہیں۔ ہمارا کہا مانو، اپنی جانوں کو مصیبت اور ہلاکت میں نہ ڈالو، تمہاری زبانوں کی ایک جنبش میں بندھی ہوئی مشکیں کھل سکتی ہیں...... مگر خبیب اور زید کو جان جانے کا ڈر اور دولت عیش کا لالچ رام نہ کر سکا۔ اسلام کے نشہ کو کوئی ترش نہیں اتار سکتی۔

قریش نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی کے نیچے کھڑا کر کے کہا کہ اگر تم اسلام سے کنارہ کشی اختیار کر لو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یک زبان ہو کر کہا نادانو! جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو ہم اپنی جانیں بچا کر ان کا کیا کریں گے۔؟ قریش اس جواب کو سن کر ششدر رہ گئے ان کے وہم میں بھی نہ تھا اس دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو سچائی کی خاطر ہنسی خوشی جان دے سکتے ہیں۔ اور سولی کے نیچے کھڑے رہ کر بھی جن کا یقین متزلزل نہیں ہوتا۔

قریش کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس واقعہ سے ہدایت حاصل کرتا مگر وہ لوگ پتھر سے زیادہ سخت دل رکھتے تھے اور پتھروں سے تو کبھی کبھی چشمے بھی پھوٹ نکلتے ہیں لیکن ان کے قلوب میں نفوذ و اثر کی صلاحیت ہی نہ رہی تھی...... ایک ظالم نے خبیب کے سینہ میں خنجر چبھو دیا اور کہنے لگا کہ کہو! اب تو تم دل میں ضرور کہتے ہو گے کہ چھوٹ جاؤں اور محمد ﷺ میری جگہ کسی طرح آ جائیں، اس سوال پر خبیب کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ شیر کی طرح بپھر کو بولے:۔

میرے اس قول کا خدا گواہ ہے کہ مجھے تو یہ پسند نہیں کہ میری جان تو بچ جائے مگر محمد ﷺ کے پیر میں کانٹا بھی لگے۔

...... ظلم کے تیور پھر خشم آلود ہو گئے! شقاوت نے جھرجھری لی، دل کی سیاہی اور زیادہ پھیل گئی، دلیلوں کا کام سولی نوک سے کیا گیا، خبیب شہید کر دیئے گئے۔ مگر جان دیتے وقت ان

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے موت کا وہ خوشی کے ساتھ استقبال کر رہے ہیں۔ انہوں نے جان دیتے ہوئے فرمایا:۔

اے خدا! ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیئے اب تو اپنے رسول کو ہماری حالت اور کافروں کے کرتوتوں کی خبر کر دے۔ مظلومیت کی یہ موت اور سچائی کی اس شہادت نے درحقیقت کفار قریش کے پاپ کے گھڑے کو کنارے تک بھر دیا اور تاریخ اس دن کا انتظار کر رہی تھی کہ جب ظلم وستم کا یہ تار و پود بکھر جانے والا تھا۔

☆احد کا معرکہ☆

بدر میں کفار مکہ کی شکست کا حال سن کر مکہ میں صف ماتم بچھ گئی، مکہ والے اس امید میں تھے کہ ہماری ساز وسامان والی فوج کا وہ بے سروساماں مٹھی بھر آدمی کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ ایک ہی ریلے میں مسلمان سرمہ کی طرح پس جائیں گے۔ خالد اور ورقہ جیسے بہادروں کی تلواریں اپنے دشمنوں کے لہو میں تیرنے سے پہلے نیام میں آنا ہی نہیں جانتیں ان مسلمانوں کو شاید انصار کی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا ہے۔ مگر وہ بیچارے مدینہ کے ہلکے پھلکے لوگ جن کی پچھلی تاریخوں میں ایک صفحہ بھی خون سے رنگین نہیں ہے بھلا! ان قریشوں کا کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ جن کے کارنامے خونریز معرکوں کی یادگار ہیں مکہ کے وہ نادان قریش جو محمد ابن عبداللہ ﷺ کے رفیق اور ہمنوا بن گئے ہیں۔ وہ یقیناً بہادر اور ہم ہی میں سے ہیں۔ لیکن چند آدمی سینکڑوں کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکیں گے! یہ تو آدمی ہیں، ذروں کی کثرت دریا کو پاٹ دیا کرتی ہے۔ مگر خبر آئی کہ بدر میں قریش کی ذلت کی شکست اٹھانی پڑی، ان کے بہت سے بہادر جنگجو مارے گئے اور بہت سے مسلمانوں نے قید کر لئے، قریش نے بدر میں بہت کچھ جوانمردی کا ثبوت دیا، مسلمانوں کا جوش طوفان کا جوش تھا، چھوٹے نیزوں اور ٹوٹی ہوئی تلواروں نے قیامت بپا کر دی...... تو پھر

کفار مکہ نے انتقام کے لئے بڑے پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دیں۔ عورتوں نے مردوں کو غیرت دلائی کہ بدر کے بعد خاموشی کے ساتھ بیٹھ جانا بزدلی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ قریش کی عظمت کے صحیفے اس آسانی سے چاک نہیں ہو سکتے، شکست کا انتقام لیا جائے گا اور ضرور لیا جائے گا۔ شاعروں نے پر جوش رجز لکھے جن میں کہا گیا:۔

......قریش جب انتقام کے لئے نکلتے ہیں تو اسمان لرز جاتا ہے اور زمین کی طنابیں کانپنے لگتی ہیں دشمنان کے جذبہ انتقام کی تاب نہیں لا سکتا۔

......بیواؤں کے دھڑکتے ہوئے دل اور یتیموں کے جھلملاتے ہوئے آنسو تمہاری غیرت کے ہاتھ ''انتقام'' کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

......شکست کے بعد آرام سے بیٹھنا بزدلوں اور پست ہمت والوں کا کام ہے۔

اس انداز کے رجزیہ اشعار نے قریش میں انتقام کی آگ بھڑ کا دی تیاریاں ہونے لگیں۔ ساز و سامان درست کیا جانے لگا۔ کسی نے نیزے کی انی کو تیز کیا، کسی نے تلوار پر دھار رکھی، کوئی تیروں کے سوفار کو آب دینے لگا مسلمانوں سے شکست بدر کا بدلہ لینے کے لئے قریش کا لشکر روانہ ہوا ان میں جوان سال بہادر بھی تھے اور جہاندیدہ و تجربہ کار قریش بھی! عورتیں بھی ساتھ تھیں تا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو رجز پڑھ کر جوش اور غیرت دلائیں۔

ابوسفیان چلنے سے پہلے اپنے معبود اور حاجت روا ہبل کی بارگاہ میں حاضر ہوا قریش کے سب سے بڑے سردار نے پتھر کی بے جان مورتی کے سامنے سر جھکا دیا ڈاڑھی کے بال ہوا سے ہلنے لگے، تیروں کے ذریعہ پہلے فال دیکھی اور فال کے بعد پھر ہبل سے مدد طلب کی، لجاجت آمیز لہجے میں کہا......

''میرے حاجت روا! قریش کا سب سے بڑا شیخ تیری بارگاہ میں مدد طلب کرنے کیلئے

آیا ہے۔ ہم اپنے بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے جا رہے ہیں۔ ہماری مدد کی جائے! تیری عظمت کے فدائی اور تیرے نام کی جے پکارنے والے اب دوبارہ ذلت نہ دیکھنے پائیں۔ انہیں فتح اور سر بلندی نصیب ہو، ہم کامیاب واپس ہوں اور آج جن چہروں پر فکر وغم کے بادل چھائے ہوئے ہیں کل ان پر مسرت کی کرنیں جھم جھم کرتی نظر آئیں۔

غزوۂ احد، کفار مکہ کے اسی جنون انتقام کی صورت میں ظاہر ہوا، مسلمانوں کی فوج بھی پہنچ گئی ،دونوں طرف سے لڑائی کے لئے صف بندی ہوئی ،توحید پرست کوہ احد کے دامن میں صف آرا ہوئے اور بنجر زمین کے میدان میں کافروں نے پرے جمائے! رسول اللہ نے خود صفوں کو درست فرمایا مسلمان مجاہد خطوط مستقیم پر اللہ پر بھروسا کر کے کھڑے ہو گئے ان کو معلوم تھا کہ احد کی لڑائی جنگ بدر سے بہت زیادہ شدید ہوگی۔ کفار مکہ پورے ساز وسامان کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے ہیں ان کے انتقام کی آگ پوری قوت کے ساتھ بھڑک رہی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہیں اور ان کے ارادے پہاڑوں کی طرح مضبوط تھے ان کہ ہمتیں کہہ رہی تھیں کہ ذرا جنگ کا آغاز تو ہو، پھر کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا پرستوں سے لڑائی کرنا گویا موت سے کھیلنا ہے۔

عینین ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس میں ایک شگاف تھا، مسلمانوں کا لشکر اسی کے قریب صف آراء تھا یہی مقام کا زبردست مورچہ اور کمک بھیجنے کا مستقر تھا، خطرہ تھا کہ کافر اس راستہ سے آ کر بہت کچھ ابتری پھیلا سکتے ہیں۔ اس لئے حضور نبی کریم نے پچاس تیر اندازوں کو اس جگہ مقرر فرما کر حکم دیا کہ چاہے تم لوگوں کی جیت ہو یا ہار مگر اس سے ہرگز نہ ہلنا اس کی حفاظت کرتے رہنا، حضرت عبداللہ ابن جیر کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر اندازوں کی اس جمعیت کی کمان سپرد فرمائی۔

مسلمانوں کی فوج صفیں باندھے کھڑی تھی بس حضور کے حکم دینے کی دیر تھی، شوق شہادت اور جذبہ جہاد بے چین کیئے دیتا تھا۔ حضورؐ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی فوج کے سامنے بڑھنے والے دستہ پر متعین فرمایا۔ ہراول کا انتظام درست ہو گیا تو حضورﷺ نے فوج کے دائیں اور بائیں بازو کی طرف توجہ فرمائی عکاشہ بن محسن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ کو ان دونوں حصوں کی کمان تفویض ہوئی۔

کفار قریش نے بھی صفوں کو درست کیا ان کے میمنہ کا کمانڈر خالد بن ولید بنا، میسرہ کی امارت عکرمہ ابن ابو جہل کو ملی اور قلب فوج میں ابو سفیان کو متعین کیا گیا۔

جنگ کا آغاز ہوا، دونوں طرف کے بہادر جوہر شجاعت دکھانے لگے۔ تلواروں کی جھنکار سے پہاڑیاں گونجنے لگیں ایک طرف لات وہبل کی جے پکاری جا رہی تھی اور دوسری طرف شور تکبیر بلند تھا۔ حضور نے ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی تلوار عطاء فرمائی ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت دلیر حوصلہ مند اور شجاع تھے۔ شمشیر نبویؐ لے کر جب لشکر کفار کی طرف چلے تو ان کی چال میں تبختر پیدا ہو گیا حضور نے فرمایا کہ "اس حال کو خدا دشمن رکھتا ہے مگر اس موقعہ پر معیوب نہیں" کافروں کی صف سے نکل کر ایک سپاہی ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آیا ،وہ اپنی تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا سر اڑا دیا ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفیں چیرتے ہوئے بڑھتے ہی چلے گئے۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ دوسری خاتونان قریش کے ساتھ اپنے سپاہیوں کو غیرت دلانے ،ابھارنے کے لئے رجز پڑھ رہی تھی، یہ شعر جوش انتقام سے لبریز تھے، ہر شعر جوانان مکہ کے حوصلوں کو بڑھاتا جس سے ان کا جذبہ انتقام اور تیز ہو جاتا، ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داد شجاعت دیتے ہوئے ہندہ کے پاس پہنچ گئے اور

اسے قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی قریب تھا کہ ہندہ کی لاش میدان میں تڑپتی نظر آئے لیکن پھر خیال آیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تلوار عورت کے خون میں آلود کرنا مناسب نہیں اس خیال کے آتے ہی اٹھا ہوا ہاتھ رک گیا اور ابوسفیان کی بیوی کی جان بچ گئی!

کمانوں سے تیر چھٹنے لگے، نیزے ہلے، تلواریں جنبش میں آگئیں۔ کافروں نے بھی آج مرنے مارنے کا تہیہ کرلیا تھا، بڑی پامردی سے لڑے، ایک گرتا تو دوسرا اس کی جگہ آ کھڑا ہوتا مگر مسلمانوں کے طوفانی حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ ان کے پیر اکھڑ گئے آگے بڑھنے والے پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ بہادر جو فتح یا موت کا عزم لے کر آئے تھے بھاگ کھڑے ہوئے جان ہر کسی کو پیاری ہوتی ہے۔ کافروں کو اس طرح بھاگتا دیکھ کر وہ تیر انداز جن کو رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں پہاڑی کے شگاف پر متعین فرمایا تھا، غنیمت کا مال لوٹنے لگے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ ہماری جیت ہوگئی، کافر ہار گئے اور شکست کے بعد لڑائی ختم ہوجایا کرتی ہے۔ بھاگنے والے اب کیا لڑیں گے۔ بدر میں جب ان کو شکست ہوئی تھی تو پھر ایک سپاہی نے بھی الٹ کر سانس نہ لی تھی...... مگر ان کا خیال غلط نکلا، رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا تھا کہ کسی حالت میں اس مقام کو نہ چھوڑنا۔ نیک نیتی کے باوجود اس کے خلاف ہوجانے میں حالات کا پانسہ پلٹ گیا، جنگ کا نقشہ ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔

یہ نازل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر چاروں طرف پھیل گئی اس نے مسلمانوں کی رہی سہی ہمت توڑ دی۔

وحشی مکہ کا ایک غلام تھا وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی زد میں آئے تو اس نے برچھ پھینک کر مارا۔ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس برچھے کے کاری زخم کی تاب نہ لا سکے، اللہ کا نام لے کر دم توڑ دیا۔ وحشی نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور خوشی خوشی ہندہ کے پاس لے کر گیا وحشی نے ہندہ سے کہا

”جانتی ہے یہ میں کیا لایا ہوں! یہ کلیجہ ہے اس شخص کا جس نے تیرے باپ کو لڑائی میں قتل کیا تھا“

ہندہ نے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلیجہ کو لے کر چبایا...... ایسا شدید انتقام دنیا میں کسی نے کاہے کو لیا ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو بڑی مشکل سے تلاش کیا لاش کا بند بند جدا تھا حضور ﷺ کو یہ غمناک خبر ملی تو بہت متاثر ہوئے حمزہ کی بہن صفیہؓ بھی بھائی کے اس قدر بے دردی کے ساتھ قتل کیے جانے کی اطلاع پر رونے لگیں۔ سیدہ فاطمہؓ کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ آبدیدہ ہو گئے

مشرکین موقعہ کی نزاکت سے پورا فائدہ اٹھا رہے تھے ان کا حملہ اور پرشور ہوتا جا رہا تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی فوج میں ابتری پھیل گئی ہے مسلمان بدحواس اور پراگندہ ہیں ایسے میں بڑھتے اور حملے کرتے ہی چلے جانا چاہیے یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک ایک سپاہی خاک پر ڈھیر ہو کر گر پڑے...... یا پھر یہ لوگ ہار مان لیں بدر کا انتقام اسی طرح پورا ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ چند سرفروش صحابہؓ کے جھرمٹ میں ایستادہ تھے، چاروں طرف سے تیروں

کی بے پناہ بارش ہو رہی تھی، جان نثاران نبیؐ میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن جس عزم ثبات، بے نظیر شجاعت بے خوفی اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا وہ اسلامی تاریخ میں ضرب المثل واقعہ بن گیا ہے۔

حضرت حنظلہؓ ایک جوشیلے نوجوان تھے اتفاق کی بات کہ ان کی شادی اسی رات کو ہوئی جس دن یہ حادثہ پیش آیا، صبح کا وقت تھا وہ ابھی اپنا سر ہی دھو رہے تھے کہ کان میں آواز آئی کہ احد میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مشکل میں گھرے ہوئے ہیں اسی حالت میں تلوار گلے میں حمائل کی اور احد میں پہنچ کر کافروں کی صف پر ٹوٹ پڑے، اس قدر بے باکی کے ساتھ تلوار چلائی کہ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ذرا سی دیر میں کتنے ہی کافروں کو جہنم کا راستہ دکھا دیا یہ اکیلے تھے ادھر غول کا غول تھا تیروں نیزوں اور تلواروں نے ان کے بدن کو زخموں سے لالہ زار بنا دیا زمین پر تیورا کر گرے اور اللہ کے راستہ میں جان دے دی...... شہیدوں کی لاشوں کی تلاش ہوئی تو حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پانی میں بھیگی ہوئی دیکھی گئی جیسے ان کی لاش کو باقاعدہ غسل دیا گیا ہے ایک رات کا دولہا اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر عروس شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔

جحش کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر بے جگری سے لڑے کی تیغ زنی کرتے کرتے تلوار ٹوٹ گئی رسول اللہ کی نگاہ پڑی تو حضور ﷺ نے ان کو کھجور کی ڈالی عطا فرما دی اس ڈالی نے تلوار کا کام کیا۔ اور عبداللہ بن جحش رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ڈالی لے کر کافروں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خوب خوب شجاعت کے جوہر دکھائے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ہی چابک دست تیر انداز تھے تمام مدینہ میں ان کی تیر اندازی کا شہرہ تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خاطر اپنے سینہ کو سپر کر دیا کوئی تیر اونچا آتا تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے کہ رسول اللہ

ﷺ کی طرف آنے والا تیران کے سینے اور گلے میں پیوست نہ ہو جائے، مگر اس ذات گرامی کو صدمہ نہ پہنچے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن کافروں پر اس قدر تابڑ توڑ تیر برسائے کہ تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔

ان جاں نثاروں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کے ہاتھ میں کمان تھی اور کافروں کو بے تحاشا تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیر اندازی کو دیکھ کر آقائے دو عالم محبت اور حوصلہ افزائی کے لہجہ میں فرماتے

''سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ قربان''۔

رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے یہ مقدس اور محبت آمیز الفاظ سعدؓ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں سنے گئے۔

☆ نازک ساعت ☆

مجاہد تیر اندازوں کی بھول چوک نے لڑائی کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ مسلمانوں کے انتشار کو دیکھ کر کافر آگے بڑھتے چلے آرہے تھے ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب زیادہ دیر تک جم نہیں سکتے ،احد کی جنگ ہی سے قریش کی تاریخ کا رخ بدل جائے گا۔ آج کا معرکہ سر ہو گیا تو یوں سمجھو کہ مسلمانوں کا سارا زور ہی ٹوٹ گیا، ہم تو بدر میں شکست کی مصیبت جھیل گئے تھے مگر یہ لوگ ایک ہی پسپائی میں جی چھوڑ دیں گے، جو مسلمان مدینہ میں رہ گئے ہیں ان پر یہاں سے نبٹ کر حملہ کریں گے اور اس طرح پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کا نام ونشان جہان سے مٹا دیں گے۔ بس وقت قریب ہے کہ سع کی پہاڑیاں تکبیروں کی گونج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گی۔

ابن قیمہ قریش کے لشکر میں پیش پیش تھا اس نے حضور نبی کریم ﷺ پر پتھروں کا مینہ

برسادیا، سورج کی آنکھ یہ دردانگیز اور دل ہلادینے والا منظر دیکھ کر لہو ٹپکا رہی تھی...... کہ وہ جس نے دنیا والوں پر رحمتوں کے پھول برسائے خود اس پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ سنگ باری کے اثر سے عارض اقدس لہو سے گلگوں ہو گئے پھر اس نابکار نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ ایک تو تلوار کی جھوک پھر حضورﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے اس کا بار بھی اس موقعہ پر گراں ثابت ہوا حضورﷺ غار میں گر پڑے، ابن قمیہ سمجھا کہ مدت کی تمنا بر آئی جوش مسرت سے بے اختیار پکار اٹھا کہ ''محمدﷺ مارے گے...... اور یہ صدا کافروں کے لشکر میں پھلتی چلی گئی، ستم گاروں کے چہرے خوشی کے مارے تمتمانے لگے، لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، فرط مسرت سے ان کے دل بلیوں اچھل رہے تھے کہ مکہ میں جب یہ خبر پہنچے گی تو ہمارے کارناموں کی دھوم مچ جائے گی۔ لغز گفتار شاعر ہماری مدح میں قصیدے کہیں گے اور عکاظ اور ذوالجنہ کے بازاروں میں ہمارے نام کے نشان نصب کئے جائیں گے۔

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے جسم مبارک سے خود کی کڑیاں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں جس کے اثر سے دانت ٹوٹ گئے۔ ابوعبیدہ احتیاط برت رہے تھے کہ رحمۃ اللعالمین کے مقدس لہو سے کہیں زمین لالہ زار نہ بن جائے ورنہ کیا عجب ہے کہ اللہ کا عذاب نازل ہو کر زمین سے روئیدگی کی قابلیت سلب کر لے۔

رسول اللہﷺ کے زخموں سے لہو بہہ رہا تھا اور کافر فتح کے نعرے لگا رہے تھے مسلمان تتر بتر تھے بڑی ہی سخت گھڑی اور انتہائی نازک مرحلہ تھا اسی عالم میں حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے کر آئے انہوں نے پانی ڈالا اور سیدہ فاطمہؓ نے مظلوم و مقدس باپ کے زخموں کو دھویا۔

زخموں کے سبب حضور نڈھال ہو گئے مگر اسی عالم میں اپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی، مظلومیت

کے ان سجدوں پر خود نماز ناز کر رہی تھی...... کافروں کے یہاں فتح کے شادیانے بج رہے تھے ۔ابوسفیان نے بڑے بڑے صحابہؓ کا نام لے کر پکارا۔رسول اللہ ﷺ کا اشارہ پا کر مسلمانوں کی طرف سے ابوسفیان کی پر جوش استفسار کوئی جواب نہیں دیا گیا۔پھر ابوسفیان نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا ...... بھائیو! خوشی مناؤ یہ سب لوگ قتل ہو گئے اگر وہ زندہ ہوتے میری بات کا جواب ضرور دیتے ابوسفیان کی اس طنز اور تمسخر آمیز اعلان پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہ نہ گیا دامن ضبط کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہو گئی۔وہ پکارے

''او خدا کے دشمن! جن جن کو تو نے نام لے کر پکارا ہے وہ سب زندہ ہیں۔

اس پر ابوسفیان کو بھی جوش آ گیا، کفر کی جھنجلاہٹ بتوں کی جے بن کر گویا ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جواب میں تم بھی اللہ اعلٰہ واجل'' کہو! ربیع انصاری کے بیٹے سعید بھی اس غزوے میں شریک تھے وہ نظر نہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو سعید بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر لے کر آئے حضور ﷺ کا حکم سن کر ایک انصاری فوراً چل پڑا میدان میں شہیدوں کے لاشے بکھرے پڑے تھے لہو نے ریتلی زمین کو لالہ زار بنا دیا تھا بڑی جستجو کے بعد حضرت ربیع کا پتہ چلا...... انصاری نے دیکھا کہ لاشوں کے جھرمٹ سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خاک وخون لوٹ رہے ہیں......

رسول اللہ ﷺ نے تم کو سلام کہا ہے...... ڈھونڈنے والے نے کہا

...... مجھ جاں نثار غلام کا سلام بھی حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا...... ربیع نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر کے لئے رک گئے نزع کے عالم میں نقاہت کا غلبہ بھی ہو جایا کرتا ہے۔ شدت درد چھپانے کے لئے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا اور بڑی مشکل سے بات پوری کی بولے:۔

......میرے ساتھیوں اور دوستوں سے ایک ایک کر کے کہنا کہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کوتاہی نہ ہونے پائے اطاعت رسول اللہ ﷺ میں کمی کی تو پھر خدا کے یہاں تمہاری کوئی معذرت قبول نہ ہوگی۔

یہ باتیں جوش میں آکر کہنے کو تو کہہ دیں مگر شہ رگ سے لہو کی آخری بوندیں ٹپک پڑیں......گرم خون جس کے ہر قطرے میں خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت جھل رہی تھی......اور محمد رسول اللہ ﷺ کا جاں نثار غلام ہمیشہ کے لئے چین کی نیند سو گیا چہرے پر سپیدی پھر گئی اور دم کے دم میں جسم اور روح ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

انصاری نے واپس آکر تمام واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت عرض کیا تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا......"اے اللہ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو جا!"......سعد خوش نصیب اور سعادت مند سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے مرتے حضور ﷺ کی دعاؤں کے سدا بہار پھول اپنے ساتھ لیتا گیا اللہ کی رضا مندی اس کے لئے مقدر ہو گئی۔

☆احد کے بعد☆

مدینہ میں اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو مسلمانوں کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا لوگ حسرت وناامیدی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے، ایک خاتون بھی اس غمناک خبر کی اطلاع پا کر گھر سے احد کی کی طرف روانہ ہوگئی

......تیرا باپ مر گیا......ایک شخص نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا مگر عورت بڑھتی چلی گئی ......تیرا خاوند مر گیا؟ لیکن عورت کی رفتار میں ذرا سی بھی سستی اور گرانی پیدا نہیں ہوئی، پھر اس سے کہا گیا کہ تیرا بیٹا بھی کلیجہ پر برچھی کھا کر موت کا نشانہ بن گیا۔

مگر خدا کے بندے! یہ تو بتا! کہ رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں؟ میرے کانوں نے بڑی

دردانگیز خبر سنی ہے میرے منہ میں خاک...... دل اس خبر کی تاب نہیں لا سکتا...... خاتون نے رک رک کر دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ تو زندہ ہیں...... مگر...... کہنے والے کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ عورت جھٹ سے بول اٹھی۔

جب سرکار زندہ ہیں تو کسی عزیز کے مرنے سے غمگین نہیں ہوسکتی محمد رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔ احد سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کی خبر ملی تو مدینہ کے لوگ آپ کے خیر مقدم کے لئے بستی سے باہر نکل آئے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمسن اور معصوم بیٹی فاطمہؓ بھی راستہ میں کھڑی ہوگئی استقبال کے بعد لوگ لوٹے تو فاطمہؓ نے دیکھا کہ ان لوگوں میں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہرہ نظر نہیں آیا، آخر کیا بات ہے؟ وہ کیوں نہیں آئے ان کو تو رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں واپس ہونا تھا، معصوم بچی کا دل دھڑکنے لگا، غیر محسوس طور پر گرد یتیمی اس کے چہرے کو چھونے لگی دل میں سو سو طرح کے وہم آتے تھے اور وہموں کا پیدا ہونا فطری بات تھی جنگ سے کسی آدمی کا نہ لوٹنا ہر اندوہناک سے اندوہناک حادثہ کا سبب ہوسکتا ہے۔

راستہ میں حضرت ابوبکرؓ ملے فاطمہؓ نے دریافت کیا:۔

...... میرے باپ کہاں ہیں ابوبکرؓ نے رکتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا:۔

...... پیچھے خود رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں ان سے تم اپنے باپ کا حال پوچھنا۔

تھوڑی دیر میں حضور ﷺ گھوڑے پر سوار آتے ہوئے نظر آئے، حمزہؓ کی بیٹی فاطمہؓ نے سواری کے آنے کا انتظار نہ کیا تیزی کے ساتھ آگے بڑھی اور رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے کی لگام مٹھی میں پکڑ کر بولی:۔

یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟

پیارے چچا حمزہؓ کی دردانگیز شہادت سے خود حضورﷺ بہت زیادہ متاثر تھے، یتیم بچی کے اس سوال نے چچا کی شہادت کے زخم کو اور ہرا کر دیا حضور نے فرمایا:۔

...... تیرا باپ میں ہوں!

حضور نے ان لفظوں میں لڑکی کو تسلی بھی دے دی اور انتہائی بلیغ اور نازک پیرایہ میں واقعہ کا اظہار بھی فرما دیا، حضورﷺ کھل کر سیدنا حمزہؓ کی بیدردی سے قتل کے جانے کیفیت بیان فرماتے تو معصوم بچی کے دل پر نہ جانے کیا گزرتی ...... سیدالشہداء حمزہؓ کی یتیم بچی رسول اللہ کا ارشاد سن کر بے اختیار بول اٹھی:۔

...... اس جواب سے مجھے خون کی بو آتی ہے۔

☆غزوہ خندق☆

کفار قریش کی غزوہ احد کے بعد اور ہمتیں بڑھ گئیں۔ انہوں نے مکہ جا کر بڑے فخر اور غرور کے لہجہ میں کہا کہ احد میں بدر کی شکست کا ہم نے ایک حد تک بدلہ لے لیا، حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسے نامور بہادر کو خاک وخون میں ملا دیا، خود محمد ابن عبداللہﷺ ہمارے چنگل میں آگئے تھے، ابن قمیہ کا ہاتھ ذرا اور کس کر پڑ جاتا تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، قسمت اچھی تھی جو محمدﷺ بچ گئے مگر ان کے زخم ...... پتھروں نے ابن عبداللہ کے چہرے کو لہولہان کر دیا تھا مگر صاحبو! ان کے صحابیؓ بھی جان نثاری میں جواب نہیں رکھتے، ہم محمدﷺ کی طرف تیر پھینکتے تو ایک انصاری محمدﷺ کے بچانے کے لئے تیر کو اپنے سینے پر روک لیتا...... اور ایسا لاخوان! مسلمان عورتوں تک نے اس لڑائی میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا تیر برس رہے تھے تلواریں خچاخچ چل رہی تھیں اور یہ عورتیں مشکیزے بھر بھر کے اپنی پیٹھوں پر لاد کر لے جاتیں پیاسے سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کرتیں اسی انداز کی ایک آدھ لڑائی اور ہو گئی

تو مسلمان کی ترکی تمام سمجھو ہم قریش دشمن کا قلع قمع کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے، یہ ہماری خاندانی عزت کا معاملہ ہے۔ ہم تھک کر بیٹھ گئے تو دنیا کیا کہے گی۔ یہی کہ قصٰی جیسے نامور سردار کی اولاد نے ہار مان لی، ہماری تمام پچھلی تاریخ شجاعت پر پانی پھر جائے گا۔ ہم ایسا نہ ہونے دیں گے۔

غزوۂ خندق اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ فارسی کے مشورے سے خندق کھودنے کا حکم دیا، صحابہ نے خندق کھودنی شروع کی اور خود رسول اللہ ﷺ بھی اس میں شریک ہو گئے ...... چشم آفتاب نے ایسا منظر کاہے کو دیکھا ہوگا کہ اقلیم ہدایت وسعادت کا شہنشاہ مزدور کی طرح زمین کھود رہا اور مٹی ڈھو رہا تھا...... کہاں ہیں مزدوروں اور کسانوں کے وہ جھوٹے غم خوار اور بناوٹی دردمند جو صوفوں اور قالینوں پر بیٹھ کر مزدوروں کے فلاح و بہبود کی اسکیمیں تیار کیا کرتے ہیں۔ ان عیش پسندوں کو مزدور کے دکھ درد کی کیا خبر! مزدور کیا ہوتا ہے اور مزدور پر کیا گزرتی ہے۔ اس کی کیفیت غزوۂ خندق کے اس مقدس مزدور سے پوچھو، جس نے ارشاد فرمایا:۔

''مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری چکا دو؟

خندق کھودنے میں ایک بھاری پتھر آ گیا صحابہؓ نے لاکھ کوشش کی مگر وہ پتھر ٹس سے مس نہ ہوا حضرت سلمانؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں اس واقعہ کی اطلاع دی حضور ﷺ نے کدال کی ضرب جو اس پتھر پر لگائی تو ایک ہی ضرب میں وہ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پتھر سے روشنی نمودار ہوئی اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مصر ایران اور شام کی سرحدیں صاف نظر آ رہی ہیں...... تاریخ اپنے کو دہرا کر ماضی کو حال بنا دیا کرتی ہے۔ اور یہاں حال آئینہ میں مستقبل جھلک رہا تھا، یہ فیضان نبوت تھا ان بھیدوں کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا، یہ کیفیتیں ہر کس

وناکس کے قلب پر وارد نہیں ہوا کرتی...... یہ قدرت کی دین اور اللہ کا فضل ہے...... تجربہ ومشاہدہ کرنے والا دماغ اور محسوسات سے نتیجہ اخذ کرنے والی عقل کہے گی کہ اس کے لئے دلیل لاؤ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ انسانوں کے حالات اور کیفیات میں اتنا غیر معمولی فرق نہیں ہوا کرتا، ہم کہتے ہمیں کہ "اس تفاوت" کے لئے دلیلوں کی بھی کوئی کمی نہیں...... نہیں دیکھتے ہو کہ ایک ہی باغ کی ایک کیاری میں گلاب اور دھتورے کے دو پودے پیدا ہوتے ہیں کوئلے اور ہیرے کے کیمیاوی عناصر میں کوئی فرق نہیں ہوتا، لیکن ایک چولہے میں جلایا جاتا۔ اور ایک بادشاہوں کے تاجوں کی زینت بنتا ہے۔ انبیاء کرام کو عام آدمیوں پر قیاس نہ کرو۔

غزوۂ خندق میں کفار قریش کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی تدبیریں کچھ کام نہ آسکیں ،کافروں کا خیال غلط نکلا کہ احد کی جنگ کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں پست نہیں تو سراسیمہ اور متو حش ضرور ہوگئی ہوگی۔ مگر انہوں نے محسوس کیا بلکہ آزما کر دیکھ لیا کہ مسلمان پہلے سے اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوگئے ہیں۔ ہر ٹکراؤ اور تصادم کے بعد اسلام کا نشہ کم نہیں بلکہ اور تیز ہو جاتا ہے۔

☆حج کے لئے☆

سب جانتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج اسلام کے بنیادی اہم ترین فرائض میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور ان کا تارک اللہ کا بہت بڑا نافرمان ہے۔ اور ان فرائض کے مسلسل ترک کرنے سے ایمان کچھ یوں ہی سا باقی رہ جاتا ہے۔ ان میں سے جس شخص کے دل میں خدا کا خوف، رسول کی محبت اور دین سے لگاؤ ہوگا وہ ان بنیادی فرائض سے اعراض برت ہی نہیں سکتا، بھول چوک کی اور بات ہے۔

حج کا زمانہ قریب آیا تو حضور ﷺ نے بھی چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ فریضہ حج کے ادا کرنے

کی نیت سے مکہ مکرمہ کی جانب کوچ فرمایا، کفار قریش کی کینہ سازیاں اور مسلمان دشمنی پیش نظر تھی کہ یہ بدنصیب ہر آن خدا پرستوں سے ٹکراؤ کے لئے بہانے ڈھونڈرتے رہتے ہیں۔ جس کے دل میں کھوٹ ہوتی ہے وہ دوسرے کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھتا ہے۔......اس خیال سے قربانی کے اونٹ مسلمانوں نے اپنے ساتھ لے لئے اور حج کا لباس (احرام) بھی ساتھ لے لئے تاکہ قریش کو کہیں یہ دھوکا نہ ہوجائے کہ پیغمبر اسلام حملہ کرنے کے لئے مکہ آرہے ہیں ......حکم دیا گیا کہ جو مسلمان حج کرنے کے لئے چل رہے ہیں وہ اپنے ساتھ بس تلوار تو رکھ سکتے ہیں مگر کوئی اور ہتھیار نہیں لے جاسکتے اور تلواریں بھی کھلی ہوئی نہ رہیں ان کو نیام میں رہنا چاہیے۔

یہ حجاج کا قافلہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ اس کے امیر اور سالار تھے، مقصد صرف فریضہ حج کی ادائیگی تھی، قربانی کے اونٹوں کی قطاریں جسموں پر جامہ حرام اور لبوں پر ''لبیک اللھم لبیک'' کے دلنواز زمرے! بس تلواریں ہمراہ تھیں اور اس زمانہ میں پانی کے برتنوں، کھجور اور ستو کے تھیلوں اور سایہ کے لئے چادروں اور خیموں کی طرح تلوار کا رکھنا بھی ضروری تھا......کوئی عرب کسی عزیز و قریب کی موت کا پرسا دینے کے لئے بھی کہیں جاتا تو تلوار ضرور ساتھ ہوتی۔

مدینہ سے چند منزلوں کے بعد ذوالحلفیہ نامی ایک مقام آیا، جہاں اس مبارک قافلہ نے پڑاؤ ڈال دیا، حج کے ابتدائی مناسک کا یہاں سے آغاز ہوگیا، مکہ سے ہجرت کے بعد حضور ﷺ کا یہ پہلا حج تھا، احتیاط کے مدنظر قافلہ حجاج میں سے ایک آدمی کو آگے روانہ کردیا گیا کہ قریش کے حالات اور ارادوں کا اتا پتا لگائے، ذوالجنہ سے چل کر عسفان پر جب توحید پرستوں کا یہ قافلہ پہنچا تو پیغامبر کی زبانی معلوم ہوا کہ قریش تو اس خبر کو سن کر آگ بگولا ہوگئے۔ ان کے نوجوان کہنے لگے کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کی اب یہ جرات ہوگئی ہے کہ وہ مکہ میں حج

کرنے کے لئے مدینہ سے چل پڑے کیا وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی بندوں کو اسلام کی رغبت دلا کر پھر ہم سے اور ہمارے آبائی دین سے منحرف کر دیں۔ ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ ابن عبداللہ اور اس کے ساتھی حج کر کے خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں گے اور ان کی تلوار بھی یہاں نیام سے باہر نہ آئے گی...... مگر صاحب! ان کا یہ خاموش آنا بھی کیا کم قیامتیں ڈھائے گا۔ مکہ کے قیام کے زمانہ میں محمد ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ اچھے خاصے ہوش مند لوگ مسلمان ہو گئے ان لوگوں کی تو خاموشی بھی بولتی ہوئی تبلیغ ہے۔

ہم مدینہ کے اس قافلے کا یہاں آنا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے چاہے حرم کو خون سے رنگین ہی کیوں نہ ہونا پڑے، گھر پر تو ذرا سی چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ اور ہم تو صنادید قریش کی اولاد ہیں۔...... بھلا گھر پر اس ذلت کو قبول کر لیں۔ یہ تو اک طرح کی ہماری شکست ہوئی۔ مدینہ پہنچ کر بھی محمد ﷺ اور ان کے ساتھی مکہ کا خیال نہیں چھوڑتے، جو تلواریں بدر اور احد میں چمک چکی ہیں کیا مکہ میں نیاموں ہی میں لپٹی رہیں گی۔

کفار قریش جو مدینہ پر چڑھ چڑھ کر گئے تھے مکہ سے چند منزل دور مسلمانوں کے آجانے کی اطلاع پر کر بھلا کس طرح خاموش بیٹھے رہتے، ان میں انتقام و عداوت کی ایک لہر دوڑ گئی، تیاریاں شروع ہوئیں۔ عکاظ اور منیٰ کے میلوں میں جانے کے لئے نہیں...... حضرت محمد ﷺ اور آپ کے سرفروش صحابہؓ سے جنگ کرنے کی غرض سے! خالد بن ولید کی قسمت کا ستارہ ابھی تک کفر کی؟ ظلمت میں چھپا تھا۔ ان کی سرکردگی میں دو سو بہادر اور آزمودہ کار قریش عسفان کی طرف چل پڑے...... یہ مقدمتہ الجیش تھا، اصل فوج تو پیچھے آ رہی تھی، کفار قریش کے تیوروں سے عتاب و خفگی کے شرارے نکل رہے تھے مگر قدرت مسکرا رہی تھی کہ نادانو! تمہارا کمانڈر (خالد) جس کی تلوار آج کفر کی حمایت میں بے نیام ہے ایک دن

ایسا آئے گا کہ یہ تلوار اسلام کی حمایت کا حق ادا کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں کی اطلاعیں ملتی رہتی تھیں اور قریش کے بھی آدمی لگے ہوئے تھے جو یہاں کی اطلاعیں ان کو جا کر دیتے۔ قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بات چیت کے لئے بھیجا، عروہ نے صلح کے مسئلہ پر حضور ﷺ سے گفت و شنید کی اور یہاں سے واپس ہو کر کفار قریش سے بولا بھائیو! امیروں اور رئیسوں کا ذکر ہی کیا ہے میں نے نجاشی کی بزم شاہانہ اور قیصر و کسریٰ کے دربار خسروی کا طمطراق بھی دیکھا ہے۔ محمد ابن عبداللہ ﷺ کے ساتھی ان سے جس درجہ عقیدت اور وابستگی رکھتے ہیں اور جو جاہ و قدر میں نے وہاں دیکھا وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

عروہ سے گفت و شنید تو ہوئی مگر کوئی بات پورے طور طے نہ ہو سکی۔ اس لئے حضور ﷺ نے حراش بن امیہ کو قریش سے اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے روانہ کیا...... مگر قریش بدعہد اور کم ظرف نکلے اور معاہدہ شکن بھی! سفیروں اور ایلچیوں کا اس دور جاہلیت میں بھی احترام کیا جاتا تھا لیکن یہ لات و ہبل کے بچاری تھے...... خدا ناشناس، نامنصف، ظالم، اور چچھورے بھی...... انہوں نے پہلے تو سفیر نبوت کے حواری کے اونٹ کو ہلاک کر دیا پھر خود ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہتے تھے وہ تو کچھ قبیلوں کے لوگوں نے بیچ میں آ کر بلکہ مزاحم ہو کر انہیں بچا لیا ورنہ ان کی جان جانے میں کوئی کسر نہ رہی تھی

ابھی گفت شنید کا سلسلا ختم نہ ہوا تھا مگر قریش سے ضبط نہ ہو سکا کہ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ مسلمانوں کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے مکہ سے روانہ کر دیا۔ مسلمان بھی غافل نہ تھے وہ جانتے تھے کہ قریش چھیڑ چھاڑ سے باز آنے والے نہیں وہ کسی نہ کسی عنوان سے اقدام ضرور کریں گے۔ مسلمان سپاہیوں نے حملہ آور قریش کو چھاپہ مارنے کا موقعہ اور قتل و غارت

گری کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا، کفار قریش مزاحمت کے لئے تل گئے تھے مگر انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تلوار کا جواب تلوار سے دیں گے۔ برابر ٹکر ہوگی حالت نازک ہیں زیادہ شیخی اور اکڑ دکھائی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ نجات اسی میں ہے کہ خاموشی کے ساتھ اپنے کو ان کے حوالے کر دو...... سانپ ہر جگہ ٹیڈھا چلتا ہے مگر !بل اپر اسے سیدھا چلنا پڑتا ہے۔ ہر جگہ سختی اچھی نہیں مصلحت دیکھ کر کہیں کہیں آدمی کو نرم بھی بننا پڑتا ہے۔

قریش کے اس دستہ کو گرفتار کر کے صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت لائے کفار سمجھ رہے تھے کہ آج جان کی خیر نہیں، یہیں جنگل میں ان کی گردنیں اڑا دی جائیں گی، حملہ آور دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔...... مگر رحمت عالم نے ان کو معاف کر دیا بلکہ رہا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ تو حج کی نیت سے آئے تھے چھیڑ چھاڑ لڑائی اور کسی قسم کا ٹکراؤ ان کا مقصد ہی نہ تھا۔ وہ صلح اور امن چاہتے تھے اور اسی کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کو قریش سے صلح کی بات چیت کرنے کے لئے مکہ روانہ کیا۔ سعید کے بیٹے امان مکہ میں تھے، حضرت عثمان کی ان سے قرابت تھی، سعید بن امان کی حمایت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ پہنچے اور کفار قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔

جب ایک پیام صنادید قریش تک اسلام کے سفیر اور ایلچی نے پہنچایا تو اسے جواب دینا ضروری تھا اس پر کچھ گفتگو کرنی تھی تا کہ مسئلہ واضح ہو جاتا مگر انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر بند کر دیا...... یہ دنیا بھی عجیب ہے کہ یہاں کہیں واقعہ کچھ ہوتا ہے۔ اور بہت سے واسطوں سے دوسری جگہ پہنچتے پہنچتے اس کی نوعیت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ لوگ زیب داستان کے لئے بھی اپنی طرف سے اضافے کر دیا کرتے ہیں خبروں کی اصلیت اور واقعہ کی نوعیت پر اس اضافہ و ترمیم نے حالات کو بڑا نازک بنا دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی نظر بندی کا واقعہ بھی اس خبر کے ساتھ مشہور ہو گیا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ،حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا آن کی آن میں پروانے شمع نبوتؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سے حضور بہت متاثر تھے ،حضور ﷺ نے ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ سے اللہ کی راہ میں مارنے اور مرجانے کی بیعت لی۔

عجیب سماں تھا چٹیل میدان ...... کہیں کہیں کھجور کے سوکھے پیڑ اور ببول کے درخت دکھائی دیتے تھے ،دور دور تک ہو کا عالم تھا اور خدا کا نبیؐ جان نثاری کے لئے صحابہؓ سے بیعت لے رہا تھا مرد اور عورتیں جوش میں آ کر اقرار کر رہے تھے کہ اللہ کے راستہ میں ہماری جانیں کام آ جائیں تو یہ سب سے بڑی سعادت ہوگی ...... یہ اقرار زبان حال سے تھا ...... یعنی یہ کہ عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کے ایک ایک قطرے کا قصاص لیا جائے گا کفار اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ہم پرائے دیس میں ہیں مدینہ یہاں سے دور ہے ...... خدا کی قسم! ہم بدر و احد سے زیادہ پامردی اور بے جگری کے ساتھ لڑیں گے۔ یہ جانیں آخر ہیں کس دن کے لئے؟ خدا کی راہ میں ان کا کام آ جانا زندگی کی معراج ہے، تاریخ میں یہ بیعت ''بیعت الرضوان '' کے نام سے مشہور ہے...... مگر بعد میں جا کر اس کی خبر کی اصلیت کا پتہ چل گیا کہ اطلاع غلط تھی حضرت عثمانؓ شہید نہیں ہوئے کافروں کے یہاں نظر بند ہیں۔

☆ صلح حدیبیہ ☆

اس کے بعد صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع ہوئی ،سہیل بن عمرو فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے عام قریش کی طرح ان میں تیز مزاجی بھی نہ تھی ،طبیعت کے انتائی متین اور سنجیدہ

تھے، سفارت کے لئے ایسے ہی شخص کا انتخاب موزوں تھا...... ''خطیب قریش'' (سہیل) مکہ سے حدیبیہ پہنچا مکہ سے چندکوس کی دوری پر ایک کنواں کا نام حدیبیہ ہے وہاں جو چھوٹی سی بستی آباد ہے......اسے بھی ''حدیبیہ'' ہی کہتے ہیں اسی نسبت کی بنا پر یہ واقعہ ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے شہرت پا گیا۔

سہیل حدیبیہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صلح کی شرطوں پر بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی سہیل کی کوشش یہ تھی کہ قریش کی بات کہیں نیچی نہ ہو جائے۔ کوئی شرط میں نے دب کر مان لی تو اعیان مکہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔ لوگوں نے مجھے بھروسے کا آدمی سمجھ کر ہی تو بھیجا ہے۔ رؤساء قریش نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا تھا کہ سہیل! تم ہماری آبائی عزت کے منشور پر دستخط کرنے کے لئے جا رہے ہو بہت بڑی ذمہ داری ہم نے تمہیں سونپ دی ہے۔

مسلسل گفت وشنید کے بعد چند شرطیں فریقین نے مان لیں۔ حضور نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاہدہ تحریر کرنے کا حکم دیا، حضرت علیؓ نے صلح نامہ قلمبند کرنا شروع کیا عبارت کا آغاز اس جملہ سے ہوا۔

''ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ!

یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے مان لیا اس پر قریش کا سفیر سہیل بولا یہ کیا لکھ دیا ہماری اور تمہاری ساری لڑائی ہی اس بات پر ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو پھر ہم میں اور آپ میں کوئی نزاع ہی باقی نہ رہے، معاہدے میں ''رسول اللہ'' کا لفظ نہیں لکھا جائے گا۔ ''محمد ابن عبداللہ کافی ہے ......اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر چاہے تم جھٹلاتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا رسول

ہوں...... پھر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ''رسول'' کا لفظ عبارت سے مٹادیا جائے ...... حضرت علی کا ضمیر کانپ اٹھا عرض کی کہ حضور کا ہر حکم میرے سر آنکھوں پر میں ''رسول'' کا لفظ ہرگز نہ مٹاؤں گا...... اور حضورؐ!

خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

حضور نے علیؓ سے کہا کہ اچھا مجھے بتاؤ میرا نام کہاں ہے علیؓ نے اپنی انگلی اس لفظ پر رکھ دی اور حضور ﷺ نے ''رسول اللہ'' کا لفظ مبارک خود دست مبارک سے مٹادیا۔

اس کے بعد صلح نامہ کی شرطیں قلمبند ہوئی:۔

(۱) مسلمان اس سال حج کیے بغیر لوٹ جائیں

(۲) آئندہ سال حج کے موقعہ پر مکہ آئیں گے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

(۳) ہتھیار ساتھ لے کر نہ آئیں بس زیادہ سے زیادہ تلواریں لا سکتے ہیں انکو بھی بے نیام ہونے نہ دیا جائے گا۔

(۴) جو مسلمان مکہ میں پہلے سے رہتے ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے ہمراہ مدینہ نہ لے جائیں، مگر اس کے برخلاف کوئی مسلمان مکہ آنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں کا کوئی آدمی اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور کوئی مسلمان مکہ پہنچ جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

ابھی معاہدہ ہو رہا تھا طرفین کے دستخط نہ ہوئے تھے عبارت ادھوری تھی کہ اتنے میں سہیل کے بیٹے ابو جندلؓ گرتے پڑتے پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے وہاں آپہنچے اور زبان حال سے فریاد کرنے لگے۔

یارسول اللہ ﷺ! اسلام لانے کی پاداش میں کافروں نے مجھے قید میں رکھ کر بڑی بڑی دردناک اذیتیں دی ہیں۔ یہ دیکھئے میری پیٹھ کو دیکھئے کوڑوں کے نشانوں کا کوئی شمار نہیں ہے......اور میرا سینہ جلتے پتھروں سے داغا جاتا ہے۔ حضورﷺ! مجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تک محمدﷺ سے بیزاری کا اعلان نہ کرو گے اسی طرح ستائے جاؤ گے۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ نادانو! محمدﷺ کی رفاقت اور اطاعت پر مجھ جیسی ہزار جانیں قربان! تم میرے جسم کے ایک ایک عضو کو بھی جدا کردو گے تب بھی محمد رسول اللہ کی فرمانبرداری کا دم بھرتا رہوں گا...... حضورؐ! بڑی مشکل سے ان ظالموں کی قید سے نکل کر آیا ہوں پیروں کی بیڑیاں بھی نہیں کاٹ سکا، اب سرکار! میں جاؤں گا نہیں حضورؐ کے قدموں ہی میں رہونگا۔

ابوجندلؓ کی آہ وزاری سن کر صحابہ کرامؓ کے دل ہل گئے خود رسول اللہﷺ بے حد متاثر ہوئے۔

......محمدؐ! صلح نامہ کی شرائط کی تعمیل کا سب سے پہلا موقعہ ہے صلح کی شرط کے مطابق اس شخص (ابوجندلؓ) کو یہیں رہنے دو...... حضورؐ نے کئی بار اصرار کے ساتھ فرمایا مگر سہیل کسی عنوان پر راضی نہ ہوا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ ابوجندل کو آپ کے پاس نہیں چھوڑا جاسکتا، چنانچہ حضرت ابوجندل کی آنکھوں میں التجا غلطاں تھی۔ کہ سرکار! خدا کے لئے مجھے سفاک اور ظالم، دشمنوں میں واپس نہ بھیجئے اور سرکار دوعالم کی چشم کرم زبان حال سے بول رہی تھی کہ ابوجندل صبر کر، یہ مظلومیت کا دور زیادہ دن تک نہ رہے گا اللہ تعالیٰ تیری محافظت فرمائے گا۔ صبر کرنے والے کا بڑا درجہ ہے۔ صحابہ کرام کا اس واقعہ کا بڑا املال ہوا۔ کسی کسی کی آنکھوں میں تو آنسو آگئے ان کا بس چلتا تو ابوجندلؓ کو روک لیتے جانے نہ دیتے، مگر رسول اللہﷺ کے حکم کے آگے کسی کو چوں چرا کی مجال نہ تھی۔ صلح کی شرائط کا بھی ان کو غم تھا ظاہری طور پر مسلمانوں کی طرف سے دب

کر صلح کی گئی تھی، ہر شرط کفار مکہ کی ہی کے موافق پڑتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو ’’فتح مبین‘‘ کہا وحی آئی:۔

ان فتحنا لک فتحا مبینا: ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح دی۔

صلح حدیبیہ سے پہلے کافر اور مسلمان ایک دوسرے سے دور دور رہتے تھے مکہ کے لوگ مکہ اور مدینہ کے لوگ مدینہ میں! لڑائیوں اور نزاعوں نے ایک دوسرے کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت کی دیوار کھڑی کردی تھی۔ دونوں طرف سے جان جانے کا خطرہ بھی لگا رہتا تھا صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے اور دونوں شہروں میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

صحابہ کرامؓ کی زندگی، سیرت و کردار، عادات و اطوار، طرز معیشت، اخلاق، سچائی، نیکی اور پاکبازی کو دیکھ دیکھ کر کافروں پر بڑا گہرا اثر ہوا......اور یہ اثر دلوں کو اسلام کی طرف کھینچ کھینچ لے گیا۔ صلح کے اس زمانہ میں اچھی خاصی تعداد دائرہ کفر سے نکل کر آغوش اسلام میں آگئی۔

خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی تلوار نے شام کو فتح کیا اور عمرو بن العاص جن کو تاریخ فاتح مصر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس زمانہ میں اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے یہ حدیبیہ کی صلح جس کی شرطوں کو دیکھ کر عمرؓ جیسا مستقل مزاج اور بہادر انسان بھی اپنے غم کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ حقیقت میں ’’فتح مبین‘‘ ثابت ہوئی اسلام کا چرچا مکہ میں پہلے سے اور زیادہ ہونے لگا جو لوگ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے وہ بھی دبی زبان سے اقرار کرتے کی محمد ﷺ کے ساتھی کیا ہیں فرشتے ہیں......زمین پر چلتی پھرتی نیکیاں اور بولتی ہوئی شرافت اور بھلائیاں بات کے سچے قول کے پکے ایثار و مروت کے پتلے دیانت دار راستباز ......تو جس مذہب نے برے لوگوں کو اتنا اچھا بنادیا وہ مذہب یقیناً سچا ہی ہوسکتا ہے۔ یہ باتیں عام ہونے

لگیں دار الندوہ تک میں بھی اس قسم کی باتیں اور تذکرے ہونے لگے صداقت بوئے گل کی طرح پھیل رہی تھی اسے روک کون سکتا تھا، کوئی بد ذوق پھولوں سے چاہے کتنی ہی دشمنی رکھتا ہو مگر اس کی قوت شامہ تو پھولوں کی خوشبو سونگھ کر یقیناً فرحت محسوس کرے گی۔

☆غزوہ خیبر☆

مدینہ میں دو گروہ تھے ایک منافقین کا اور دوسرا یہود کا...... یہ دونوں گروہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے، یہ سازشیں بڑی خوفناک قسم کی ہوتی تھیں۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی اقصائے عرب سے جو قبیلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام کے متعلق استفسار حال کے لئے آتے ان کو طرح طرح سے بہکایا جاتا، کفار مکہ نے مسلمانوں کے خلاف جتنے محاذ جنگ قائم کئے منافقین اور یہود کے مشورے ان میں شریک تھے اور یہود تو بغلی گھونسہ اور مار آستین بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عفو و کرم سے انہوں نے سدا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، یہود کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بار احسان سے گردن نہ اٹھاتا اور رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک کی قدر کرتا...... مگر یہ یہود تھے جن کو حضرت عیسیٰ روح اللہ نے سانپ کے بچوں کا لقب دیا تھا، محسن کشی ان کی فطرت تھی اور اسلام دشمنی ان کی طینت!

یہود کی سازشیں منصوبے اور ان کے ناپاک ارادے ایک ایک کر کے بے نقاب ہو گئے کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہی ان کی روش روز اول سے معاندانہ تھی۔ کفار مکہ کی یورشوں کا معاملہ وہ تو بدر و احد تک ہی محدود رہا اور یہ بلا دور ہی سے ٹل گئی۔ اگر کہیں مدینہ کی بستی پر قریش حملے کرتے تو یہود ان کا ساتھ دیتے اور مسلمانوں پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑتے اور ان کے دل غصہ کی آگ سیت اندر ہی اندر کھولنے لگتے۔

اخلاق وانصاف کا یہی تقاضا تھا کہ ایسے دشمنوں کو اپنے میں نہ رہنے دیا جائے یہ سانپ اب آستینوں میں رکھنے کے قابل نہ رہے تھے...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کے حکم سے بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کردیا اور یہ لوگ خیبر میں آباد ہو گئے جلاوطنی کی سزا ان سازشی دشمنوں کے کرتوتوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی اور یہ ایک ہلکی سزا تھی...... مگر یہود کسی کا احسان ماننے والے کب تھے۔ان کے دلوں میں پاپ، کپٹ اور لوبھ گھر کر چکا تھا۔انصاف اور انسانیت کی رمق بھی ان کے دلوں میں باقی نہ رہی تھی۔

خیبر پہنچ کر بھی یہود چین سے نہ بیٹھے اسلام دشمنی کا جذبہ وہاں پہنچ کر اور تیز تر ہو گیا ان کے وفود اور شعلہ بیان خطیب قبائل عرب میں جا جا کر اور قریہ قریہ گھوم گھوم کر اسلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے، غزوہ احزاب یہود کے اسی پروپیگنڈے کا خوفناک نتیجہ تھا۔

یہود سازش اور دروغ بیانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ان کی سازش بڑی گہری اور باریک ہوتی...... ایک مثال اور صرف ایک منظر......

گرمی کا زمانہ ہے آسمان سے آگ برس رہی ہے۔ ہواؤں میں شعلوں کی لپٹ مل جل گئی ہے دھوپ اتنی تیز...... کہ سچ مچ سوا نیزے پر آفتاب آگیا ریت کے ذرے سورج کی گرمی پا کر انگارے بن گئے اور سنگ ریزوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں کھجور کے درخت جھلسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔جیسے ان پر برسوں سے بارش کی ایک چھینٹ بھی نہیں پڑی۔

اس عالم میں ایک یہودی خیبر سے روانہ ہو کر قبیلہ غطفان کے ایک قریہ میں پہنچتا ہے...... یہ یہودی...... مکروغا کی تصویر اور فریب وسازش کا مجسمہ! درمیانہ قد مگر ڈاڑھی ناف سے بھی کچھ نیچے لٹکی ہوئی۔سر کے بال الجھے ہوئے اونچی قبا مگر اس کی آستین ڈھیلی ڈھالی ماتھے کی سلوٹیں بے ترتیب جیسے کوئی کسی کپڑے کو پانی میں بھگو کر شکنیں نکالے بغیر سوکھنے کے لیے پھیلا دے

،دانتوں پر میل جما ہوا، آنکھیں چمکیلی لیکن ریا کی چشمکوں سے معمور!

کھجوروں کے جھنڈ میں عربوں کے خس پوش مکان تھے، پوری بستی میں ایک کنواں تھا جس پر عورتوں، مردوں اور بچوں کی بھیڑ لگی تھی...... پانی بھرا جارہا تھا پانی یوں تو ہر وقت اور ہر موسم میں ضروری ہے لیکن گرمی میں تو اس کی ایک ایک بوند آب حیات کا کام کرتی ہے۔ عرب کے ریگستانوں میں پیاسے مسافر کو لعل و جواہر کی تھیلی نہیں ایک گھونٹ پانی چاہیے...... پیاس کی موت بہت دردناک ہوتی ہے۔!

یہودی نے ہانپتے ہوئے ناقہ کو بٹھایا، قریہ کے لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے اس تپش اور دھوپ میں ٹھیک دوپہر کے وقت کسی کا آنا اچنبھے سے خالی نہ تھا۔ مہمان نواز عربوں نے یہود کو''اہلاً وسہلاً'' کہا اور اپنے خیمے میں لے گئے کھجور اور پنیر اور ستو اس کے سامنے لائے گئے ......اور بکری کا دودھ بھی! یہودی نے پانی کے لئے اشارہ کیا، آن کی آن میں پانی آ گیا، یہودی پانی کا پورا ڈول غٹ غٹ پی گیا اس نے اپنی ڈاڑھی کو نچوڑا جو پانی میں بھیگ گئی تھی ...... پیاسا آدمی بدحواس بھی تو ہو جاتا ہے۔

......ایہا الشیخ ادھر کیسے آنا ہوا اور آپ کسی ساتھی، ہم سفر اور قافلہ کے بغیر تنہا کس طرح چل پڑے اور...... قریہ کے ایک بوڑھے آدمی نے دریافت کیا اور اس کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ بیچ میں دوسرا آدمی بول پڑا۔

......ادھر کا جنگل بڑا خطرناک ہے آئے دن قافلے لٹتے رہتے ہیں۔ اکیلے آدمی کا سفر کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ نے بڑی جرات...... بلکہ میں کہوں گا (معاف فرمائیے) غلطی کی جو تن تنہا اس طرف چلے آئے۔

......مگر موت سے زیادہ بڑا خطرہ اگر سامنے ہو تو آدمی آخر کیا کرے...... یہودی نے

جواب دیا۔

......ہم سمجھے نہیں آپ کی بات کچھ بوکھلائی ہوئی سی ہے ذرا سا پانی اور پی لیجئے آپ اس آگ برستے میں دور سے چل کر آرہے ہیں۔ موت سے بڑھ کر خطرناک کیا چیز ہو سکتی ہے۔ عجیب! ماتھے کا پسینہ تو پونچھئے اور ڈاڑھی کے پیچوں سے گرد تو جھاڑیئے تکان آپ کے تیوروں سے برس رہی ہے۔ کئی آدمیوں نے مل کر کہا......اس طرح کہ ایک نے دو لفظ کہے دوسرے نے اس پر اور آضافہ کر دیا اور تیسرے نے کچھ اور بڑھا دیا۔

اس پر یہودی نے تقریر شروع کر دی:۔

......ایہا الاخوان! اس دھوپ اور لو میں کسی کا عرب کے چٹیل میدانوں میں تن تنہا سفر کرنا یقیناً حماقت ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ خود اپنی ذات سے دشمنی کرنے کے برابر ہے جان مجھے بھی پیاری ہے۔ اور زندگی کو میں بھی عزیز رکھتا ہوں......لیکن جس بات کے کہنے اور جس خطرہ کی اطلاع دینے کے لئے میں یہاں آیا ہوں بہت زیادہ اہم ہے (بدویوں) کی نگاہیں بوڑھے اور فتنہ ساز یہودی کے لبوں پر جم کر رہ گئیں............) سنو! یہ خبر تو تم تک کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ چکی ہوگی کہ قریش کے قبیلہ بنو ہاشم کے ایک شخص محمد ﷺ نامی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے......اب سے کئی سال پہلے کی بات ہے قریش نے اس پر سختی کی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مدینہ چلا آیا اب مدینہ محمد ابن عبداللہ اور اس کے صحابہ کا مرکز بن گیا ہے۔ ابن عبداللہ کیا کہتا ہے جانتے ہو؟ بہت کم جانتے ہیں۔ جو نہ جاننے کے برابر ہے......وہ تین بدویوں نے ایک ساتھ مل کر جواب دیا) تو لو میں بتاتا ہوں بنو ہاشم کا یہ پیغمبر عربوں کے آبائی فخر اور خاندانی شرافت کا منکر ہے وہ کہتا ہے کہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ تو یہ درس مساوات عرب کی شرافت کے خلاف کھلا ہوا چیلنج ہے......یعنی اب غلام اور آقا ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا کریں گے۔ یہ نہیں

ہوسکتا، ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔غلام اور آزاد ایک برابر نہیں ہوسکتے عرب کی غیرت اسے برداشت نہیں کرسکتی ......قریہ کے لوگ بیچ میں بول پڑے مگر بھائیو! آپ یوں ہی چپ چاپ بیٹھے رہے اور اس فتنہ کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ نہ کیا تو آپ کو یہ ذلت برداشت کرنا ہی پڑے گی۔تمہارے معبودوں اور خداؤں کو توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیا جائے گا۔(بدویوں کے چہرے غصہ کے مارے سرخ ہو ہو جاتے تھے)مدینہ سے خبر آئی ہے کہ مسلمان اب کی بار تم غطفانیوں پر بڑے زور شور کے ساتھ چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ غطفانیوں کا زور ٹوٹ گیا اور اس قبیلہ کو زیر کرلیا تو تمام اہل بادیہ ہماری مٹھی میں آجائے گے۔مگر ہماری تلواریں کیا کند ہو جائیں گی اور ہمارے بازوئے تیغ زن کیا شل ہو جائیں گے۔ تلوار کا جواب تلوار سے اور تیر کا جواب تیر سے دیں گے۔غطفانیوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے یہ مسلمان گھاٹے میں رہیں گے یہ جنگ بہت مہنگی پڑے گی۔ غطفانی آج تک کسی لڑائی میں زیر نہیں ہوئے شام کے جنگجو لٹیروں کو بارہا ہم نے شکستیں دی ہیں اور نجد کے راستوں کو کھجوروں ،ببولوں اور پہاڑیوں پر ہماری فتح مندی کے پرچم لہرائے ہیں......ایک بدوی اپنی ننگی تلوار کو ہلاتے ہوئے بولا۔

یہود نے قبیلہ غطفان کی طرح عرب کے دوسرے قبیلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف غضب وانتقام کا ایک آتشیں جذبہ پیدا کردیا۔قبیلہ غطفان کا خیبر کے یہود سے معاہدہ بھی تھا اور وہ ایک دوسرے کے حلیف بھی تھے۔ہجرت نبویؐ کے چھٹے سال قبیلہ غطفان نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کردیں۔

خیبر کے یہود کی سازشیں خوفناک کھیل کھیل رہی تھیں، منافقین مدینہ سے بھی وہ ساز باز رکھتے تھے اور ان کے واسطہ سے مسلمانوں کے حالات معلوم کرتے رہتے۔منافقین کا سردار

عبداللہ بن ابی سلول یہود کی اس اسلام دشمنی سے بروقت فائدہ اٹھا رہا تھا ان کو اشتعال دلانے کے لئے وہ ظالم مدینہ سے جھوٹی اطلاعیں اور گڑھی ہوئی خبریں بھیجتا رہتا اس نے اپنے قاصد کو خیبر بھیجا جس نے یہود خیبر کو جا کر اطلاع دی کہ محمد ابن عبداللہ ﷺ تم لوگوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں روزانہ مشورے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے خطیب عوام کو جنگ کے لئے ابھارتے ہیں تلواروں پر پانی رکھا جا رہا ہے اور نیزوں کی انی تیز کی جا رہی ہے۔ مگر تم لوگ اس خبر کو سن کر کہیں ڈر نہ جانا، ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار بیٹھو کہ یہ مسلمان نہ جانے کتنی بھاری فوج لیکر چڑھائی کریں گے یہ گنتی کے آدمی ہیں۔ جن کے پاس جنگ کا ساز و سامان بھی پورا نہیں ہے۔ یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ مگر پھر بھی دشمن کو حقیر بیچارہ سمجھنا نہ چاہئے۔ تم اپنی تدبیر سے غافل نہ رہو اور فتنہ کو ابھرنے سے پہلے دبا دو ہمارے دل تم لوگوں کے ساتھ ہیں اور دل نہیں تلواریں بھی!

یہود خیبر نے اس خبر کے ملتے ہی آس پاس کے قبیلوں کو اکسایا کہ مسلمانوں کے حملہ کرنے سے پہلے ہمیں خود مدینہ پہنچ کر ان پر چڑھائی کر دینی چاہیے۔ تم اس لڑائی میں ہمارا ساتھ دو گے تو خیبر کے کھجوروں کی آدھی پیداوار تمہاری نذر کی جائے گی۔ کنانہ، یہودہ بن قیس اور غطفان کے قبائل نے اس شرط کو قبول کر لیا حامی بھر لی نوجوانوں نے خم ٹھونک کر کہا کہ مدینہ کی زمین کو ہم مسلمانوں کا قبرستان بنا دیں گے بدر و احد اور خندق کی تمام جنگوں کا بدلہ اس ایک ہی لڑائی میں لیا جائے گا۔

یہود اور غطفان کے مدینہ پر حملہ کی تیاریوں کی خبر پا کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسلمانوں کی فوج لے کر خیبر کی جانب روانہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کے پاس سامان حرب کی کمی تھی مگر ایمان کی زیادتی نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ شوق شہادت ان کی پاکباز آنکھوں میں جھلک

رہاتھا۔ تیور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ان نامرمانوں امتیوں کو خاک وخون میں تڑپا کر ہی مدینہ لوٹیں گے اور یہ غطفانی جن کو اپنی شجاعت پر بہت گھمنڈ ہے بہت جلد دیکھ لیں گے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والوں سے لڑنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے میں سب سے پہلی بار اسلامی فوج کے لئے علم تیار کرائے ایک علم حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور دوسرا جھنڈا اسعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کیا تیسرا پرچم علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا...... پھر یرا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت ہوا تھا خاص رسول اللہ ﷺ کا علم تھا جو حضرت عائشہ کی چادر مبارک بنا تھا۔

خیبر کے آس پاس نخلستانوں کا سلسلہ تھا آبادی میں پہاڑیاں تھیں جن میں چھ قلعے تھے پانچ قلعوں کو تو مسلمانوں نے بہت جلد فتح کر لیا مگر یہ چھٹا قلعہ جو قموص کے نام سے مشہور تھا سب سے زیادہ مضبوط تھا بہت کوشش کے بعد بھی قبضہ میں نہ آیا۔ اس قلعہ کی بناوٹ بھی کچھ ایسی تھی کہ حملہ کرنے والی فوج کے لئے دشواریاں اور مدافعت کرنے والوں کے لئے آسانیاں تھیں۔

قلعہ قموص کی سیادت مرحب کے سپرد تھی۔ مرحب کی شہ زوری اور جسمانی طاقت سارے عرب میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ عام طور پر مشہور تھا کہ مرحب اکیلا ایک طرف اور ہزار پہلوان ایک طرف! اتنا بہادر اور طاقتور پہلوان جس قلعہ کا رئیس ہو اسے مضبوط ہونا ہی چاہیے تھا۔

شام کا وقت تھا سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا نخلستانوں پر البتہ شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ جاں نثار صحابہ جلو میں حاضر تھے۔ شمع نبوت کے اردگرد پروانوں کا ہجوم تھا۔ اتنے میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ پرچم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح

عنایت فرمائے گا۔اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے۔ اور خدا اور خدا کا رسول اس کو چاہتا ہے۔

صحابہ کرام میں ہر شخص اسی تمنا اور امید میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے علم عنایت فرمائیں گے۔امید جب بندھتی ہے تو پھیلتی اور شاخ در شاخ ہوتی چلی جاتی ہے۔رات گزری سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔شوق انتظار کا موم آنکھوں میں کھنچ کر آ گیا تھا،سب منتظر تھے کہ دیکھیں رسول اللہ کسے پرچم نصرت مرحمت فرماتے ہیں۔تمنائیں بڑی کشمکش میں تھیں......کہ اتنے میں علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت کا ستارہ چمکا،یہ سعادت خاص ان کے حصہ میں آئی اور رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دست مبارک سے علم عطاء فرمایا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ فرط مسرت سے گلاب کی طرح رنگین ہو گیا مگر اس رنگینی میں ذمہ داری کا احساس بھی جھلک رہا تھا کہ دیکھنا! رسول اللہ ﷺ نے جو منصب سپرد فرمایا ہے اور جو ذمہ داری سونپی ہے کہیں اس میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

قلعہ قموص کے رئیس اور شہ زور پہلوان مرحب نے رات کو خواب دیکھا تھا کہ ایک شیر مجھے چیر رہا ہے۔مرحب نے بیوی سے خواب کا ذکر کیا بیوی نے جواب دیا تم بڑے بہادر ہو آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔کہ خواب دیکھ کر جی چھوڑے دیتے ہو۔خواب وخیال کی باتوں پر کوئی یقین نہیں کیا کرتا مرحب نے کہا کہ میں اپنے دل کا کیا کروں کہ اس خواب کو دیکھنے کے بعد دل بیٹھا جاتا ہے۔نہ جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے اور کیا واقعہ پیش آنے والا ہے۔

صبح کو جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں تشریف لائے تو مرحب بھی بڑے زور شور کے ساتھ رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا اس نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی۔ایک ہاتھ میں ڈھال تھی اور دوسرے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار نیزہ بغل میں دبا تھا۔اس کے چہرے

سے خوف اور غضب ٹپک رہا تھا۔زخمی بھیڑیے کی سی اس کی حالت تھی......اس کی رجز:۔

خیبر کی وادیاں مجھے پہچانتی ہیں کہ میں مرحب ہوں

اور میں دلیر ہوں تجربہ کار اور جہاندیدہ ہوں اور ہتھیار بند ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے جوش کے ساتھ فرمایا:۔

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر (حیدر) رکھا تھا میں شیر نیستاں کی طرح ہیبت ناک ہوں۔

شیر کا نام سنتے ہی مرحب کو رات کا خواب یاد آ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی دوڑ گئی۔آدمی تھا جیوٹ اور جنگ آزمودہ جی کڑا کر کے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ،لڑائی شروع ہوئی مرحب نے اپنی بہادری اور طاقت کے خوب خوب جوہر دکھائے۔جب وہ کا وادے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کرتا تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے یہود جوش مسرت سے بے تاب ہو کر چیخنے لگتے۔اس شور میں ہمت افزائی کا جذبہ بھی شریک کار تھا مگر یہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقابلہ تھا حیدر کرار سے جنگ تھی،لافتی الا علی لا سیف الاذوالفقار کا سامنا یہ اس سے لڑائی تھی۔مرحب کیا ساری دنیا بھی علی کے مقابلہ پر آجاتی تو شکست کھاتی ۔مرحب نے بہت کچھ داؤ پیچ گئے مگر شیر خدا کے سامنے اس شغال خیبر کی کچھ نہ چل سکی ۔ذوالفقار علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رستم زمان اور تہمتن وقت کا قصہ ختم کر دیا۔اس کی لاش کنکریوں پر تڑپنے لگی۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کا مضبوط دروازہ توڑتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے اور مسلمان کے شور تکبیر سے خیبر کی رزمگاہ گونجنے لگی۔

فتح ہو چکی تو قدرتی طور پر خیبر کی ساری زمین مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی ارض خیبر اب رسول اللہ ﷺ کا مفتوحہ علاقہ تھا خیبر کے یہود بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض

کیا کہ خیبر کی زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے جو کچھ زمین کی پیداوار ہوگی اس کی آدھی پیداوار ہم دے دیا کریں گے۔ یہود کی اس درخواست کو شرف قبولیت عطاء ہوا۔

جب فصل کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹائی لینے کے لئے بھیج دیتے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام پیداوار کو اکٹھا کر کے دو حصوں میں تقسیم کرتے اور یہود سے کہتے اس میں سے جس حصہ کو چاہے لے لو۔ یہودی اس پر حیرت کے ساتھ کہتے بلکہ کہنے پر مجبور ہو جاتے دل کی آواز رک نہ سکتی

زمین و آسمان اسی عدل و انصاف کے سہارے قائم ہیں۔

☆ارض شام میں☆

اس زمانہ میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کے ماتحت سردار اور رئیس ہوا کرتے تھے ان سرداروں اور رئیسوں کی حیثیت نیم آزاد فرمانرواؤں جیسی تھی۔ اپنے علاقے میں یہ بھی ایک طرح کے چھوٹے موٹے بادشاہ تھے۔ ان کے یہاں محل سرائیں بھی تھیں اور دربار بھی گرم ہوتے تھے۔ عیش و عشرت کے جشن بھی برپا ہوتے تھے۔

قیصر روم کے ماتحت بہت سے رئیس اور سردار تھے ان میں شام کے سرحدی علاقے کا شرجیل بن عمر نامی ایک رئیس تھا حضور ﷺ نے جب بادشاہوں اور حاکموں کے نام مکتوب ہدایت اور دعوت نامے بھیجے تو ایک خط شرجیل کے نام بھی حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ شرجیل رسول اللہ کا نامہ گرامی پڑھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور نامہ بر (حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو حضور نے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لئے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بلقاء کی طرف روانہ کی۔ زید ایک غلام

تھے جن کو حضور نے آزاد فرمایا تھا۔انہی کی سپہ سالاری میں انصار مہاجرین کے اشراف نے سپاہی بن کر اللہ کے راستہ میں لڑنا ہنسی خوشی قبول کرلیا۔

حضورﷺ نے ہدایت فرمائی کہ زیدؓ شہید ہو جائیں تو ان کے بعد جعفر طیار فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالاری کے فرائض انجام دیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بڑے رتبہ والے صحابی تھے خیبر کے یہود سے پیداوار کی بٹائی لینے کے لئے ہر سال فصل پر جایا کرتے تھے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

جیش اسلام مدینہ سے ادھر روانہ ہوا ادھر پرچہ نویسوں اور جاسوسوں نے شرجیل کو اطلاع دی کہ مسلمان حضرت حارث کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تمہارے علاقہ میں آرہے ہیں۔شرجیل نے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔اور تھوڑی سی دیر میں ایک لاکھ کے قریب جرار فوج کیل کانٹے سے لیس کرلی دوسری طرف خود قیصر روم بھی بہت بڑا لشکر لے کر سرحد کے ایک اہم مورچہ پر آکر جم گیا۔

کافروں کی فوج کی کوئی شمار نہ تھی ۔ساز وسامان لاتعداد تھا،بادیہ نشینوں کا شہنشاہی اور امارت سے مقابلہ تھا،دیس بھی پرایا تھا یہاں کے جنگلوں ،وادیوں،نخلستانوں ،پہاڑیوں اور راستوں سے بھی واقفیت نہ تھی۔مگر مسلمان اللہ کا نام لے کر باطل پرستوں سے ٹکرا گئے۔بڑے گھمسان کا رن پڑا،مسلمان بڑی پامردی اور جاں بازی سے لڑے۔

اسلامی فوج کے کمانڈر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید نے اتنی برچھیاں کھائیں کہ شہادت کا جام ہونٹوں سے آلگا،ان کے بعد حضور رسول کریمﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی کمان سنبھالی اور پرچم اسلام ہاتھ میں لے کر دشمنوں کی فوج

میں گھس پڑے کچھ دیر تک سواری پر لڑتے رہے پھر سواری سے کود کر زمین پر اترے اور اس قدر بہادری اور جرات کے ساتھ لڑے کہ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جدھر کا رخ کرتے کافروں کی فوج کائی کی طرح پھٹ جاتی۔ آخر کار زخموں سے چور ہو گئے اور شہادت کی سعادت حاصل کر لی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کی لاش دیکھی تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے سو کے لگ بھگ زخم تھے مگر یہ سب کے سب زخم سامنے کی طرف تھے۔ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ پر ایک خراش بھی نہ تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہو چکی تو ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لے لی، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خوب لڑے یہاں تک کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ لشکر اسلام کے تین سپہ سالار جب پے بہ پے شہید ہو چکے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور شجاعت و دلیری کے کارزار میں جھنڈے گاڑ دیئے اس دن ایک نہیں آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں۔ مسلمانوں کی جمعیت زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی اور کفار کی تعداد کم سے کم ایک لاکھ! حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقعہ کی نزاکت کا اندازہ لگایا اور اتنی جرار فوج کے نرغہ سے مسلمانوں کا لشکر نکال لائے بے جگری بہادری اور شجاعت کا بے محل استعمال بعض موقعوں پر وبال جان بن جاتا ہے۔ فوج کا بہترین کمانڈر اور جنرل وہ ہے جو معرکہ رزم وقتال کی نبض کو پہچان سکے۔

☆فتح مکہ☆

ہجرت نبوی کے آٹھویں سال کا واقعہ ہے کہ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک شخص دردانگیز لہجہ میں فریاد کرنے لگا:۔

اے خدا! میں محمد ﷺ کو وہ عہد یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے قدیم قبیلہ میں ہوا ہے خدا کے رسول ﷺ ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلا......

حضور ﷺ نے استفسار حال فرمایا تو معلوم ہوا کہ قریش کے ایما بلکہ ان کی مدد سے بنوبکر نے بنوخزاعہ کا حدود حرم میں خون بہایا ہے اور معاہدہ شکنی کی۔ صلح حدیبیہ کے شرائط کی بنیاد پر بنوخزاعہ اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف تھے۔یہی مسلمانوں کے حلیف (خزاعہ بھیڑ بکریوں کی طرح حدود حرم میں زبح کر دیئے گئے۔

عمرو بن سالم اپنے قبیلہ کی طرف سے فریاد لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے اس سلسلہ میں تمام واقعات اور مکمل تفصیل سن کر حضور ﷺ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور قریش کے پاس تین شرطیں دے کر قاصد روانہ فرمایا ،پہلی شرط یہ تھی کہ خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہادیا جائے۔دوسری شرط یہ تھی کہ قریش بنوبکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیں۔اور آخری شرط یہ تھی عام اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے نمائندے نے قاصد رسول سے کہا پہلی دو شرطیں تو ہمیں قبول نہیں البتہ تیسری شرط منظور ہے۔ جب قاصد مدینہ واپس چلا گیا تو قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے جواب دینے میں عجلت کی اور شدت سے کام لیا ابوسفیان کو انہوں نے مدینہ بھیجا اور ابوسفیان نے حدیبیہ کے صلح نامہ کی تجدید کی کوشش بھی کی ۔مگر اب معاملہ صلح اور تجدید کی حد سے گزر رچکا تھا ۔کفار قریش کی مسلسل بدعہدیاں ،سازشیں اور اسلام دشمنی کسی مصالحت اور سمجھوتے کی مستحق نہ تھیں ابوسفیان کی سفارت ناکام رہی تاریخ اپنا ورق الٹ چکی تھی ۔سچائی ،کامیابی کے افق سے جھانک رہی تھی اور باطل کو آپ ہی آپ ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔

حضور ﷺ نے مکہ کی طرف کوچ کا اعلان عام فرمادیا۔چند دن میں کوچ کی تیاریاں مکمل

ہوگئیں۔ جہاں تک کہ رمضان کی دس تاریخ (سنہ ۸ ھ) کو حضورﷺ دس ہزار فدائی اور عقیدت مند صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا یہ مقدس لشکر مکہ کی حدود میں داخل ہوا...... حضورﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ جاؤ ابوسفیان کو قلعہ کوہ پر لے جا کر کھڑا کر دو تا کہ وہ اپنی آنکھ سے فوج کے جلال وسطوت کا مشاہدہ کرلے، سب سے پہلے قبائل عرب کی فوجوں نے پیش قدمی کی قبیلہ قریش کا علم سب سے آگے لہرا رہا تھا پھر دوسرے قبیلوں کے جانباز سپاہی ہتھیاروں سے سجے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے ابوسفیان اس منظر کو دیکھ کر سہم سہم جاتا تکبیروں کے پرجوش نعروں نے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیئے...... یا تو، وہ زمانہ تھا کہ مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے یکسر تنگ ہوگئی تھی اور خدا کے پرستار انتہائی مظلومیت اور بیکسی کی زندگی بسر کر رہے تھے یہاں تک کہ خود ذات رسالب ماب کو مکہ چھوڑ دینا پڑا تھا اور آج مکہ کی فضا میں سلام کے پرچم لہرا رہے تھے مظلومیت فتح اور غلبہ سے بدل گئی تھی کفر چھپنے کے لئے پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور باطل کی سطوت سرنگریباں بلکہ خاک بسر تھی۔

تمام قبیلوں کے دستوں کے بعد انصار کی باری آئی تلوار نیزے ترکش زرہیں علم اور سب سے بڑھ کر ان کا جوش مسرت حسن خلوص، اور جذبہ عقیدت ...... قریش اس اہتمام کو دیکھ کر کانپ گئے...... یہ انصار تھے رسول اور صحابہؓ کے مددگار جنہوں نے مہاجرین کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کیا، اسلام کی حمایت میں جو سدا سینہ سپر رہے۔ مقدس جنگوں میں جن کی شجاعت اور جوش جہاد کے افسانوں سے تاریخ اسلام کے اوراق ہمیشہ مزین رہیں گے۔

قبیلوں کے تمام دستے ایک ایک کر کے گزر چکے تو سب سے آخر میں خود محمدﷺ مکی مدنی العربی کی سواری بہاری مکہ کے گلی کوچوں کو مہکاتی ہوئی اور خاک کے ذروں کو مہ ومہر بناتی ہوئی

نظر آئی حضرت زبیر بن العلامؓ کے ہاتھ میں علم نبوی تھا اور حضورﷺ نے فرط تواضع اور جذبہ تشکر سے سر مبارک کو جھکا لیا تھا کہ جبین مبارک کجاوے سے لگ گئی تھی...... جس وقت انصار کا لشکر مکہ میں داخل ہوا تھا تو حضرت سعد بن عبادہؓ جو جیش انصار کے علمبردار تھے ان کے منہ سے جوش کی حالت میں نکل گیا تھا کہ:۔

آج گھمسان کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

اس جملہ کو جس قریش نے سنا لرز گیا ابوسفیان نے جب کوکبہ نبوت کو دیکھا تو ڈرتے ڈرتے شکایت کے لہجہ میں پکار۔

آپ نے سنا عبادہ کے بیٹے سعد انصار کے علمبردار نے کیا کہا تھا۔

حضورﷺ نے فرمایا سعدؓ نے ٹھیک نہیں کہا ''آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ اس ارشاد کے بعد حضورﷺ نے حکم دیا کہ جیش انصار کا علم سعد بن عبادہؓ سے لے ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

بام حرم پر موصوم کبوتر مسرت سے رقص کر رہے تھے کہ آج کعبہ کی تطہیر کا دن تھا ہجرت کے دن سے لے کر آج تک ارض حرم کا ذرہ ذرہ دل گیر تھا مگر اب ان کے دن پھر گئے تھے بیجان ذروں کے منہ میں زبان آ گئی تھی...... اور گویائی بھی! زبان حال سے عرض کر رہے تھے:۔

حضورﷺ! جب سے آپؐ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں، ہم پر مسرت کی ایک سحر بھی طلوع نہیں ہوئی اسی دن سے سرکار کی راہ دیکھ رہے ہیں ہم پر کیسے کیسے وقت گزرے ہیں اور کیسی کیسی بھیانک خبریں ہم تک پہنچی ہیں...... کبھی یہ کہ احد کی جنگ میں محمدﷺ کو شہید کر دیا گیا مسلمانوں کی ترکی تمام ہو گئی کبھی یہ کہ مدینہ کے یہود اور منافقین نے گاجر مولی کی طرح صحابہؓ کو کاٹ ڈالا اور کوئی دن میں یہ بھی سن لینا کہ عبدالمطلب کے گھر کا چراغ بھی گل

ہو گیا۔..... اور حضور ﷺ آپ سے جنگ کرنے کیلئے جب قریش کفار گزرے ہیں تو ان کے جوش و خروش کے مناظر دیکھ دیکھ کر ہم سہمے جاتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے کہ بارالہا! اپنے نبی اور انسانیت کے غم خوار نبیؐ کی مدد فرمانا، اللہ نے ہم ناچیز ذروں کی سن لی، حضور ﷺ تشریف لے آئے قریش کے فخر و غرور کے جھنڈے آپ ہی آپ سرنگو ہو گئے۔

قریش مسلمانوں کی فوج کو دیکھ کر سراسیمہ اور بدحواس ہو گئے مقابلہ کی کسی میں ہمت نہ تھی ،ان کے بازوئے شجاعت آج شل ہو گئے تھے تلواروں کے جوہر آپ ہی آپ دھندلے ہوئے جا رہے تھے جراتیں جواب دے رہی تھیں اور عرب کی آبائی غیرت پر اوس سی پڑ گئی تھی...... مگر اس حالت میں قریش کی ایک ٹولی سے ضبط نہ ہو سکا اس نے ہمت کر کے حملہ کیا اور کرز بنؓ جابر فہری اور جیش بن اشعر دو صحابیوں کو شہید کر دیا، حضرت خالد بن ولید تلوار چلانا نہیں چاہتے تھے وہ دیکھ چکے تھے کہ سعد بن عبادہؓ کے یہ الفاظ کہ:۔

آج گھمسان کا دن ہے۔ کعبہ آج حلال کر دیا جائے گا...... رسول اللہ ﷺ کو پسند نہیں آیا ...... مگر جبکہ دوسری طرف تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں اس طرح دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنا اور معرکہ جدال و قتال سے صرف نظر کرنا بھی کسی طرح مناسب نہ تھا خالدؓ نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا یہاں تک کہ کفار میدان سے بھاگ نکلے ان کے تیرہ آدمی کام آئے مقتولوں کی لاشیں بھی وہ ساتھ نہ لے جا سکے۔

خالد کے تیور عتاب آلود تھے ننگی تلوار پر کافروں کے لہو کا غازہ ملا تھا۔ حضور ﷺ نے خالد سے باز پرس کی خالد اور دوسرے صحابہؓ نے پورا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا معلوم ہوا کہ جنگ کی ابتدا کفار قریش نے کی تھی چھیڑ چھاڑ انہی کی طرف سے ہوئی حملہ آور وہی لوگ تھے مسلمانوں کو بدرجہ مجبوری مدافعت کے لئے تلوار اٹھانی پڑی، مسلمان خاموش رہتے تو خود ارض

حرم میں بدر واحد کی تاریخ دہرائی جاتی اس اطلاع کے بعد زبان نبوت سے ارشاد ہوا کہ حکم الٰہی یہی تھا۔

مکہ میں مقام خیف کو حضور ﷺ کے قیام گاہ کا شرف حاصل ہوا خیف ......بنو ہاشم کی مظلومیت اور بے کسی کی تاریخ اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے تھا اب سے چند سال پہلے کفار قریش نے بنو ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا اور یہ خاندان خود رسول اللہ ﷺ کے ذات گرامی سمیت جہاں محصور تھا وہ یہی مقام تھا کل کا محصور اور قیدی آج کا فاتح تھا، جنہوں نے اسے قید کیا تھا اور محصور بنا رکھا تھا آج وہ اس کی چشم کرم کے محتاج تھے زمانہ کروٹ بدل چکا تھا عرب کی تاریخ دوسرے انداز پر لکھی جارہی تھی اور کفار قریش کی عظمت کے ستارے اب جھلملا رہے تھے...... بلکہ ڈوب رہے تھے حق بہت دن تک مظلوم نہیں رہ سکتا ظلم کی ناؤ سدا ایک ہی رخ پر نہیں بہ سکتی باطل پرستوں کو ایک مقررہ زمانہ تک ڈھیل دی جاتی ہے۔ جب پاپ کا گھڑا ابھر چکتا ہے تو ایک ہلکی سی موج اسے ڈبونے کے لئے بہت کافی ہوتی ہے۔ سدا سے یہی ہوتا چلا آیا ہے یہ اللہ کے قانون کی سنت ہے جس میں کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے حرم کے در و دیوار نے ''خوش آمدید'' کہا۔

سلام اے طائف و مکہ کے مظلوم نبی سلام درد والے احد کے زخمی درود! بھوکا رہ کر اوروں کو کھلانے والے سخی ''اہلاً و سہلاً خندق کے مقدس مزدور ''خوش آمدید'' انسانیت کے سب سے بڑے غم خوار صلواۃ و سلام! بیکسی کی حالت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے مسافر، آداب و کورنش''!......

وہ کعبہ جس کی بنیادیں سیدنا ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مقدس ہاتھوں نے اٹھائی تھیں اور جو صرف خدائے واحد و یکتا کی پرستش اور عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ نادان اور جاہل قریش

نے اسے بت خانہ بنا رکھا تھا۔ جگہ جگہ پتھر اور لکڑی کے بت نصب تھے۔ اور دیواروں پر تصویریں بنی تھیں...... حضورﷺ نے کعبہ میں داخل ہو کر چھڑی سے ایک ایک بت پر ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھتے ہوئے

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کے لئے ہی ہوگا۔

بت ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگے جن کے روبرو صدیوں قریش کی پیشانیاں خم ہوئی تھیں اج وہ خود زمین بوس بلکہ پامال ہو رہے تھے۔ اس نظر کو دیکھ کر حجر اسود مسکرا دیا۔ سیراب رحمت کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں اور حطیم مسرت کے اثر سے جھومنے لگا، کفار مکہ نے کعبہ کی دیواروں پر پیغمبروں اور فرشتوں کی تصویریں بھی اپنے وہم وخیال کے زور سے بنادی تھیں ان میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ دکھایا یہ گیا تھا کہ دونوں مقدس پیغمبروں کے ہاتھوں میں قمار بازی کے تیر ہیں حضورﷺ نے ان تصویروں کو مٹاتے ہوئے ارشاد فرمایا...... یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز جواء نہیں کھیلتے

......مکہ میں داخل ہوتے ہی اعلان فرما دیا گیا تھا۔

(۱) جو شخص ہتھیار ڈالے گا اس کے لئے امان ہے۔

(۲) جو شخص دروازہ بند کرلے گا اس کے لئے امان ہے۔

(۳) جو شخص ابوسفیان کے یہاں پناہ لے گا وہ بھی اپنے کو مامون سمجھے۔

کفار قریش رسول اللہ کے سامنے آئے۔ شرمائے ہوئے سہمے ہوئے ڈرے ہوئے دل اندر سے کہہ رہے تھے کہ آج جان کی خیر نہیں، ہمارے ایک ایک ظلم اک اک بدلہ لیا جائے گا ،ایک ایک شہید مسلمان کے خون کے قصاص کا آج دن ہے ہمیں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی

پڑے گی۔ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ سے لے کر بلال حبشی کے سینہ تک کتنے جسم ہیں جن کو ہم نے نہیں چھید انہیں تپایا اور نہیں داغا۔ ہمارے ہی ظلم وستم کے سبب محمد ابن عبداللہ ﷺ کو گھر سے بے گھر ہونا پڑا اور پھر جب وہ مدینہ میں پہنچ گئے تو وہاں بھی ہم نے نہیں چین سے کسی دن بیٹھنے دیا؟ ہمارے ہی سردار ابوسفیان کی بیوی نے محمد ﷺ کے پیارے چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا اور ابن قیمہ ہم میں سے تو تھا جس کی تلوار نے ابن عبداللہ اور در یتیم آمنہ کے چہرے کو لہولہان کر دیا تھا...... مگر رحمت عالم نے فرمایا:۔

لاتثریب علیکمالیوم اذھبوا. فانتم الطقا

تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

بس یوں سمجھو کہ قاتلوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر اتار دیا گیا تلواریں گردن کے قریب لا کر روک دی گئیں موت کا فرشتہ حلقوں کی طرف ہاتھ بڑھا چکا تھا کہ اسے تھام دیا گیا۔ انسانیت کی پوری تاریخ عفوودرگزر کی اس مثال سے خالی ہے یہ ہر کسی کی نہیں صرف ''رحمتہ اللعلمین'' ہی کی شان تھی اور یہ وصف آپ ہی کیلئے مخصوص تھا۔

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں۔
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں۔
سلااس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی
سلام اس پرابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلا م اس پر جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا

سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
درود اس پر کہ جس کا نام تسکین دل وجان ہے
درود اس پر جس کے خلق کی تفسیر قرآن ہے

ایک مدت کے بعد صفا کی قسمت جاگی تھی کہ سرور کائنات وہاں تشریف لائے تھے۔

برزمینے کہ نشان کف پائے توبود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

صفا میں ایک اونچی جگہ پر حضورﷺ تشریف فرما ہوئے اور کافروں سے اسلام کے لئے بیعت لینی شروع کی قبول اسلام اور شرف بیعت کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا ناپاک آج پاک کئے جارہے تھے دلوں کی سیاہی ایمان کے آب حیات سے دھل رہی تھی، کردار اور سیرتیں بدل رہی تھیں جاہلیت کا غرور اور حسب ونسب کا افتخار آج مٹ رہا تھا...... بیعت کے شرف اور قبول ہی کی اس سعادت میں عورتیں برابر کی شریک تھیں۔ آج ان کی غلامی کی زنجیریں کٹ رہی تھیں اور ان کی قسمت کا ستارہ بھی شرف وعزت اور احترام ومحبت کے افق سے چمک رہا تھا یہ محمد رسول اللہﷺ تھے "نیکوں میں سب سے بڑے نیک اور پاکبازوں میں سے زیادہ پاکباز" حضورﷺ کی سیرت مقدسہ اور سوانح حیات میں یہ چیز کہیں نہیں ملتی کہ آپ نے کسی نامحرم عورت کا ہاتھ کبھی چھوا ہو۔ اس لئے فتح مکہ کے دن عورتیں جب قبول اسلام کے لئے حاضر ہوتیں تو حضورﷺ ایک پیالے میں دست مبارک ڈال کر نکال لیتے اور عورتیں پھر اس پیالہ کے پانی سے انگلیاں بھگوتیں۔ یہ عورتوں سے بیعت کا طریقہ تھا۔

☆ مکہ میں! ☆

تمام کفار مکہ کے دل ابھی صاف نہیں ہوئے تھے کسی کسی کے دل میں ابھی کھوٹ باقی

تھی ...... فتح مکہ کے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف فرما رہے تھے، عمیر کا جوشیلا بیٹا فضالہ گھات میں تھا۔ اس نے دیکھا کہ حرم میں لوگوں کی اس وقت بھیڑ نہیں ہے۔ اکا دکا آدمی آجا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے جسم پر ہتھیار بھی نہیں ہے بالکل نہتے ہیں ایسا موقعہ کبھی نہیں آئے گا۔ ہو نہ ہو قاتلانہ حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دوں، محمد ﷺ قتل ہو گئے تو مکہ کی تاریخ کا رخ اسی آن بدل جائے گا۔ یہ اسلام اور اہل اسلام کی ساری گرمجوشی انہی کے دم قدم سے ہے دولہا نہ رہا تو براتی بھی تتر بتر ہو جائیں گے۔ اس شخص نے ہماری آبائی عفت عظمت کے صحیفوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ قصیٰ اور عدنان کی روحیں تڑپ رہی ہونگی کہ قریش کا وقار خاک میں مل گیا۔

فضالہ تلوار میں چھپائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آیا ...... کیا فضالہ آرہا ہے ......رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا

......جی ہاں میں فضالہ ہی ہوں ...... فضالہ نے جواب دیا۔

......تم ابھی ابھی اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے ...... رسول اللہ ﷺ نے کہا۔

......جی! کچھ نہیں (خوفزدہ ہو کر) میں تو دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہا تھا

......فضالہ کے اس جواب پر حضور ﷺ کو ہنسی آگئی اور ارشاد فرمایا۔

"تم اپنے خدا سے معافی چاہو......

یہ کہہ کر حضور نے فضالہ کے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا فضالہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کی ذات سے بیزاری تھی، مجھے جھنجلاہٹ آتی تھی کہ ان کی بدولت قریش کی خاندانی عظمت پامال ہو گئی۔ مگر حضور ﷺ کے دست مبارک کے مس ہوتے ہی میرا سینہ سکون و اطمینان کا گنجینہ بن گیا اور آپ کی محبت اور عقیدت کا دریا دل میں جوش مارنے لگا۔

فضالہ مکہ کے وہ نوجوان تھے جن کی راتیں جام ومینا اور پری وشوں کے جھرمٹ میں بسر ہوتی تھیں شراب پی ، نشہ ہوا اور بہت سی ہوسناک آغوشوں کو پذیرائی کیلئے تیار پایا، پاکبازی کے تصور سے اہل مکہ کی دنیا کوسوں دور تھی گانا بجانا ، پینا پلانا، نامحرم عورتوں کے ساتھ اختلاط ،قماربازی فحش باتیں...... ہر شخص کی یہ تمنا تھی۔

اتنی برس پڑے کہ نہالوں شراب میں

فضالہ جب حضورﷺ کے پاس سے واپس ہوئے راستہ میں ان کی محبوبہ کا گھر پڑتا تھا اس عورت نے دور سے دیکھا فضالہ کے چہرے کو بدلا ہوا پایا۔ ہوسناک نگاہیں اب جھکی ہوئی تھیں۔۔ جیسے بار حیا سے یہ اب زمین سے لگ کر پھر اٹھیں گی نہیں! عورت محسوس کر رہی تھی کہ فضالہ نے غلط انداز نگاہ سے بھی اس کی طرف نہ دیکھا فضالہ قریب سے گزرے تو اس نے خود ہی ٹوک کر کہا

......فضالہؓ! میری ایک ذرا سی بات تو سنتے جاؤ

حضرت فضالہ نے نگاہیں نیچی کر کے جواب دیا:۔

......نہیں نہیں ! خدا اور رسول ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں اللہ غنی ! یا تو ہوسناکی اور معصیت کوشی کا وہ عالم......اور اب پاکبازی کا یہ انداز:۔

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا۔

حضورﷺ کا جن دنوں مکہ میں قیام تھا وہاں ایک اور واقعہ پیش آیا، اسود بن عبداللہ کی ایک لڑکی فاطمہ نام کی تھی اس نے عجب تماشا کیا چند گھرانوں میں چلی گئی اور عزیزوں اور جاننے والوں کے نام سے دھوکا دے کر زیورات لے آئی پھر ان کو بیچ کھایا۔ یہ مقدمہ رسول اللہﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ لوگوں نے مشورہ کر کے حضرت اسامہ بن زید سے کہا کہ آپ رسول اللہ

ﷺ سے سفارش کر دیں کہ فاطمہ بنت اسود کو حضور ﷺ چھوڑ دیں۔ اس بیچاری سے بھول چوک ہو گئی تھی مکہ کا ماحول ہی اس قسم کا رہا ہے۔ حضرت اسامہ نے حامی بھر لی بلکہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کر بھی دی اس پر حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا فرمایا:۔

......تم حدود اللہ کے بارے میں میرے پاس سفارش لے کر آئے ہو، حضرت اسامہ کو اپنی حرکت پر بڑی ندامت ہوئی لجاجت کے وساتھ عرض کی۔

......یارسول اللہ ﷺ میرے لئے خدا سے مغفرت طلب فرمایئے میں معافی چاہتا ہوں۔

جس دن اسامہ نے سفارش کی اسی شام کو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو عام مجمع میں تقریر کی۔

......گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب ان میں سے کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔

☆فتح مکہ کے بعد☆

مکہ فتح ہو چکا تھا مگر ابھی تک عرب کے بعض قبیلوں کے دلوں میں اسلام دشمنی کی آگ سلگ رہی تھی۔ کفر کی جاہلیت رہ رہ کر اکساتی اور ابھارتی۔ دیکھنا اہل مکہ کی طرح کہیں ہتھیار نہ ڈال دینا عرب کی غریت شکست قبول نہیں کر سکتی۔

......مکہ سے کچھ دوری کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی بستی میں غیر معمولی چہل پہل نظر آ رہی ہے لوگ خیموں اور خس پوش مکانوں میں آ جا رہے ہیں۔ ہر شخص کسی تیاری میں مصروف ہے ترکشوں میں تیر ڈالے جا رہے ہیں کمانوں کو آزمایا جا رہا ہے۔ اور تلواریں اکٹھی کی جا رہی

ہیں۔

......اب جینا بے مزہ ہے ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے......ایک بوڑھے عرب نے کہا۔

......آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ ہبل توڑ دیا گیا لات و عزیٰ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اپنے معبودوں کی بے عزتی کا ہم مسلمانوں سے انتقام لیں گے موت یا فتح بس یہ ہمارا نعرہ ہے۔ ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک تن میں ایک سانس بھی باقی ہے۔ ہماری تلواروں کی ترشی فتح مکہ کے نشہ کو بہت جلد اتار دے گی۔

دوسرے شخص نے جواب دیا۔

......قبیلہ ہوازن کی طرف سے قاصد آیا ہے وہاں ہر طرح کی تیاری مکمل ہو چکی، انہوں نے کہلا بھیجا ہے کہ ہم اہل، خیبر کے اشارے کے منتظر ہیں ہمیں رزم گاہ میں آیا ہوا ہی سمجھو، طائف اور مکہ کے نخلستان اور باغ دونوں قبیلوں میں آدھے تقسیم ہونگے ۔مسلمانوں کا پلہ نیچا دیکھیں تو اہل مکہ بھی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ ان کے دلوں کے زخم ابھی ہرے ہیں۔ موقعہ کی نزاکت سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔

......ایک بدوی سردار نے زمین پر ٹیک کر کہا۔

قبائل کو پھر ایک بار مسلمانوں کے خلاف ابھار دیا گیا۔ شعلہ بیاں خطیبوں نے بستیوں میں جا جا کر تقریریں کیں کہ ہم اپنے معبودوں کا بدلہ ضرور لیں گے۔ مسلمان مکہ میں ہمارے خداؤں کو ذلیل کر کے عزت کے ساتھ مدینہ واپس نہیں ہو سکتے۔ ہماری تلواریں اخر کس دن کام آئیں گی۔......بنی مضر اور بنی ہلال کے قبیلوں نے بھی ہوازن کے اعلان جنگ پر ''لبیک'' کہا اس جنگ میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ مال و دولت یہاں تک کہ اونٹوں اور

بکریوں کو بھی ساتھ لے لیا گیا کہ تا کہ لڑنے والے اہل خاندان اور مال و دولت کے بچاؤ کے لئے آبادیوں کا رخ نہ کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب قبیلوں کی اس جنگجویانہ تیاری کا علم ہوا تو آپ بھی جانثار صحابہ کو لے کر مکہ سے آگے بڑھے، حرم کے متصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ خود مکہ کے دو ہزار اشخاص اسلامی فوج میں شریک ہو گئے۔ ان میں وہ افراد بھی تھے جو حال ہی میں ایمان لائے تھے۔ نومسلموں کے علاوہ جن بت پرستوں سے معاہدہ ہوا تھا ان کے لوگ بھی لشکر اسلام میں بھرتی ہو گئے اور یہ تعداد بڑھتے بڑھتے بارہ ہزار تک پہنچ گئی فوج کی کثرت دیکھ کر دلوں میں کچھ غرور پیدا ہو گیا۔

کافروں کی فوج سے جیش اسلام کا مقابلہ ہوا۔ قبائل نے پہلے ہی سے اپنی فوج کو ایک ایسے مقام پر صف آرا کر رکھا تھا جہاں سے مسلمانوں پر بڑی آسانی سے مسلمانوں کے پہ تیر برسائے جا سکتے تھے۔ کافروں نے پوزیشن لے کر مسلمانوں کی فوج پر تیروں کا مینہ برسا دیا، آگے کے دستہ پر تیروں کی بھرپور زد آکر پڑی، زخمی فرش خاک پر گرنے لگے۔ تیروں کا اولوں کی طرح تانتا بندھا تھا، مسلمان فوجیوں کو سر اٹھانے سوچنے اور اس نازک صورت حال کے لئے کوئی تدبیر کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ چاروں طرف موت ہی موت دکھائی دیتی تھی۔ لوگ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر ایسے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اطمینان کے ساتھ سواری سے اترے فرمایا:۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ میں نبیؐ ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم یہ تھا کہ فوجوں، جماعتوں اور لشکروں کی ہار جیت کا

میری نبوت کی سچائی پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ میری خود ذات اپنی جگہ صداقت کا معیار ہے۔

☆غزوۂ تبوک☆

شام تجارت کی بہت بری منڈی تھی ۔مکہ اور مدینہ سے اکثر تجارتی قافلے وہاں آتے جاتے رہتے...... ہجرت نبوی گا نواں سال تھا کہ ایک قافلہ شام کی طرف سے مدینہ آیا اور قافلہ والوں نے صحابہ کرام کو دوسرے حالات سفر کے علاوہ ایک نہایت اہم واقعہ کی اطلاع دی۔

......ہم شام سے آ رہے ہیں، اس سال کپڑے کا بھاؤ بہت مندا رہا۔یمنی چادریں چار چار درہم میں بکی۔

......تجارت میں اتار چڑھاؤ تو ہوتا ہی رہتا ہے

......مگر تجارتی حالات سے زیادہ اہم بات ہم آپ سے کہنے کیلئے آئے ہیں۔

......وہ کیا؟ جلدی کہئے! پہلے آپ کو وہی بات کہنی تھی۔

......شہنشاہ قیصر نے اپنی بادشاہت میں عام اعلان کر دیا ہے کہ موتہ کی شکست کا مسلمانوں سے انتقام لیا جائے گا۔آج ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں نے میرے حاکم کو شکست دی ہے کل وہ مجھ پر چڑھ دوڑیں گے۔ان کہ ہمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔اس فتنہ کو پوری قوت سے کچل دینا چاہیے

......یہ خبر تو یقیناً بہت زیادہ تشویش ناک ہے قیصر کوئی یمامہ اور عنان کا حاکم اور فرمانروا نہیں ہے وہ تو شہنشاہ ہے، کسریٰ کے علاوہ اس کی ہمسری کا بادشاہ آج اور کون ہے؟

......ارے صاحب! عیسائیوں کے تمام قبیلے بھی مل گئے ہیں۔ صلیبیں ہاتھوں میں لے کر لوگوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ مدینہ کو فتح کر کے دم لیں گے۔ عوام میں عجیب جوش پایا

جاتا ہے۔ گھوڑے، تلوار نیزے، تیر کمان زرہیں، آہنی خود اور غلہ جمع ہو رہا ہے۔

......تو پھر کیا ہو گا۔

......اس قدر کمزوری کی باتیں کیوں کرتے ہو فضیلؓ! ہم قریش کی بڑی بڑی جمعیتوں کو شکستیں دی ہیں۔......اور وہ بھی انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہمارا ابھروسا اللہ پر ہے۔ قیصر کو اپنی شہنشاہی پر گھمنڈ ہے مگر میدان جنگ میں اس کافر کی اولاد کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں! حق کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا، سچائی جھوٹ سے دب نہیں سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو حضور ﷺ نے جنگ کی تیاری کے لئے عام اعلان فرما دیا۔ یہ قیصر روم سے مقابلہ تھا۔ پہلی تمام لڑائیوں سے بڑی لڑائی تھی۔ اس لئے بہت زیادہ سازوسامان کی ضرورت تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ اونٹوں اور گھوڑوں کی قطاریں اور ایک ہزار درہم لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے چالیس ہزار درہم حاضر کئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے گھر کے تمام مال اسباب میں آدھا حصہ نذر کیا......

......یہ کون آ رہا ہے۔ تیز تیز! عبا کا دامن زمین پر گھسٹ رہا ہے۔

......ابو قحافہ کے نامور بیٹے ابو بکرؓ ہیں۔

......ارے صاحب! یہ تو اپنے ساتھ اونٹ، بکری، تلواریں، زرہیں، پہننے کے کپڑے، یہاں تک کہ پانی پینے کے برتن تک لئے جا رہے ہیں۔

......پھر صدیق اکبرؓ جو ٹھہرے، رسول اللہ ﷺ کے یار غار، سچے رفیق! ان کے ایثار کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ اب تک عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؓ کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ آدھا مال لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے۔......مگر صدیق اکبرؓ کا ایثار سب سے بڑھ گیا۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

......اور ایہا الاخوان ! گھر کا ایک اک تنکا حاضر کرنے کے بعد ابوبکرؓ کس طرح سر جھکائے کھڑے ہیں۔ گویا ان سے کچھ بن نہ آسکا۔ اس عالی ظرفی، جاں نثاری، ایثار اور جذبہ ایمانی پر آنے والی نسلیں فخر کیا کریں گی۔

ابو عقیلؓ ایک غریب انصاری تھے، مزدوری کر کے پیٹ پالتے، کبھی کام نہ ملتا تو گھر میں فاقہ رہتا، رسول اللہ کا اعلان سن کر ان سے نہ رہا گیا ایک شخص کے نخلستان میں پہنچے اور رات بھر مزدوری پر کنویں سے پانی نکال کر درختوں کو سیراب کرتے رہے۔ اس مشقت کی مزدوری چار سیر کھجوریں ملی، دو سیر تو بال بچوں کو دے آئے اور آدھی کھجوریں لے کر دربار نبیؐ میں حاضر ہوئے، دل اندر سے بھینچا بھینچا سا تھا۔ اپنی ناداری پر افسوس ہو رہا تھا۔ سوچتے تھے کہ دوسرے لوگوں نے تو درہم و دینار کے ڈھیر لگا دیئے ہیں میری ان دو سیر کھجوروں کی کیا وقعت ہو گی۔ بلکہ دیکھنے والے الٹا مذاق اڑائیں گے۔ کہ اس حقیر حدیہ کے لانے سے تو یہ اچھا تھا کہ گھر میں بیٹھے رہتے...... مگر صاحب ''لفقر فخری'' نے ابو عقیلؓ کے خلوص کی یہ قدر افزائی کہ ان کی لائی ہوئی کھجوروں کو تمام قیمتی مال واسباب پر بکھیر کر اس ہدیہ اخلاص کو سب سے اونچا کر دیا۔ انصاری کا دل رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ دل کی بھینچاوٹ اور طبیعت کا ملال جاتا رہا۔ وہ اپنی تہی دستی پر ناز کرنے لگے۔

شدید گرمی کا زمانہ تھا، آسمان سے سچ مچ آگ برس رہی تھی اور زمین آتش کدہ بن گئی تھی۔! جھلسا دینے والی لو چل رہی تھی، یہ زمانہ گھروں میں بیٹھ کر آرام کرنے کا تھا۔ سفر بھی کوئی منزل دو منزل کا نہ تھا۔ سیکڑوں میل کی مسافت گرمی کی شدت، راستہ میں کوسوں تک پانی اور سایہ دار درختوں کا پتہ نہیں! سواریوں کی قلت اس پر مستزاد! ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی سوار اور بہت

سے تو پیدل چل رہے تھے۔ شدید مصائب کا سامنا تھا مگر صحابہ کرامؓ نے ہر تکلیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔

تبوک میں پہنچ کر مسلمانوں کا یہ لشکر جس کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی ٹھہر گیا، اب آگے شام کا علاقہ تھا، ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ تبوک میں قیام فرما رہے، اہل شام کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ پر ان کے حملہ کرنے سے پہلے مسلمان خود کیل کانٹے سے لیس ہو کر حدود شام تک آن پہنچے ہیں تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں، قیصر کا جوش انتقام سرد پڑ گیا اور جن عیسائی نوجوانوں نے مسلمانوں کو خاک خون میں تڑپانے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کے ولولوں نے آپ ہی آپ ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں کے اس دلیرانہ اقدام نے روم، شام ہی نہیں مصر تک کو ہلا دیا، جہاں جہاں اس واقعہ کی اطلاع پہنچی لوگ محسوس کرنے لگے کہ کسی انقلاب کا ظہور ہونا والا ہے

☆ایک جاں نثار☆

ایک صحابی کا نام عبد اللہؓ اور ذوالبجادین القب! یہ ابھی بہت کمسن تھے کہ باپ چل بسے، چچا نے یتیم بھتیجے کی پرورش کی۔ بچپن ہی میں اسلام کی آواز کان میں پڑ چکی تھی، یہ شوق بڑھتا ہی چلا گیا، چچا ان پر مہربان تھا، یہ بڑے ہوئے تو اس نے بکریاں اور مال واسباب دے کر بھتیجے کی بہت کچھ غمگساری کی۔

چچا بت پرست تھا، اسلام سے دشمنی رکھتا اور مسلمانوں سے جلتا، چچا کے ڈر کے مارے عبد اللہ کا شوق دبا دبا رہا، وہ دل کی بات کا کھل کر اظہار نہ کر سکے۔ مگر ایمان کا ولولہ کب تک دب کر رہتا، آخر ایک دن انہوں نے ہمت کر کے چچا سے صاف صاف کہہ دیا کہ پیارے چچا! میں برسوں سے انتظار کر رہا ہوں کہ آپ اب اسلام لاتے ہیں تب اسلام لاتے ہیں لیکن آ

پکا اب تک وہی حال ہے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ جانے کہ کب موت کا فرشتہ آن پہنچے مجھے تو آپ اجازت دے دیجئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں، اس سعادت سے آخر میں کب تک محروم رہوں گا۔

بھتیجے کی اس گفتگو کو سن کر چچا آگ بگولا ہو گیا، آنکھیں غصہ کے مارے لال ہو گئیں، غضب ناک لہجہ میں بولا۔

......کان کھول کر سن لے عبدالعزیٰ (عبداللہ کا زمانہ کفر کا نام تھا) اگر تو نے محمد ابن عبداللہ ﷺ کا دین قبول کیا تو تیرا سارا مال و متاع چھین لونگا۔ یہاں تک کہ تیرے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی نہ رہنے دونگا۔

عبداللہ کے دل میں اسلام گھر کر چکا تھا، دنیا کے مال و دولت کا لالچ ان کو اپنی طرف اب کھینچ نہ سکتا تھا۔ چچا سے بولے۔

"بت پرستی اور مشرکانہ باتوں سے میری طبیعت بیزار ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ضرور کرونگا، اب رہی دنیا اور اس کی اتباع تو اس کا کوئی بھروسا نہیں ان سب چیزوں کو یہیں ایک دن رہ جانا ہے۔ ان چیزوں کے لئے میں سچے دین کو چھوڑ دوں...... یہ کتنی خسارہ کی تجارت ہے آپ شوق سے ایک ایک چیز مجھ سے لیجئے!

عبداللہ ذوالبجادین کا چچا بھی بڑا ظالم اور ہٹ کا پورا نکلا، اسلام کا نام سنتے ہی وہ سر سے لے کر پیر تک اور دل سے لے کر نگاہ تک بدل گیا۔ آنکھوں میں رحم و کرم کی جگہ بے مروتی آ گئی، جیسے نہ وہ اس کا چچا ہے اور نہ یہ اس کا بھتیجا! خون اور قرابت کی محبت بھی جاتی رہی۔ اس ظالم نے عبداللہؓ سے ایک ایک چیز چھین لی یہاں تک کہ جسم سے کپڑے بھی اتروا لئے۔

عبداللہ اسی طرح اپنی بوڑھی ماں کے پاس پہنچے، بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر ماں کا جی بھر آیا

، پوچھا...... بیٹے کیا ہوا؟ یہ تمہارے کپڑے کس نے چھین لئے؟ عبداللہ نے جواب دیا کہ ماں میں اسلام لا چکا ہوں اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق رکھتا ہوں، میں مدینے پہنچ کر ہی رہونگا۔آپ سے ہوسکے تو میری تن پوشی کیلئے کپڑے کے بندوبست فرمادیجئے۔ماں نے بیٹے کو ایک کمبل دیا عبداللہ نے کمبل کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑے کو تہہ بند کی طرح باندھا اور دوسرا چادر بنا کر اوڑھ لیا اور مدینہ کے لئے چل پڑے۔

مال ومتاع کے چھین جانے کا عبداللہ کو ذرا بھی ملال نہ تھا۔وہ جی ہی جی میں خوش ہورہے تھے کہ مدینہ پہنچ کر پیغمبر اسلام کے دیدار سے مشرف ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔ان کی چشم عنایت ایک طرف اور دوسری دنیا کی نعمتیں ایک طرف! میں نے اس تجارت میں نفع کمایا، کچھ کھویا نہیں دنیا کو دین پر ترجیح دی، اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

جھلملائے ہوئے ستاروں کی چھاؤں میں عبداللہ مسجد نبوی میں پہنچے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، انتظار کی گھڑیاں بہت صبر آزما ہوتی ہیں۔ایک ایک لمحہ اک ایک صدی معلوم ہوتی ہے...... اتنے میں خورشید رسالت طلوع ہوتے نظر آیا، عبداللہ کی آنکھوں میں عقیدت کی روشنی آ گئی تمنائیں فرط مسرت سے جھومنے لگیں۔

......تم کون ہو؟...... رسول اللہ ﷺ نے محبت بھری آواز میں کہا۔

......میرا نام عبدالعزیٰ ہے یارسول اللہ ﷺ! غریب الوطن ہوں تہی دست ہوں، دیدار اقدس یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ہدایت کا طلب گار ہوں......

......دیکھو! تمہارا نام ہے عبداللہ اور لقب ذوالبجادین، تم ہمارے پاس رہو اور مسجد میں قیام کرو...... رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر عبداللہ کا چہرا خوشی سے ارغوانی ہوگیا۔اس کو تمنا سے زیادہ اور اس کے حوصلے سے بڑھ کر نوازا گیا!

اہل صفہ ان نادار صحابہؓ کی جماعت تھی وہ بہت زیادہ وقت حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتے ،قرآن پڑھتے ،حدیثیں سنتے اور خدا کی عبادت کرتے ،عبداللہ بھی اسی جماعت میں شامل ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین کو قرآن پاک سے خاص شغف تھا ،وقت کا زیادہ حصہ قرآن سیکھنے اور پڑھنے میں گزرتا ایک دن مسجد نبویؐ میں صحابہؓ کرام نماز پڑھ رہے تھے عبداللہؓ تلاوت میں مصروف تھے ،حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سے شکایت کی کہ یہ اعرابی قرآن اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے۔کہ لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس پر شفقت آمیز انداز میں ارشاد فرمایا۔

......عمر اس شخص سے کچھ نہ کہو یہ تو خدا اور رسول کے واسطے سب کچھ چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔

یہ عبداللہ ذوالبجادین معرکہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے ،گرامی شدد کی وجہ سے عبداللہ کو بخار آگیا ،ہر مرض شروع میں یونہی سا ہوتا ہے۔ہر بیمار یہ سمجھتا ہے کہ اچھا ہو جاؤں گا۔اخیر دم تک امید بندھی رہتی ہے

......مگر عبداللہ کا وقت آچکا تھا ، بخار بڑھتا ہی گیا ،تپش میں کمی نہ ہوئی ،جنگل میں لو نے شدت تپ کو اور بھڑکا دیا ،یہاں تک کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا اور اللہ کا نیک بندہ اللہ سے جاملا۔

قبر کھودی گئی اتنے میں رات ہوگئی ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا ،حضرت بلالؓ نے چراغ ہاتھ میں لیا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ خود رسول اللہ ﷺ قبر میں اترے ،صدیقؓ و فاروقؓ جب جنازے کو لحد میں رکھنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمانے لگے۔

"اے بھئی ، بھائی کے ادب اور احترام کا خیال رکھو......"

قبر میں جنازہ رکھ دیا اور قبر پاٹ دی گئی ،رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبر پر اینٹیں رکھیں پھر دعا فرمائی۔

......بارالہا! آج شام تک میں اس شخص سے راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان......اسی لئے تو عبداللہؓ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی نے تمنا کی کہ کاش! ذوالجبادین کی جگہ میں اس قبر میں دفن کر دیا جاتا۔

......حضرت کعبؓ بڑے رتبے والے صحابی تھے،غزوہ تبوک کے لئے انہوں نے خاص طور سے دو اونٹ خریدے تھے اور اونٹوں کو ہریالی اور چارہ کھلا کھلا کر فربہ بنایا تھا تاکہ اللہ کی راہ میں ان راہواروں کے قدم تیز تیز اٹھیں رسول اللہ ﷺ جانثار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے تبوک کو روانہ ہو گئے۔مگر کعبؓ نے سوچا کہ میرے اونٹ کافی تیز ہیں راستہ میں جا کر لشکر اسلام سے جا ملوں گا۔گرمی کا زمانہ تھا تمام فضا کرۂ ناربنی ہوئی تھی،کھجور کی فصل بھی آ چکی تھی......کعب یہی سوچتے رہے کہ آج چلتا ہوں کل چلتا ہوں دن گزرتے گئے اور عساکر اسلام مدینہ سے اتنی دور پہنچ گئیں کہ اب انتہائی تیزی کے ساتھ چلنے کے بعد بھی ان سے مل جانے کا امکان نہ تھا یہاں تک کہ تبوک میں قیام کر کے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سمیت مدینہ واپس بھی تشریف لے آئے۔

حضرت کعبؓ کو بڑی ندامت تھی کہ ہائے !میں نے یہ کیا کیا؟رسول اللہ ؟ کی خدمت میں حاضری دینا بہرحال ضروری ہے۔حضور ﷺ نے تبوک نہ جانے کا سبب دریافت کیا تو آخر کیا معذرت پیش کروں گا،مجھ سے شدید غفلت ہوئی،اب اس کے ازالہ کی کوئی صورت بھی نہیں ہے کیا کروں کیا نہ کروں،احساس ندامت رہ رہ کر میرے دل کو دبوچتا ہے کہ کعب تو نے بڑی غفلت کی!

کعبؓ کا نفس ابھارتا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانا ہو اور آپ استفسار فرمائیں تو بیسیوں بہانے اور سینکڑوں عذر تراشے جاسکتے ہیں یعنی یہ کہ میں بیمار ہوگیا، بیوی کو بخار آگیا ، بھائی اونٹ سے گر کر زخمی ہوگیا، گھر بھر میں صرف میں ہی اس کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کرنے والا تھا ...... رشتہ دار اور عزیز بھی نفس کی حیلہ سازیوں کی لے ملاتے کہ بھئی ! تمہاری نیت میں کھوٹ نہ تھی، تم تو بہرحال جانا چاہتے تھے، بس ذرا سی غفلت اور تھوڑی سی بھول چوک ہوگئی ۔رسول اللہ دریافت فرمائیں تو کوئی معقول عذر پیش کرنا، رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ذاتی واقعات کی تحقیق نہیں فرماتے۔ حضور ﷺ بہت سادہ طبیعت ہیں، تمہاری بات کو یقیناً درست مان لیں گے۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے اب رہا گناہ ثواب تو دنیا میں کس آدمی سے بھول چوک نہیں ہوتی کہ اپنی غلطی کی اللہ سے معافی مانگ لینا ،اس کی ذات تو ''رب الرحیم'' ہے ، سچے دل کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت کعبؓ کے لئے بڑی سخت آزمائش کا سامنا تھا، نفس کے وہ دھوکے اور عزیزوں کے وہ تائیدی مشورے...... مگر کعب نے جرات کے ساتھ فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بول کر ندامت سے بچنے کی تدبیر کرنا خود بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کعبؓ نفس کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ اور نہ عزیزوں اور دوستوں کے کے ہمدردانہ مشورے اس کے پایہ صداقت کو ڈگمگا سکتے ہیں۔ محمد ﷺ نے ہم سے سچ بولنے کا عہد لیا تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اسی ذات کے سامنے جھوٹے بہانے تراش کر دنیا دکھاوے کی ندامت سے بچنے کی کوشش کروں ۔سچائی میں بڑی جان ہے۔

''الکذب یھلک والصدق ینجی''

انشاء اللہ سچائی ہی مجھے نجات دلائے گی۔

کعبؓ سہمے ہوئے، جھجکے ہوئے لجائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، وہ سر سے پیر تک ندامت بنے ہوئے تھے، اوران کی شرمائی ہوئی نگاہیں عفوودرگزر کی بھیک مانگ رہی تھیں ۔رسول اللہ نے کعبؓ کی طرف دیکھ کرتبسم فرمایا، مگر یہ تبسم عتاب آمیز تھا، تبسم تبسم میں فرق ہوتا ہے یہ رنگ دیکھ کرہی کعبؓ کے ہوش حواس جاتے رہے، حضور نے تبوک نہ جانے کا پوچھا، کعبؓ نے عرض کیا:

......یارسول اللہ ﷺ! میرے منحوس نفس نے مجھے غفلت میں ڈال دیا، سستی کا مجھ بدبخت پرغلبہ ہوگیا اور شیطان نے مجھے راہ سے بھٹکا دیا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے خشم آلود لہجہ میں کعبؓ سے ارشاد فرمایا۔

......کعبؓ! تو یہاں سے اٹھ کر چلا جا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں حکم نازل فرمائے۔

کعبؓ بارگاہ نبوت سے اٹھ کر چلے آئے، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، دل بیٹھا جارہا تھا اور پاؤں اٹھتے نہ تھے جیسے ان میں سکت ہی نہیں رہی، یہ کہ کسی حاکم اور بادشاہ کی نہیں رسول اللہ ﷺ کی خفگی کا معاملہ تھا کعبؓ کے دل پر جو بھی گزرتا تھوڑا تھا......کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیزوں اورقرابت داروں نے کہا کہ کعبؓ! تو نے سچ بات کہہ کر اپنے کو مصیبت میں ڈال لیا، ارے نادان! دوسروں کی طرح تو بھی کوئی حیلہ تراش لیتا تو یہ روز بد دیکھنے کو نہ ملتا ۔کعبؓ نے جواب دیا کہ بھائیو! کسی دنیادار کے ساتھ معاملہ پیش آتا تو میں کوئی جھوٹ بات کہہ کر چھوٹ جاتا لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ہے ۔اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما کر اگر میرے جھوٹ کو کھول دیتا تو میں کہیں کا نہ رہتا

......ایہا الاخوان! اچھا یہ تو بتاؤ کہ میرے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے، کیا اور کسی کے ساتھ بھی یہ

صورت حال پیش آئی ہے۔۔۔۔۔۔کعبؓ نے دریافت کیا

۔۔۔۔۔۔ہاں! ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیع کے ساتھ بھی یہی معاملہ گزرا ہے۔۔۔۔۔۔لوگوں نے بالا اتفاق کعبؓ کو جواب دیا۔

اس کے بعد کا مرحلہ اور زیادہ سخت تھا، رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ کوئی مسلمان کعبؓ مرارہؓ اور ہلالؓ سے بات چیت نہ کرے ان تینوں کو یوں سمجھو کہ بائیکاٹ کر دیا گیا ہے، دو چار پانچ نہیں پورے پچاس دن اسی عالم کسمپرسی میں گزرے، آدمی کے ساتھ زندگی کی سو ضرورتیں لگی ہیں۔ کعبؓ کو بھی کام کاج سے گھر سے باہر جانا پڑتا گلیوں، بازاروں کھیتوں اور نخلستانوں میں! مگر کوئی مسلمان ان سے بات چیت نہ کرتا عجیب مشکل اور پریشانی کا سامنا تھا ،صحابہ کرام نے صاحب سلامت تک بند کر دی جیسے کعبؓ سے کسی کا واسطہ ہی نہیں ہے۔ اور یہ ان کے لئے بالکل اجنبی اور غیر ہے۔

ایک دن حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ سے باہر پہنچے ان کے چچازاد بھائی ابو قتادہؓ کا شہر سے باہر باغ تھا جہاں وہ ایک عمارت بنوا رہے تھے کعبؓ نے چچیرے بھائی کو سلام کیا مگر بھائی نے کوئی توجہ نہ کی بلکہ منہ پھیر لیا، کعبؓ نے دل گیر ہو کر کہا:۔

ابو قتادہؓ! تجھے معلوم تو ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہوں اور میرا دل شرک اور نفاق سے پاک ہے پھر تو مجھ سے کلام کیوں نہیں کرتا"

ابو قتادہ نے کعبؓ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش رہے، لبوں کو جنبش تک نہ دی کعبؓ کی طرف سے منہ پھیرے رہے کعبؓ نے ایک بار نہیں تین بار ابو قتادہؓ کو متوجہ کیا مگر انہوں نے ایک حرف بھی جواب میں نہ کہا۔

کعبؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کیلئے جاتے تو کوئی مسلمان ان سے کلام نہ کرتا یہ چپ

چاپ نماز پڑھ کر چلے آتے ...... اور یہ بھی کرتے کہ خاموشی کے ساتھ مسجد نبوی کے کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے اور اندازہ لگاتے کہ رسول اللہ مجھے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کعبؓ نے بارہا محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف کنکھیوں سے دیکھ رہے ہیں، میری پریشان حالی پر حضور ﷺ کو ترس آرہا ہے میں جب حضور ﷺ کی طرف دیکھتا تو حضور ﷺ نگاہیں پھیر لیتے۔

گھر کے لوگ کسی آدمی سے بولنا چھوڑ دیں تو بیچارہ دیوانہ ہو جائے یہاں تو سارے شہر نے کعبؓ کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ صاحب سلامت اور دعا سلام تک جاتی رہی کعبؓ کے دل کی جو حالت بھی ہو گئی کم تھی۔ کعبؓ تنہائی میں رونے لگتے، دنیا ان کی نگاہ میں تاریک تھی، امید کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تھی۔

جب سے اس نے پھیر لیں نظریں رنگ تباہی آہ! نہ پوچھ
نظریں کالی، سینہ ویراں دل کی حالت کیا کہیئے!

شام کا وقت تھا، سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا کہ کھجوروں کی ڈالیوں پر شام کی سیاہی کا دھواں سا نظر آتا تھا، لوگ کام کاج کر کے گھروں کو واپس جا رہے تھے راستوں میں بکریوں اور اونٹوں کی قطاریں دکھائی دیتی تھیں، پرندے دانہ دنکا چگ کر اپنے گھونسلوں کا رخ کر رہے تھے۔ ...... اور اونٹوں کے گلوں کی بجتی ہوئی گھنٹیاں جیسے سکوت شام آپ ہی آپ گنگنا رہا ہو، اتنے میں ایک نصرانی تیزی اونٹنی پر آتا ہوا نظر آیا۔

...... کعبؓ کہاں ہے! کعبؓ! جس کا تم مسلمانوں نے بائیکاٹ کر دیا ہے جس سے تمہارے نبی ﷺ ناراض ہیں۔ ...... نصرانی نے لوگوں سے دریافت کیا،

...... تم تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو ذرا تسلی کے ساتھ بات کرو ...... دیکھو! سامنے والے

باغ کے کنارے جو آدمی سر جھکائے کا بیٹھا ہے وہ کعبؓ ہے! تم مسافر ہو اس لئے ہم نے تمہاری خاطر کعبؓ کی طرف اشارہ کر کے اس کا پتہ بھی بتا دیا، ورنہ مدینہ کا کوئی آدمی پوچھتا تو ہم یہ بھی نہ کرتے......ایک بوڑھے عرب نے جواب دیا۔

نصرانی تیزی کے ساتھ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہکے پاس آیا اور اظہار مسرت کرتے ہوئے بولا، کعبؓ! خوش ہو جا، تیرے دن پھر گئے تیری قسمت کا ستارہ چمک اٹھا، بادشاہ سلامت نے تجھے یاد فرمایا ہے۔ یہ شرف بڑی قسمت والوں کو ملتا ہے......پھر اس نے شاہ غسان کا خط کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا اس میں لکھا تھا:

......اے کعبؓ بن مالک! مجھے معلوم ہوا ہے تیرا صاحب (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) تجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔اور اپنے یہاں سے اس نے تجھے نکال دیا ہے۔اور دوسرے مسلمانوں نے بھی تجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ جس شہر کے لوگ تجھ سے اتنے بیزار ہیں وہاں تجھ جیسے آدمی کا رہنا ٹھیک نہیں اس خط کے پڑھتے ہی ہمارے پاس چلا آ، ہماری نوازشیں تیری راہ دیکھ رہی ہیں۔

حضرت کعبؓ کی جگہ کوئی اور بندہ ہوتا ہوا ہوس وخوشی کے مارے پھولا نہ سماتا، یہ ایک بادشاہ کی طرف سے طلبی کا فرمان تھا، دنیا کی نعمتوں اور ہر طرح کی قدردانیوں کا اس میں وعدہ تھا......مگر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتوب شاہی اور فرمان خسروی کو پڑھ کر برافروختہ ہو گئے۔اس میں دل کا ملال بھی شامل تھا......ملال اس بات کا کہ میری اس حالت کو دیکھ کر بادشاہ مجھے کفر کی طرف بلاتا ہے۔اس ظالم کے دل میں آخر یہ خیال کس طرح پیدا ہوا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہمدینۃ النبی کو چھوڑ کر اس کے دربار کا رخ کر سکتا ہے۔

نصرانی خاموش کھڑا تھا، اسے توقع تھی کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے کہے گا کہ

مجھے اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر بادشاہ کے حضور لے چلو، میں گھر میں بھی نہیں جانا چاہتا اور گھر جاؤں تو کس کے پاس جاؤں، ایک ایک عزیز مجھ سے بیزار ہے۔ مگر نصرانی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت ذلت اور حقارت کے ساتھ فرمان شاہی آگ پر ڈال دیا۔

...... تیرے بادشاہ سلامت اور آقائے ولی نعمت کی نوازشوں سے میرے آقا کی بے التفاقی بہتر ہے...... حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصرانی قاصد سے کہا فرمان شاہی جل چکا تھا، آگ کا دھواں شام کے دھندلکے میں مل کر اور گہرا ہو گیا، نصرانی اپنی لمبی ڈاڑھی کو بیچ دیتا ہوا واپس چلا گیا، بہت تیز تیز آیا تھا مگر اس ناکامی کے بعد اس کے پاؤں آہستہ اٹھنے لگے تھے...... بڑی سخت آزمائش تھی کعبؓ کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے استقامت کو ذرا سی جنبش بھی نہ ہونے دی۔

وہ جس کا امتحان لیں اور جو ہو کامیاب اس میں
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے۔

اس مرحلہ سے نبٹ کر اور اس طوفان آزمائش سے گزر کر حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو یہ حکم دے کر بھجوایا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا کہ وہ اپنی بیوی سے دور رہے! حضرت کعبؓ نے دریافت فرمایا کہ اس حکم کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں، ارشاد ہوا نہیں طلاق نہیں اس کے بستر سے دور رہو! اس پر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چہیتی بیوی اور شریک زندگی کو اس کے باپ کے گھر بھجوا دیا۔

اس عالم میں پورے پچاس دن گزر گئے، کعبؓ کے دل پر غم کے آرے چل رہے تھے

، دنیا کا دکھ درد تجارت کا نفع ٹوٹا، کسی دوست عزیز کی خفگی ہوتی تو برداشت کی جا سکتی تھی، یہ خدا رسول کا مسئلہ تھا، یہاں ہر آن ایمان جاتے اور عاقبت برباد ہونے کا خطرہ تھا، کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غم والم کا کوئی اندازہ نہ تھا، جس کے دل پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے...... کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زیادہ وقت توبہ استغفار میں گزرتا۔

رات کا وقت تھا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان کے بالائی حصہ پر تھے ...... کیا غم والم کی حالت میں بیچارے پڑے ہوئے تھے نڈھال پریشان ملول و دل گرفتہ زندگی اب ان پر بار گزرنے لگی تھی...... اتنے میں ایک شخص نے ٹیلہ پر کھڑے ہو کر کعبؓ کو زور سے پکار کر کہا:۔

کعبؓ! تجھے مژدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔

اس خوشخبری نے کعبؓ کی امیدوں کو نئے سرے سے زندگی عطا کی آنکھوں میں شکر مسرت جھلکنے لگی، زرد چہرے میں سرخی ڈور گئی وہ بالا خانہ سے نیچے آنے کا قصد ہی کر رہے تھے کہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت دی کہ غزوہ تبوک میں جو مسلمان شریک ہونے سے رہ گئے ہیں ان کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی!

خبر کی اب پوری تصدیق ہو گئی، کعبؓ معاً! سجدے میں گر پڑے یہ سجدہ شکرانہ تھا، ہر موئے تن اللہ کا شکر بجا رہا تھا، پھر وہ حضور کی خدمت اقدس میں دوڑے ہوئے پہنچے، مہاجرین وانصار وہاں بیٹھے تھے، کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا...... چودھویں رات کے چاند کی طرح...... مگر یہ بھی ناقص اور ادھوری تشبیہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود آپ اپنی مثال آپ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:۔

...... اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! بشارت ہو تجھے! تیری توبہ بارگاہ الٰہی میں قبول

ہوگئی ہے جس دن سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس دن سے بہتر کوئی دن تجھ پر نہ گزرا ہوگا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریک دنیا ایکا ایکی شعاع امید سے جگمگا اٹھی۔ ابھی آنکھوں میں آنسو اور لب پہ آہیں تھی اور اب ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

☆ بادشاہوں کے نام خط ☆

حدیبیہ میں جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو قریش کے سفیر سہیل اس پر بات بگڑ گئے تھے کہ معاہدے میں ''رسول اللہ'' نہیں لکھا جائے گا۔ چنانچہ یہ لفظ لکھ کر مٹا دیا گیا...... مگر اب حق مظلومیت کے دور سے گزر چکا تھا اس کے غلبہ اور دنیا پر چھانے جانے کا زمانہ آگیا تھا۔ سچائی کے ابلتے ہوئے چشمے اب کسی کے روکے رک نہیں سکتے تھے۔ وہ دیکھئے عمرو بن امیہ الضمری صبا رفتار ناقہ پر کسی دور دراز سفر کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں پانی کی چھاگل بھی ساتھ ہے ستو اور کھجور کی تھیلیاں بھی لٹک رہی ہیں اور ان کے ساتھ ایک تحریر بھی ہے...... تحریر...... جی ہاں! رسول کا فرمان حبش کے بادشاہ اصحم کے نام! نجاشی (Nebus) کے لقب سے مشہور ہے یہ فرمانروا...... اس فرمان میں حبش کے فرمانروا کو اسلام لانے کی دعوت دی گئی ہے...... اے لو! رسول اللہ کے قاصد حبش پہنچ بھی گئے ہیں بیچارے بہت تھکے ہوئے ہیں، سفر بھی تو کئی مہینوں کا تھا بادشاہ نے مکتوب نبوی کو پڑھا چوما، آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہوگیا، اس نیک سیرت انسان نے دلیلیں نہیں مانگیں معجزے طلب نہیں کئے رسول اللہ کا نامہ گرامی پڑھتے ہی خدا کی وحدانیت اور محمد ابن عبداللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کر لیا...... صلیبیں خوف کے مارے گریں جا رہی تھیں اور گرجاؤں کے در و دیوار سے بیکسی برس رہی تھی، حق آچکا تھا باطل کو مٹ جانا ہی چاہیے تھا۔

یہ کون بزرگ ہیں؟ خوش منظر، دیدہ زیب، احساس ذمہ داری تیوروں سے نمایاں ہے، یہ علاءؓ بن الحضر امیؓ ہیں، منذر شاہ بحرین کے پاس اسلام کی دعوت لے کر جا رہے ہیں شاہ بحرین کہنے کو تو شہنشاہ فارس کو خراج دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ خود مختار فرمانروا ہے سچ مچ "مالک رقاب امم" اپنے حدود سلطنت میں سیاہ و سپید کا مالک!...... فرمان نبوی کو پڑھ کر اس کو ایمان کی سعادت نصیب ہوگئی اور تنہا نہیں اس کی رعایا کی اکثریت مسلمان ہوگئی، ایمان کا آفتاب طلوع ہوا تو اس نے گردوپیش کو بھی منور کر دیا۔

مصر و اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس اور ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے پاس بھی قاصد دعوت اسلام اور منشور ہدایت لے کر پہنچے...... خسرو نامہ مبارک کو پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا، حضور ﷺ کے فرمان کو بھرے دربار میں چاک کر دیا اور شان رسالت میں گستاخانہ کلمات کہے ...... قاصد ایران سے واپس ہوا، اور حضور ﷺ سے تمام واقعہ عرض کیا، حضور ﷺ نے اس پر فرمایا:۔

...... اس نے خود اپنی قوم کا منشور سلطنت پارہ پارہ کر دیا۔ یہ کوئی قصہ کہانی ہے کہ بات آئی گئی ہوگئی لفظوں کا حقیقت سے کوئی ربط ہی نہ ہو، یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس گستاخ اور زبان دراز خسرو کو خود اسے کے بیٹے نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں کسریٰ کی حکومت کے ٹکڑے اڑ گئے۔...... خسرو پرویز کو شاہ حبش کی قسمت نہ مل سکی۔ گمراہی اور تباہی اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی کفر کی جہالت قبول حق کی راہ میں مزاحم ہوئی یہاں تک کہ خسرو کی زندگی کا طلسم ہی ٹوٹ گیا۔!

بارگاہ نبوت سے فرمان صادر ہو رہے تھے قاصد درباروں میں پہنچ کر فرمان پیش کرتے

دومتہ الجندل کے حکمران اکدیر غسان کے فرمانروا جبلہ اور نجد کے بادشاہ ثمامہ کی قسمت کے ستارے کفرو جہالت کے اندھیرے سے نکل چکے تھے۔ایمان کی سعادت نصیب ہوئی ......جو مغرور ازلی، بد بخت اور حکومت کے نشہ میں چور تھے وہ اس سعادت سے محروم رہے حق کی آواز ان کے کان کے پردوں سے ٹکرا کر رہ گئی۔دل میں گھر نہ کر سکی، نفس نے بڑھاوے دیئے کہ دیکھنا! اپنے آبائی مذہب سے کہیں منحرف نہ ہو جانا تمہارے باپ دادا کی روحیں کیا کہیں گی......اور شیطان نے بہکایا کہ تم خود لاکھوں انسانوں کی تقدیروں کے مالک ہو تمہاری زبان قانون ہے، تمہیں کسی مشورے اور دعوت کی کیا ضرورت! یہ تو ایک طرح کی ذلت اور شکست ہوئی کہ کسی نے کوئی خط بھیج دیا اور اس کے سامنے جبیں عقیدت جٹ سے خم ہو گئی......نفس کے ان دھوکوں نے حق واضح نہ ہونے دیا، اپنی اپنی قسمت اور اپنا اپنا نصیب ہے!

یہ کون ہے؟......یہ یمن و طائف کے سرحدی علاقہ کا حکمران ہے! نام ذی الکلاع اور حمیر کے شاہی خاندان کا چشم و چراغ ہے اس لئے ذی الکلاع اور حمیری کے نام سے مشہور ہے......اس کا دربار! حریر و دیبا کے پردے، ایرانی قالین، ہاتھی دانت کے بنے ہوئے دروازے سنہری اور روپہلی مثبت کاری، جڑاؤ اور قیمتی تخت درباری تو بڑے رتبہ کے ہوتے ہیں۔شاگرد پیشہ، نوکر چاکر اور غلام ایسی بھڑکیلی وردیاں پہنے ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں چاندی کی انگیٹھیوں میں عود و عنبر سلگ رہا ہے۔

......ہمارے خداوند نزول جلال فرمانے والے ہیں، بندے جبیں نیاز جھکانے کیلئے تیار ہو جائیں ......چوبدار نے کڑک کر کہا، اس کی آواز میں کافی رعب تھا، جیسے بادل گرج رہا ہے۔......اتنے میں ذی الکلاع آیا، سر پر تاج جگمگا تا ہوا یمن کے خوبصورت چھوکرے اس کی عبا کے دامن سونے کے طباقوں میں اٹھائے ہوئے اس کے آتے ہی تمام درباری سجدے

میں گر گئے...... ذی الکلاع مسکرایا، اگر وہ ہنس دیتا تو یہ خدا کی شان کے منافی تھا...... اس کا حکم تھا کہ لوگ اسے "خدا" کہہ کر مخاطب کریں بادشاہ سلامت! جہان پناہ! غریب پرور...... یہ سب فرسودہ اور پرانی اصطلاحیں ہیں۔

طائف و یمن کے اسی "خداوند" کے پاس رسول اللہ ﷺ کا فرمان پہنچا خدا کی شان میں نامہ مبارک کو پڑھتے ہی سچائی سامنے کھل کر آ گئی، وہ مسلمان ہو گیا اسلام لانے کے بعد خدا ترسی اور ایثار کا اس قدر جذبہ پیدا ہوا کہ ایک دن میں دس بیس نہیں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے۔

مسلمان ہونے کے بعد چند سال بادشاہت میں گزارے مگر خدا پرستی کی راہ میں ملوکیت کو بھی سنگ گراں پایا، راج پاٹ کو لات مار کر اور عیش و آرام کو تج کر مدینہ منورہ میں آ کر اقامت اختیار کر لی۔ ناز و نعمت کا پلا ہوا اور عیش و مسرت کے گہوارے میں جھولا ہوا اب موٹا جھوٹا کھاتا پہنتا اور زیادہ وقت خدا کی عبادت میں گزارتا۔

☆ایک سعید روح☆

قیصر روم کی شہنشاہی کے حدود دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بعض علاقوں پر گورنر مقرر تھے، اور کچھ حصے نیم خودمختیار حکمرانوں کے ماتحت تھے۔ جو شہنشاہ کے باج گزار تھے۔ شام کے علاقہ کی گورنری فردہ بن عمرو خزاعی کے سپرد تھی۔ اس زمانہ کا گورنر بھی آج کے مطلق العنان بادشاہوں سے زیادہ با اختیار ہوتا تھا۔

فردہ گورنر شام بھی مسلمان ہو گیا۔ ایمان لے آیا توحید پرستوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ بات چھپنے والی نہیں تھی، قیصر روم کو خبر ملی کہ فردہ اسلام لے آیا ہے دوسرے لوگ بھی اس کی دیکھا دیکھی اسلام کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں۔ اور فردہ کی تبدیلی مذہب عوام

پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

قیصر نے فردہ کو اپنے دربار میں طلب کیا، سپاہیوں کو حکم دیا کہ فردہ کو مہلت نہ دینا جلد سے جلد اپنے ساتھ لے کر آنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جان بچانے کے لئے عرب کی طرف بھاگ جائے اور اس کا فرار ہمارے لئے کسی فتنہ کا سبب بن جائے......فردہ کو دربار قیصر لایا گیا......میں نے سنا ہے کہ تم عیسائیت سے منحرف ہو کر مسلمان ہو گئے ہو......قیصر نے دریافت کیا۔

......جی ہاں! آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ میں اب تک تاریکی میں تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایمان کی روشنی عطا فرمائی، میں اب صرف خدائے واحد کو پوجتا ہوں "یہ ایک میں کا تین اور تین میں ایک" لغو اور خود تراشیدہ تصورات ہیں......فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہنے جواب دیا۔

......تمہاری یہ جرات ہوگئی کہ برسر دربار عیسائیت کی تردید کرتے ہو اور وہ بھی اس قدر بیباکی کے ساتھ جیسے تم قیصر شہنشاہ روم کے دربار میں نہیں بلکہ کسی حمام میں کھڑے ہو......قیصر نے عتاب آمیز لہجہ میں کہا۔

......حق کی بات دب کر نہیں کہی جاتی شہنشاہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور یہ منافقت اور فریب ہے۔ فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبا کا تکمہ چھوتے ہی بولا۔

......اگر تم نے اس نئے مذہب سے منہ نہ موڑا تو میں تمہیں گورنری کے عہدے سے معزول کر دونگا......قیصر نے جلالت آمیز لہجہ میں کہا۔

......مجھے قبول ہے کوئی چیز ایمان کی قیمت نہیں ہو سکتی فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہنے جواب دیا۔

......دیکھو! اب بھی کچھ بنا بگڑا نہیں ہے۔ میں تمہیں عزت کے ساتھ تحفے دے کر شام واپس کر دونگا، نادان نہ بنو! ملی ہوئی دولت کو نہ ٹھکراؤ......قیصر نے نرمی و ہمدردی کے انداز

میں کہا۔

......مجھے اسلام اور ایمان کے مقابلہ میں کسی دوسری عزت کی ضرورت نہیں۔ میرا فیصلہ اٹل اور محکم ہے۔ سارے جہان کی بادشاہت بھی میرے ایمان کی قیمت نہیں ہوسکتی ......اور قیصر روم کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے وہ فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکی بات پوری ہونے سے پہلے گرجنے لگا۔

......لے جاؤ اس بے عقل فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے سامنے سے...... لے جاؤ اسے قید میں ڈال دو، آہنی بیڑیاں پہناؤ، سختی کرو یہاں تک کہ اس کا دماغ درست ہو جائے۔

فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکو قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور طرح طرح کی سختیاں کی گئیں۔ قیصر نے چند دن بعد پھر دریافت کرایا کہ تم اسلام سے منہ موڑ لو تو میں اب بھی تمہیں گورنری کے عہدے پر بحال کرسکتا ہوں۔ پھر قتل کی دھمکی دی گئی۔ یہ بہت بڑی آزمائش تھی قیصر سمجھتا تھا کہ یہ جان کا معاملہ ہے اب فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکے پائے استقامت ڈگمگا ئیں گے۔ مگر فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہنے کہا جان تو ایک دن آخر جانی ہی ہے وہ تخت پر جائے یا سولی پر! لیکن کامیابی اس زندگی کے لئے بشارت اس جان لئے جو حق کی راہ میں کام آئے۔

فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......نہیں نہیں! حضرت فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکو قتل گاہ میں لایا گیا۔ مشکیں بندھی ہوئی پاؤں میں بھاری بیڑیاں! قیصر نے کہا:۔

......دیکھو اب تلافی مافات کا وقت باقی ہے میرے ایک اشارے میں جان بخشی ہوسکتی ہے۔

حضرت فردہؓ نے جواب دیا کلمہ پڑھا "اشھدان لاالٰہ الااللہ واشھدان محمدرسول اللہ" "اللہ" کی "ہ" زبان سے نکل ہی رہی تھی کہ بے رحم قاتل نے اسلام کے

فدائی کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ادھر بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام بارگاہ رسالت سے فرمان بھیجے جا رہے تھے کہ دوسری طرف عرب قبیلے جوق در جوق حضور اکرم ﷺ کی خدمت حاضر ہو رہے تھے۔ اسلام کی آواز دور دور پہنچ چکی تھی، تکبیر کی آوازیں نخلستانوں سے لے کر وادیوں، ٹیلوں پہاڑوں اور کوہساروں تک گونج چکی تھی، اسلام کی طرف دل کھنچتے ہی چلے جاتے تھے۔ جس نے اس آب حیات کا ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ پھر زندگی بھر کے لئے سیر ہو گیا۔ قبیلہ میں دو چار آدمی بھی مسلمان ہو جاتے تو ان کی چال ڈھال، رفتار گفتار اور سیرت و کردار سے دوسرے بھی متاثر ہوتے، لوگ محسوس کرتے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد دل نہیں چہرے تک بدل جاتے ہیں یہی کشش بادیہ نشینوں کو اسلام کی طرف مائل کرتی، ہر مسلمان اپنی جگہ خود مبلغ بلکہ بولتا ہوا قرآن تھا۔

یہ کون لوگ ہیں؟ دمکتے ہوئے چہرے چمکتی ہوئی پیشانیاں، گوری رنگت، بلند قامت، نیچی عبائیں، خلوص اور وفا ان کے تیوروں سے ٹپکی پڑ رہی ہے...... یہ قبیلہ نجیب کے نمائندے ہیں۔ پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو چکا ہے۔ اسی نے ان تیرہ بزرگوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت بھیجا ہے۔

شاید مدینہ میں یہ تجارت کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔۔ اونٹ اور بکریوں کی قطاروں کی قطاریں ان کے ساتھ ہیں۔ غلہ بھی ہے۔ کھجوریں بھی ہیں، درہم دینار بھی ہیں...... قوم نے اپنے مال کی زکوۃ دے کر ان کو مدینہ بھیجا ہے۔

...... اپنی زکوۃ تم واپس لے جاؤ، اور اپنی قوم کے فقراء میں بانٹ دو...... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

...... یارسول اللہ! فقیروں کو دے دلا کر جو بچ رہا ہے، ہم وہی لے کر آئے ہیں۔ قوم نجیب کے نمائندوں نے عرض کیا۔

...... یارسول اللہ ﷺ! ان لوگوں سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

...... اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے۔

قوم نجیب وفد کے یہ ارکان قرآن اور سنت سیکھنے کا غیر معمولی شوق رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا، ایک طرف تو ان کے شوق کا یہ عالم کہ زیادہ سے زیادہ وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارتے اور صحابہ کرامؓ سے قرآن وسنت کے بارے میں گفتگو کرتے، اور دوسری طرف ان کو اپنے وطن جانے کی جلدی بھی تھی۔ صحابہ کرامؓ سے بار بار کہتے کہ حضور کی خدمت میں عرض کرو کہ یہ لوگ اپنے وطن واپسی کا عزم رکھتے ہیں۔ سرکار اجازت مرحمت فرمادیں...... صحابہؓ نے ان سے دریافت کیا کہ وطن جانے کی آخر تم لوگوں کو کیا جلدی ہے اس قدر مقدس صحبت تمہیں دنیا جہاں سے میسر کہاں آسکتی ہے۔

کبھی کبھی تو یہ لمحے نصیب ہوتے ہیں۔

لوگوں نے جواب دیا کہ دل تو ہمارا یہاں سے جانے کو نہیں چاہتا، مگر شوق بے چین کئے ہوئے ہے۔ کہ حضور ﷺ سے جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اسے جلد سے جلد اپنی قوم کو بھی پہنچادیں۔ تاکہ وہ لوگ اس فیض سے محروم نہ رہیں۔

جب وفد نجیب کے ارکان جانے لگے تو حضور ﷺ نے ان سب کو عطیے مرحمت فرمائے عطیے دینے کے بعد حضور ﷺ نے دریافت کیا۔

......تم میں کوئی آدمی باقی تو نہیں رہ گیا؟ جواب میں عرض کیا گیا۔

......ہاں! رہ گیا ہے ایک نوجوان! (ایک تندرست وتوانا نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

......حضور! میری قوم پر رحمت کی برکھا ہوئی ہے تو مجھ پر ایک آدھ چھینٹا پڑ جائے

......نوجوان نے گزارش کی۔

......تم چاہتے کیا ہو...... حضور ﷺ نے مستفسرانہ انداز میں فرمایا۔

......نوجوان بولا۔

......میں۔ حضور ﷺ میں! میری تمنا سب سے جدا ہے۔ یارحمتہ اللعالمین ......نوجوان بولا۔

......تمہاری آخر تمنا کیا ہے؟......رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔ میں اپنے گھر سے یہ تمنا لے کر چلا تھا کہ حضور سے اپنے لئے دعا کراؤں گا۔ اس لئے کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنی بنا دے......نوجوان کے جواب پر حضور نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

ہجرت کے دسویں سال جب حضور ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تو قبیلہ نجیب کے لوگ بھی آپ کی خدمت حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان سے اس نوجوان کا حال پوچھا، لوگوں نے کہا:۔

......یارسول اللہ ﷺ! اس طبیعت کا تو کوئی آدمی آج تک دیکھنے میں ہی نہیں آیا اس کی قناعت اور فقر و غنا کا یہ عالم ہے کہ اس کے سامنے اگر سارے جہان کی دولت بھی بٹ رہی ہو تو وہ ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

وفود کی حاضری اور باریابی کا تانتا بندھا تھا۔ ایک وفد آیا دوسرا گیا، ہمدان، ثقیف، طے

،غسان ،غدرا،غائد،معارب ،درس ،سلامان ،نخع وغیرہ قبیلوں کے وفود (Deputations)بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی سعادت سے مشرف ہوکر گھروں کو لوٹے

طائف جس کے بازاروں میں وہاں کے لوگوں نے پتھراؤ کر کے پائے مبارک لہولہان کر دیا تھا اور جہاں کے چھوکرے حضورﷺ کے پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے تھے ......اس مقام کے افراد بھی حاضر ہوئے ،کفر و جہالت کی تاریکی چھٹ چکی تھی ،نادانی اور بے خبری کے پردے آنکھوں سے اٹھ چکے تھے۔دلوں کی دنیا ہی بدل چکی تھی ،جو کبھی محمد رسول اللہﷺ کی باتیں سننا گوارا نہ کرتے تھے انہوں نے آپ کی اطاعت کا قلاوہ خوشی خوشی اپنی گردن میں پہن لیا۔

وفد ثقیف کی حضور نے اس قدر عزت فرمائی کہ خاص مسجد نبوی کے صحن میں ان کے لئے خیمہ نصب کیا گیا ،یہ لوگ صحابہ کرامؓ کو نمازیں ادا کرتے اور قرآن پڑھتے دیکھتے،عبادت و بندگی کی کیفیت نے ان کے دلوں کو اتنا متاثر کیا کہ مسلمان ہوتے ہی بنی۔

☆بت شکنی☆

عرب میں قبیلہ قبیلہ کا بت جدا تھا،قبیلہ ثقیف لات کو پوجتا تھا،عربوں میں بتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ایک گھر میں دس آدمی اور ہر آدمی کا الگ الگ معبود !جس پتھر کے ٹکڑے اور لکڑی کے تختے کو چاہا ادھر ادھر سے چھیل چھال اور گھڑ کر خدا بنا لیا مگر ’’لات‘‘ تمام قبیلوں کا مشترکہ خدا تھا ۔ہبل اور عزیٰ کی حیثیت تھی لات کی۔

ثقیف کا وفد جب مدینہ سے واپس چلا گیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ صحابہ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور لات کو گرانا شروع کیا......آس پاس ہر جگہ بجلی کی طرح خبر پہنچ گئی۔کہ لات کو ڈھایا جا رہا ہے لات ان کا صدیوں سے معبود چلا آ رہا تھا اس کی محبت ان میں سے بعض کے دل میں

اب تک رچی ہوئی تھی۔ تماشائیوں کے ٹھٹ لگ گئے مرد ہی نہیں پردہ نشین عورتیں تک گھروں سے نکل آئیں۔ ایمان نے ابھی پوری جڑ نہ پکڑی تھی، کوئی یہ سمجھ رہا تھا کہ لات کو جو گرائے گا وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ کسی قوم کے ''خدا'' کو یونہی چپ چاپ عافیت کے ساتھ ہنسی خوشی توڑ دینا کوئی دل لگی نہیں ہے...... سب کی نگاہیں لات پر جمی ہوئی تھی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی خالدؓ کے ساتھ تھے، انہوں نے کمان چلہ پر چڑھائی اور لات کو خوب تاک کر تیر جو مارا تو زور میں خود ہی زمین پر گرے گئے، بعض لوگوں کی خوشی کے مارے چیخیں نکل گئیں کہ ہمارے خدا نے مغیرہ کو ٹھکرا دیا، مغیرہ کو اس پر طیش آ گیا نہایت تیز لہجہ میں بولے۔

یہ پتھر کا ذلیل ٹکڑا بھلا کیا کر سکتا ہے۔ ایہا الناس! خدائے واحد کی بندگی کرو اور اس کہ پناہ تلاش کرو۔

حضرت مغیرہ نے پہلے اس جھوٹے خدا کو توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیا پھر تمام مسلمان معبد کے دیواروں پر چڑھ گئے اور آن کی آن میں ساری عمارت ڈھا دی بلکہ اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ مقصد یہ تھا کہ ثقیف والوں کے دلوں میں لات کی عظمت جو ابھی تک بیٹھی ہوئی ہے دور ہو جائے اور وہ اپنے معبود کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے ثقیف میں سے کسی ایک کی پیشانی بھی غیر اللہ کی طرف نہیں جھکی، لات کو یوں ہی صحیح سلامت چھوڑ دیا جاتا تو گمراہی کی طرف لوٹ آنے کا ہر وقت امکان تھا۔

☆بستر علالت پر!☆

اسلام میں ''خدا پرستی'' کے سوا کسی دوسری ''پرستش'' کے لئے گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے کو بار بار ''خدا کا بندہ'' کہتے تھے تاکہ جان نثار امتی جوش عقیدت

میں حضور ﷺ کو دوسری گمراہ قوموں کی طرح خدا کا شریک اور اوتار نہ سمجھ لیں۔

طلب برکت، استغاثہ، فریادرسی اور استمداد ...... خدا کی ذات کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ مصیبتوں کا دور کرنا، غموں کا مٹانا، صحت و عافیت دینا غرض اس قسم کی تمام صفات اور ان امور کی تکمیل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیبا اور سزاوار ہے۔

اسلام میں قبروں پر جانے کی جو اجازت دی گئی ہے اس کا یہی فلسفہ اور غرض و غایت ہے، کہ جانے والے اہل قبور کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور ساتھ ہی درس عبرت بھی لیں کہ یہ جو آج سینکڑوں من مٹی کے نیچے سو رہے ہیں کل چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے تھے مگر اللہ کا جب حکم آ گیا تو ان کو ایک سانس لینے کی بھی مہلت نہ مل سکی، ہمارے ساتھ بھی ایک دن یہی معاملہ ہونے والا ہے۔ دنیا کی زندگی اور مال و دولت کو ٹھہراؤ نہیں یہ چلتی پھرتی دھوپ چھاؤں کی مانند ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جہاں سدا رہنا ہے۔ بس وہیں کے لئے آدمی کو کچھ کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ بھی قبرستان بقیع میں مردوں کے لئے دعائے خیر فرمانے کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دن حسب معمول بقیع تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس ہوئے تو طبیعت بھاری بھاری سی تھی، چند دن کے بعد بخار میں اس قدر شدت ہو گئی کہ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک سے جو رومال باندھا گیا تھا میں اسے چھوتا تو میرا ہاتھ گرمی کی شدت سے تاب نہ لا سکتا۔

حکم الٰہی کے سامنے ہر کوئی مجبور ہے نبی پیغمبر اور ولی بھی مشیت الٰہی کے آگے دم نہیں مار سکتے بلکہ وہ تو عوام سے بہت زیادہ خدا کی مرضی تابع کے ہوتے ہیں۔ جس ذات اقدس کی دعاؤں نے بیماروں کو شفا بخشی تھی آج وہ خود بیمار تھی۔ مگر علالت کے زمانہ میں بھی گیارہ دن تک

حضورﷺ نماز کی امامت فرماتے رہے۔ایک دن عشاء کے وقت نماز پڑھانے کے لئے وضو فرمایا اور تشریف لے جانے لگے تو غش آگیا ،تین بار یہی صورت پیش آئی ،آخر کار حضورﷺ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے حکم دیا۔

صفیں درست ہوئیں ،تکبیر کہی گئی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلے پر کھڑے ہوکر کہا اللہ اکبر' اور نیت باندھ لی۔صحابہ کرام آج مقتدی تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدا !یہ بہت بڑا شرف تھا۔نکتہ رس طبیعتوں نے اسی وقت اس بھید کو پالیا تھا کہ رسول اللہﷺ کے بعد امت کی پیشوائی کا منصب سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو ملے گا۔کبھی کبھی حال کے آئینہ میں مستقبل کے واقعات بھی جھلکنے لگتے ہیں،۔

صحابہ کرامؓ سے ضبط نہ ہوسکا ،آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور بعض تو آواز کے ساتھ رونے لگے حضورﷺ نے رونے کی آواز سنی تو مسجد میں تشریف لے گئے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر بیٹھ کر نماز پڑھائی......وصال سے پانچ دن قبل حضور نے ارشاد فرمایا:۔

......تم سے پہلے ایک قوم گزری ہے جس کے لوگوں نے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا،تم ایسا کام نہ کرنا خدا ان یہودیوں اور نصرانیوں پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ بنالیا......اس کے بعد ارشاد ہوا:۔

......اے خدا!میری قبر کو میرے بعد بت نہ بننے دیجیو۔

......اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا جنہوں نے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا ،دیکھو!میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔میں تبلیغ کر چکا......خدایا تو اس کا گواہ رہ !خدایا تو اس کا گواہ رہ!

﴿آخری ساعتیں﴾

سخاوت کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دست عطا پر ناز تھا۔ اور ادھر مال آیا ادھر فقرا اور حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔ ایسے سخی داتا کے یہاں اللہ کے نام کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ یہ دنیوی زندگی کی آخری رات ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے گھر میں چراغ جلانے کے لئے تیل تک نہیں ہے۔ بیماری کے گھر میں اندھیری رات اور بھی شاق گزرتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک ہمسایہ عورت سے تیل ادھار مانگ کر چراغ جلایا۔

صبح کا وقت تھا، جھٹ پٹا سا تھا، اندھیرا اور اجالا ملا جلا سا! صحابہ کرامؓ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے، حضور ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو صحابہؓ کو نماز میں مصروف اور مستغرق پا کر لب ہائے مبارک متبسم ہو گئے۔ رحمتہ اللعلمین کا اس دنیائے ناپائیدار میں یہ آخری تبسم تھا۔ سپیدۂ سحر نے رسول اللہ ﷺ کی مسکراہٹ کو ادب کے ساتھ سلام کیا اور دبی زبان سے درود بھیجا۔

مرض کی بہت زیادہ شدت تھی، پیالہ میں ہاتھ ڈال کر بار بار پانی کا ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ حضرت فاطمہؓ سے مقدس اور شفیق باپ کی یہ بے چینی نہ دیکھی گئی۔ بے اختیار رو پڑیں، حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سیدہ کے آنسوؤں کو پونچھا، اس کے بعد چہیتے نواسوں کو بلایا، حسن و حسینؓ بھی نانا کی بیقراری کو دیکھ کر رو دیئے حضور ﷺ نے جنت کے ان دونوں گلدستوں کو چوما اور ان کے عزت و احترام کے لئے وصیت فرمائی...... پھر حضرت علیؓ کی طلبی کے لئے حکم ہوا علیؓ آئے پریشان، افسردہ اور مغموم! حضور ﷺ پر نقاہت طاری تھی، سر مبارک کو علیؓ نے گود میں لیا حضرت علیؓ کو نصیحت فرمائی گئی، علیؓ حجرۂ نبوی سے باہر چلے گئے تو حضرت عائشہ نے سر اقدس کو اپنے زانو پر رکھ لیا، ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمان اتنے میں مسواک لئے ہوئے آ گئے مسواک نرم و تازہ تھی آپ نے اس حالت میں مسواک فرمائی

اور زبان حق ترجمان گویائی ہوئی!

”نماز......نماز......اور لونڈی اور غلام کے حقوق...... الصلوة !وماملکت ایمانکم

اس کے بعد......آخری الفاظ:۔

”اللھم الرفیق الا علی“

بس پھر کوئی آواز نہ آئی، زانوئے عائشہ پر سر مبارک سکون کے ساتھ رکھا تھا۔نورانی چہرہ آج اور زیادہ سپید ہوگیا تھا جیسے حضورﷺ سچ مچ سو رہے ہیں۔ چاشت کا وقت تھا دوشنبہ دن ہجرت کا گیارھواں سال، سن شریف تریسٹھ سال اور چار دن......جس نے دنیا میں بھیجا تھا اسی نے بلا لیا روح مبارک، عالم قدس میں رفیق اعلیٰ سے جاملی......رہے نام اللہ کا!

ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔کسی کسی صحابی کا تو یہ عالم تھا کہ رسول اللہﷺ کی وفات کی خبر سن کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا جیسے اس کے بدن میں جان ہی نہیں رہی، شدت غم نے نامی جسم کو تھوڑی دیر کے لے بت کی طرح جامد بنا دیا۔درودیوار زبان حال سے ’الفراق“ کہہ رہے تھے حضرت سیدہ فاطمہؓ کا نازک اور معصوم دل شعر کی زبان میں چیخ اٹھا۔:۔

صبت علی مصائب لوانھا

صبت علی الایا مرصون لیالیسا۔

مجھ پر ایسی مصیبتیں آپڑی ہیں اگر دن پڑتی تو رات بن جاتا۔

حضرت عمرؓ پر عجیب جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر بولے کہ کسی کی زبان سے اگر یہ نکلا کہ محمدﷺ وفات پاگئے تو کہنے والے کا سر اڑادونگا جب سراسمگی کا عالم طاری تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کاشانہ نبوت میں گئے، پیشانی مبارک کو عقیدت کے ہونٹوں سے چوما اور مسجد نبوی میں تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا:۔

......جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا سو وہ سن لے کہ وہ (محمد ﷺ) انتقال فرما گئے اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ دائم وقائم اور حی قیوم ہے......اللہ تعالیٰ ارشار فرماتا ہے۔

......محمد ﷺ بھی تو ایک رسول ہیں ان سے قبل بہت سے رسول اور پیغمبر گزر چکے ہیں وہ اگر وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم کیا الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اگر بالفرض کوئی شخص پھر جائے تو اللہ کو وہ کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزاروں کو جزا عطا فرمائے گا۔

﴿زندہ پیام﴾

عام طور پر دستور ہے اور دستور کیا ہے یہی ہوتا ہے اور ہوا کرتا ہے کہ ناول کے ''ہیروؤ'' کے مرجانے کے بعد ناول نگار کا قلم بھی رک جاتا ہے۔ اور ناول کو ختم کر دیا جاتا ہے......اختتام (End)......جب ہیرو کی زندگی ہی ختم ہو گئی تو اس کے متعلق ناول کس طرح جاری رہ سکتا ہے اسے بھی ختم ہو جانا چاہیے۔ ہر آغاز کو اسی اختتام کے حزینہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ مگر ''دریتیم'' کے ہیرو ''محمد ﷺ'' کی زندگی اور وفات کو دوسروں کی زندگی اور وفات کو دوسروں کے مرنے جینے پر ہرگز قیاس نہ کیجئے۔ حضرت محمد ﷺ کا فرمان پیام اسوۂ حسنہ، کردار اور زندگی کا ایک ایک جزئیہ اسی طرح زندہ ہے جس طرح وہ مکہ، مدینہ، طائف، بدر، حنین، خندق اور خیبر و تبوک میں زندہ ،قابل عمل، لائق تقلید اور جاری و نافذ تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے پیام اور اسوۂ حیات کو زوال وفنا سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ستاروں کے چراغ اور مہ وافتاب کی قندیلیں بجھ سکتی ہیں۔

مگر محمد رسول اللہ ﷺ ہدایت کے جس چراغ کو لے کر آئے تھے وہ نہیں بجھ سکتا ......سینکڑوں صلیبی معرکے اور ہزاروں ''مہابھارت'' بھی اس کو نہیں بجھا سکتے ،لوگوں نے کوشش کر کے بھی دیکھ لی مگر ناکامی ہوئی ۔یہ چراغ تو آندھیوں کی گود میں سدا جلا کیا ہے مخالفتیں اسکا کچھ بگاڑ نہ سکیں اللہ سے کون لڑ سکتا ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے پیام کی مخالفت درحقیقت خدا کے مقابلے میں دعوت مبارزت اور اعلان جنگ ہے۔

تلوار ہی نہیں قلم ، کتاب اور زبانوں نے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے پیام کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا۔شیطان ، جھوٹے اور فریبی نبیوں کے بھیس میں آئے مگر دروغ کو فروغ نہ ہو سکا ،جھوٹ کھل کر رہا ،اہل بصیرت اور ارباب نظر کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکی جا سکی، نادان، بدبخت اور سیاہ باطن البتہ اس دھوکے میں آگئے ان کو آجانا ہی چاہیے تھا۔ شیطان کو اس دنیا میں اپنا مشن چلانے کے لے کچھ ہمنوا اور ''جی حضوری'' بھی تو چاہیں۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی آویزش اور ستیزہ کاری جاری رہے گی اس میں قدرت کی زبردست مصلحت پوشیدہ ہے ......مگر اہل حق ، کفرو باطل کی اس چھیڑ چھاڑ سے دل گرفتہ اور پریشان نہیں ہوا کرتے ۔ان فتنوں اور شورشوں کو دیکھ کر ان کا ایمان اور محکم اور ان جذبہ عمل زیادہ فعال (More active) ہو جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا پیام زندہ ہے،کام زندہ ہے،آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ زندہ ہے،مقدس زندگی کی ایک ایک ادا محفوظ اور پائندہ ہے......پھر وفات اور اختتام کیسا! محمد رسول اللہ ﷺ آج بھی اسی طرح نبی ہیں جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھے ۔تمام صالح قیادتوں اور نیک سیادتوں کا مرکز محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو قیادت اس مرکز حق و صداقت سے ہٹی ہوئی ہے وہ گمراہی اور ضلالت ہے...... چاہے قوم میں وہ

ایک لاکھ ''اتاترک کمال'' ہی کیوں نہ پیدا کر دے۔

عدی نے دیکھ لیا

محمد رسول اللہ ﷺ یقیناً خدا کے بندے، بشر اور انسان تھے اور یہی ''عبدیت'' حضور ﷺ کے کمال کی دلیل ہے۔ ...... مگر کیسے بندے؟ جس کو جنت کی بشارت دے دی اس پر جنت واجب ہوگئی، غزوۂ خندق میں جب بھاری پتھر کو حضور نے کدال سے توڑا ہے۔ تو سلمانؓ نے کدال کی ضرب کی روشنی میں شام و مصر اور ایران کے وہ علاقے دیکھ لئے تھے جن پر آگے چل کر پرچم اسلام لہرانے والا تھا۔

حاتم طائی کو کون نہیں جانتا، سخاوت اور داد و دہش نے اس کے سر پر شہرت دوام کا تاج رکھ دیا ہے اسی حاتم کے بیٹے عدی، قبیلہ طے کے نامور سردار! عدی بن حاتم کو بھی اسلام کا شرف اور ایمان کی سعادت حاصل ہوئی، حضور ﷺ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا:

وہ زمانہ بہت قریب آرہا ہے جب تو سن لے گا کہ قادسیہ سے ایک عورت تن تنہا چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی۔ اور اسے کسی قسم کا خوف اور ڈر نہ ہوگا۔ ارض بابل کا سفید محل بھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگا۔

عدی نے اس پیشگوئی کے ایک ایک حرف کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیا، نوشیرواں کے قصر و ایوان بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور قادسیہ سے ایک عورت اکیلی مکہ حج کرنے کے لئے آئی ہوئی بھی دیکھ لی۔

محمد ﷺ خدا کے رسول اور بندے بھی ...... صاحب خیر کثیر ...... یہ بھی ہوا ہے کہ گھر میں کئی کئی دن سے چولہا گرم نہیں ہوا فاقہ پر فاقے ہو رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا کہ تھوڑے سے

کھانے پر حضور ﷺ نے دست مبارک پھیر دیا اور ایک جماعت نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر بھی کھانا بچ رہا پانی کی ذرا سی چھاگل میں دست خیر ڈال دیا تو انگلیوں سے پانی کے فوارے چھٹنے لگے اور پورا قافلہ سیراب ہوگیا۔ جبر و اختیار، مشیت تکوینی میں سموئے ہوئے! یہ نکتہ اس سے زیادہ فاش نہیں کیا جا سکتا، جو سمجھ لے گا اس کو مبارکباد جو نہ سمجھے اس سے کوئی باز پرس نہیں ......مگر ہاں! متشککین اور مذبذبین کو بدتوفیقی کی خبر بد!

☆﴿سب کے رسول﴾☆

کسی مبالغہ کے بغیر پوری دیانت اور کمال ذمہ داری کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی برابر جامع شخصیت تاریخ وزیر میں نہیں آتی، کسی کے یہاں رحم ہی رحم اور عفو ہی عفو ہے کوئی غلبہ اور غضب کا مظہر ہے، کسی کی زندگی میں دنیا میں فرمانروائی کی جگمگاہٹیں ہیں اور کہیں فقر فاقہ اور ترک دنیا کی سادہ کاریاں ہیں......اور یہی نہیں کوئی صرف کلدانیوں کو ہدایت کا پیام دیتا ہے کسی کے مخاطب صرف بنی اسرائیل ہیں کسی کو بعلک اور نینوا کے بھٹکے ہوؤں کی رہبری مقصود ہے کوئی چین کے حدود مملکت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا کسی کا پیام صرف ایران کے گردوپیش میں گونج کر رہ گیا، کسی کی بانسری گوگل بندرابن کے حوالی کو نغمہ زار بناتی رہی......مگر محمد رسول ﷺ عربی کا پیام ملکوں اور خطوں میں محدود نہ رہ سکا بحر الکاہل کا ساحل، بحر ہندوروم کے جزائر، دجلہ وفرات کے کنارے، سندھ کا ریگستان، کوہ بیستون کی وادیاں، لبنان اور البرز کے ٹیلے، نیل کی ترائی، برنیز کی چوٹیاں، فارس کے آتش کدے، بھارت ورش کے پوتر استھان، کلیساؤں کے مینارے اور بت خانوں کے درودیوار، اس پیام سے گونج اٹھے، محمد رسول اللہ ﷺ کے پیام نے قوموں کی تقدیریں بدل دیں گورے، کالے، ابیض واحمر اور رزق واصفر، چھوٹے بڑے، جاہل عالم، مرد، عورت، غریب اور امیر سبھی نے

بقدر ذوق کسب فیض کیا، اسی پیام کی بدولت غلام ایکا ایکی پستیوں سے اچھل کر فرمانروائی اور قیادت کے شہ نشینوں پر جا بیٹھے...... یہ انقلاب چہروں اور صورتوں کا نہیں فکر و نظر اور ضمیر باطن کا انقلاب تھا، اس نے چوروں اور لٹیروں کو انتہائی دیانت دار اور امن پسند بنا دیا، فاسقوں اور بدکاروں میں نیکی اور پاکیزگی کی غیر فانی روح پیدا کر دی۔ اس انقلاب نے صالح، تمدن اور پاکیزہ تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ اور نہ صرف بنیاد بلکہ پوری عمارت کھڑی کر دی جس کی ایک ایک اینٹ حسن تناسب اور صنعت تعمیر کا شاہکار ہے۔

جھلکیاں

عبادت اور خدا کی بندگی کا وہ عالم کہ رات رات بھر اللہ کے حضور کھڑے رہتے، پائے مبارک ورم آلود ہو گئے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! اتنی مشقت کا ہے کو گوارا فرماتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیا، صحابہؓ کی اس گزارش پر جواب ارشاد ہوا...... کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

شجاعت اور بہادری کی کیفیت کہ خونریز جنگوں میں جب اچھے اچھوں کے پیر اکھڑ جاتے حضور اس طرح ثابت قدم رہتے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اطمینان سکون، بے خوفی اور خدا کی یاد...... فاتح خیبر شیر خدا علیؓ کا بیان ہے کہ جنگ جب زیادہ شدید ہو جاتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ ڈھونڈتے تھے، غزوہ حنین میں صحابہ کرامؓ متزلزل ہو گئے تھے عام سراسیمگی اور گھبراہٹ طاری تھی مگر رسول اللہ ﷺ کوہ وقار بن کر اپنی جگہ قائم رہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مدینہ میں شور مچا کہ لٹیرے آن پہنچے، سارے شہر میں کھلبلی مچ گئی، ماؤں نے اپنے بچوں کو کلیجوں سے چمٹا لیا، ہر شخص گھبرا رہا تھا کہ نا جانے کیا آفت آنے والی ہے۔ ڈاکو پورے ساز و سامان کے ساتھ آتے ہونگے۔ نہ جانے کس کس کی بیوی کو بیوہ اور

کس بچہ کو یتیم ہونا پڑے۔ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ حضور ﷺ نے تلوار لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر پہنچے اور پورا چکر لگا کر واپس ہوئے اور تسکین دیتے ہوئے فرمایا:۔ لوگو! کچھ نہیں ہے کچھ نہیں ہے!

تواضع کا یہ عالم کہ جب حضور ﷺ کسی کے یہاں تشریف لے جاتے کسی اونچی جگہ اور ممتاز مقام پر بیٹھنے کی ہرگز کوشش نہ فرماتے، عام آدمیوں کے ساتھ انہیں کے برابر بیٹھ جاتے۔

شیما حضور ﷺ کی رضاعی بہن تھیں، ہوازن کے قبیلہ کے لوگ گرفتار ہو کر آئے تو ان میں شیما بھی تھیں۔ ان کو دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنی چادر بچھادی۔ شیما کے قدم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس چادر...... حیرت! مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے، رحمۃ للعلمین کا دریائے جودوکرم اسی طرح جوش میں آتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے فرط عقیدت سے حضور ﷺ کے دست مبارک کو چومنا چاہا حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا اور ارشاد فرمایا، یہ عجمیوں کا کام ہے۔

حبش کے باشادہ نجاشی نے اپنے سفراء حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجے، رسول اللہ نے بہ نفس نفیس ان لوگوں کی مہمانداری فرمائی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ یہ کام تو ہمیں کرنے دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے میرے صحابہؓ کی آؤ بھگت اور عزت کی تھی میں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔

سیر چشمی اور عالی ہمتی کی یہ شان کہ اپنی آل پر صدقہ حرام کر دیا، حضور ﷺ نے عام اعلان فرمادیا تھا کہ جو کوئی مسلمان مرجائے اور اس کا قرضہ میں ادا کرونگا۔ اور اس کے مال واسباب کے وارث اس کے عزیز واقربا ہونگے

چہیتی اور پیاری بیٹی فاطمہؓ کے سر پر ثابت اوڑھنی بھی نہ تھی اور عوام میں حضور ﷺ مال

ودولت تقسیم فرما رہے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ سائل نے سوال کیا اور حضورﷺ نے بکری کا دودھ یا آٹا سائل کو بخش دیا اور حرم رسول میں وہ دن فاقہ سے گزرا۔

سائل کو ناکام نہ پھیرا بخش دیا جو کچھ گھر میں تھا
بھوکا سو رہنے کی عادت صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ کسی کو مال اور جنس دیتے تو خوب نیچا تولتے اور کسی سے لیتے تو اس کا لحاظ نہ فرماتے وہ اونچا تول دیتا بھی جبیں سعادت آثار سے ناخوشی ظاہر نہ کرتے مال و دولت کبھی جمع ہی نہیں کیا جو کچھ آتا حاجت مندوں میں کھڑے کھڑے تقسیم فرما دیتے۔

ایک ضرورت مند نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر دست سوال دراز کیا حضور نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے تم میرے نام پر کسی قرض سے لے لو میں تمہارا قرض اتار دونگا۔ حضرت عمر فاروقؓ وہاں بیٹھے ہوئے تھے بولے۔

خدا نے آپ کو اپنی قدرت اور استطاعت سے بڑھ کر کام کرنے کی تکلیف نہیں دی۔

اس پر حضورﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری اداشناس وہاں بیٹھا تھا بول اٹھا۔

یارسول اللہﷺ خوب دیجئے! رب العرش مالک ہے پھر تنگ دستی کا کیا خوف؟

انصاری کے جواب پر حضورﷺ کو ہنسی آ گی اور مسرت چہرۂ اقدس پر بکھر بکھر گئی پھر فرمایا۔

ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے۔

مدینہ میں ایک یہودی تھا دل کا صاف اور نیت کا نیک۔ اسلام کے بارے میں وہ بہت کچھ سن چکا تھا مگر ابھی اس مس خام کے کندن بننے میں ایک آنچ کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

یہودی نے اپنے مذہبی صحیفوں میں پڑھا تھا کہ انبیاء بہت عالی ظرف اور بردبار ہوتے ہیں۔ اس کا وہ امتحان چاہتا تھا اس نے آزمائش کے طور پر رسول اللہﷺ کو کھجوریں قرض کے

طور پر دے دیں اور قرض ادا کرنے کا جو دن مقرر ہوا تھا اس سے پہلے آ دھمکا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک کو زور سے جھٹکا دے کر بولا:۔

''محمدؐ! تو ہمارا قرض کیوں نہیں دیتا۔ خدا کی قسم تم عبدالمطلب کے گھرانے والے بڑے نادہند اور لیلوٹ واقع ہوئے ہو۔

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بہت ہی تند لہجہ میں یہودی سے بولے:۔

او دشمن خدا! تو نے رسول خدا کو جو کچھ کہا ہے اگر حضور ﷺ کی نافرمانی کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔ حضور ﷺ نے عمر پر تبسم آمیز نگاہ ڈالی اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا۔

......عمر تمہیں تو مجھ سے قرض ادا کرنے کے لئے کہنا چاہیے تھا، جاؤ! اس کا قرض نبٹا دو اور تم نے جو اسے ڈرایا اور دھمکایا ہے اس کے عوض بیس صاع اور زیادہ دینا۔

یہودی پر حق پوری طرح کھل کر واضح ہو چکا تھا، غور و فکر کی اب ضرورت ہی نہ رہی تھی وہ اس وقت ایمان لے آیا اور قوم مغضوب کے دائرے سے نکل کر اہل ''انعمت علیھم'' میں شامل ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنا کم کاج خود اپنے ہاتھ سے کرتے کپڑے دھو لیتے جوتا گانٹھ لیتے۔ جانوروں کو چارہ ڈالتے نوکر کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے، چھوٹے بڑے سب کو سلام کرنے میں پہل کرتے لوگوں کے سلام کے منتظر نہ رہتے، لباس انتہائی سادہ اور کھانا موٹا جھوٹا جو سامنے آ گیا خوشی اور رغبت کے ساتھ کھا لیا۔

حضرت انس بن مالکؓ کئی سال خدمت اقدس میں رہے مگر حضور ﷺ نے کسی کام پر ان کو کبھی سخت سست نہیں کہا اپنی ذات کے لئے کسی سے نہ انتقام لیتے نہ جھگڑتے اور کسی کی خلاف طبیعت بات کا برا مانتے، ہاں دین کے معاملہ میں جلال آ جاتا۔ یہودی کا ایک لڑکا حضور ﷺ کی

خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو خود اس کے گھر پیدل چل کر عیادت فرمائی۔

بلاوجہ گفتگو نہ فرماتے، زیادہ تر خاموش رہتے، ضرورت کے وقت نطق وحی آثار کو جنبش ہوتی، باتیں اس قدر مربوط اور ٹھہر ٹھہر کر کرتے کہ کوئی گننا چاہتا تو ایک ایک لفظ کو گن سکتا تھا۔ کسی شخص کو نصیحت کرنی ہوتی تو مجمع عام میں اس کا نام نہ لیتے بلکہ اس طرح فرماتے۔

آجکل لوگ، ایسا ایسا کرنے لگے ہیں۔

جب کوئی شخص اپنی خطا پر نادم ہو کر معافی چاہنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو شرم وحیا کے مارے گردن جھکا لیتے۔ یوحنا نے حضور ﷺ کے مکہ میں فاتحانہ داخلہ کے بارے میں پیشگوئی کی تھی۔

اس کے لباس پر شہنشاہوں کے شہنشاہ اور خداوندوں کا خداوند لکھا ہوگا۔"

صاحب مکاشفات سینکڑوں برس پہلے حضور ﷺ کے پیچھے آسمانی فوجوں کا ادب و وقار کے ساتھ چلنا اپنی چشم فراست سے دیکھ چکے تھے۔ تو یوحنا کا یہی "شہنشاہوں کا شہنشاہ" جب مکہ میں داخل ہوا تو سر مبارک کو اتنا جھکایا کہ کجاوے سے لگ گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور تہبند باندھے چٹائی پر آرام فرما رہے تھے چٹائی کے نشان جسم اطہر پر صاف ابھرے ہوئے نظر آتے تھے گھر کے ایک گوشہ میں سیر دو سیر جو پڑے تھے اور دیوار پر چمڑا لٹکا تھا اس بے سروسامانی اور فقر افلاس کو دیکھ کر میری آنکھون میں بے اختیار آنسو بھر آئے حضور ﷺ نے میری آنکھوں کی نمی کو پہنچان لیا، فرمایا:۔ یا ابن خطاب! تجھے کس چیز نے رلایا؟

میں نے عرض کیا:۔

یا رسول اللہ ﷺ میں نہ روؤں تو اور کیا کروں، قیصر کسریٰ تو طلائی تخت اور حریر و دیبا کے نرم

فرش پر مزے اڑائیں اور آپ خدا کے پیغمبر اور اس کے برگزیدہ ہوتے ہوئے اس حال میں بوریے پر زندگی بسر کریں۔

عمر فاروقؓ کے جواب پر ارشاد ہوا۔

ابن خطاب ! کیا تو اس پر رضا مند نہیں ہے کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت !

دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر

ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

قلم ہزاروں سطریں کاغذ پر منتقل کر چکا مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک وصف کی بھی پوری تصویر نہ کھینچ سکی...... لیکن اہل نظر اور ارباب ذوق کے لئے ان ادھورے خاکوں میں ہی بہت کچھ عبرت و بصیرت کے سامان مل سکتے ہیں۔ دل میں درد اور طبیعت میں اخلاص ہو تو برگ وگل کو دیکھ کر عبرتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور ارباب میں ہی بہت کچھ عبرت و بصیرت کے سامان مل سکتے ہیں۔ دل میں درد اور طبیعت میں اخلاص ہو تو برگ وگل کو دیکھ کر عبرتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور ارباب بصیرت کے لئے گھاس کی اک پتی بھی صحیفہ فطرت سے کم نہیں اور اس کتاب میں تو حقائق و واقعات پیش کئے گئے ہیں، ان واقعات میں صداقت ہے زندگی ہے اور جان ہے۔

اب کسی کی دل کی آنکھیں بالکل ہی بے نور ہو گئی ہوں، اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں مگر چشم بصیرت میں ذرا سی بھی روشنی موجود ہے تو ''در یتیم'' کو پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا...... کیسی اور بس یہی ''زندگی'' حق و صداقت کا آخری معیار ہے۔

ما رمضان کی اٹھائیسویں صبح (۱۳۶۸ ہجری) طلوع ہونے والی ہے۔ نسیم سحری کے

جھونکے محوِ خرام ہیں۔ آس پاس سے قرآن کی تلاوت کی دلنواز صدائیں آرہی ہیں۔اور ناول نگار ''صاحب قرآن'' پر درود وسلام بھیج رہا ہے

رحمتہ اللعلمین پر سلام! خاتم النبین پر سلام انسانیت کے محسن اعظم پر سلام !......ابوعبداللہ کے

دریتیم

پر

سلام